digest library.com

Scanned with CamScanner

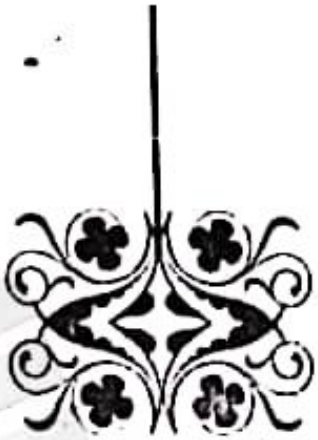

اداریہ

مجھے کچھ کہنا ہے — مدیرہ — 07

سلسلہ وار ناول

اک دیا ہے ہاتھوں میں — نکہت سبحانی — 14

کون خوابوں کے پر کترتا ہے — افشاں آفریدی — 38

ناولٹ

مریخ پر پہلا قدم — نازنین فردوس — 56

دل سرائے — سونیا نوید — 140

میری دیرینہ تمنا کے — سیما بنت عاصم — 162

انسانے

میں اور میرے پوجے — بما بیگ — 40

فیصلہ خدا کا — شمیم فضل خالق — 43

ایک سوال جو ہر لمحہ کا — صبیحہ شاہ — 49

دل کا رشتہ — قرۃ العین سکندر — 75

رب کی لاٹھی — مہوش اسد شیخ — 79

جانور — عنیقہ محمد بیگ — 115

صبح کا بھولا — سلمیٰ غزل — 123

ابٹن قہقہہ اندازی — مسکان قریشی — 131

بلا تحقیق — امیرہ مغل زاد — 155

ذمے داری آدھی تمہاری — افشین نعیم — 177

خصوصی مضامین

بیاد معراج رسول — نزہت اصغر — 10

ہم مسلمان ہیں — اختر شجاعت — 184

اللہ کے گھر سے بلاوا آیا — تسنیم کوثر — 192

ہیروئے — شائستہ زریں — 195

پبلشر و پروپرائٹر نیشنل ریسول مطابق اشاعت: گراؤنڈ فلور C-63 فیز II ایکس ٹینشن ڈیفنس مین کورنگی روڈ کراچی 75500

پرنٹر: جمیل حسن ، مطبوعہ: ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

مستقل عنوانات

دین کی باتیں	ادارہ 08	خوش ذائقہ	شگفتہ یاسمین 216
بہنوں کی محفل	مدیرہ 201	بزم پاکیزہ	پاکیزہ بہنیں 218
پاکیزہ ڈائری	آمنہ حماد 209	روحانی مشورے	ادارہ 220
میں اکثر گنگناتی ہوں	صغریٰ زیدی 214	ہومیو کلینک	222

Office: 63-C, Phase-II (Ext), D.H.A. Commercial Area, main Korangi Road Karachi.
Postal Address: Box No. 662, G.P.O. , Karachi-74200
Phone:(021)35386783-0335-2323931 E-mail address: jdpgroup@hotmail.com

Scanned with CamScanner

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

مجھے کچھ کہنا ہے!

قارئین کرام.....السلام علیکم

فروری 2026ء کا ابنامہ پاکیزہ آپ کی خوش ذوقی کی نذر.....عیسوی سالِ نو کا دوسرا مہینہ آن پہنچا جو بہاروں کی نوید لاتا ہے اور اب ساتھ، ساتھ شعبان المکرم اور رمضان المبارک کی بابرکت ساعتیں اور پُررونق شب و روز بھی نعمتوں بھری بہاروں کی نوید لیے ہیں۔ الحمدللہ قدرتی بہاروں اور روحانی بہاروں کے ان مہینوں میں جہاں قلب و نظر شاد ہوتی ہے وہاں روح کی بھی تازگی دوچند ہو جاتی ہے۔ ایسے میں انسان کے اپنے متقی اعمال و افعال کے بھیانک اثرات سے تمام عالمِ انسانیت متاثر ہوتی ہے تو روحانی بالیدگی اور تعمیری افکار بھی اس کی زد میں آجاتی ہیں۔

اسلام سراسر خیر و سلامتی کا پیامبر ہے.....تعمیری و اصلاحی طرزِ فکر کا آئینہ دار ہے تو اس کے پیروکاروں کو بھی عملی طور پر یہی ثابت کرنا ہے.....صرف ان مقدس مہینوں کے دوران ہی نہیں بلکہ ان دنوں سے بہترین اخلاقیات کے دروس کشید کر کے آئندہ کے لیے اپنی بھی زندگی سنوارنی ہے اور اردگرد کے ماحول کو بھی پُربہار رکھنا ہے۔ ہر فرد جو معاشرے کی اکائی ہے انفرادی اور اجتماعی ذمے داری قبول کرنے کا اہل ہونا چاہیے اور اسی طرح تو میں بنتی اور ترقی پاتی ہیں۔

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

مدیرہ

نزہت اصغر

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

تو بس بہو ہوتی ہے اچھی، بری نہیں۔ جیسی بھی ہو نبھانا اور محبت سے نبھانا اہم ہوتا ہے۔ ہر رشتے کی اپنی اہمیت ہوتی ہے۔ ہم کسی رشتے کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اس لیے اچھی بہو بننے کی شرط فضول سی ہے....." انہوں نے روتی زویا کو گلے سے لگایا اور اسے چپ کروانے لگیں۔

"وقار تو بہت ہی سلجھا ہوا بیٹا ہے میرا۔ تم تو بہت خوش قسمت ہو کہ تم وقار کی بیوی ہو۔ اور رہی اس کی شرط....." وہ ہنسی تھیں۔

"میں نے اسے سمجھا دیا ہے۔ وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا۔"

وہ بدستور ان کے گلے لگی رو رہی تھی اور وہ اس کا سر تھپتھپا رہی تھیں۔ تبھی وقار اندر آیا تھا۔

"امی، آپ کو ابو بلا رہے ہیں۔" اس نے زویا پر اچٹتی نظر ڈال کر کہا۔

"جا ہی رہی تھی۔ اچھا ہوا تم آ گئے۔ اب اپنی بیوی کو سنبھالو رو رو کر ہلکان ہوئی جا رہی ہے۔ اس پر تو تم نے مائیکے نہ بھیجنے کا کہہ کر غم کا پہاڑ توڑ دیا۔ ایسی شرطیں کون رکھتا ہے۔" وہ اب اسے گھور رہی تھیں۔

"ہاں تو جو کچھ ان محترمہ نے اور ان کی بہنوں نے کہا اس کے بعد اور کیا کہتا۔ پھر سے مائیکا بھیجوں اور ہر بار ایک نئی کہانی کے لیے تیار رہوں۔ کان بھرنے والی سسرال سے دور رکھنا تھا اپنی معصوم سی بیوی کو۔" وہ ڈھٹائی سے بولا تھا۔

"اچھا..... یہ تو اب تم پر ذمے داری ہے ہر بات کو سنبھال لینے کی۔ سسرال والوں کو بھی اور اپنے لوگوں کو بھی۔ مائیکے نہ بھیجنا کوئی حل نہیں ہوتا۔" انہوں نے زویا کو بیڈ پر بٹھایا تھا۔

"سارا بوجھ میں نے ہی لینا ہے ان محترمہ کا کام صرف رونا ہی ہے کیا۔" اس نے پھر سے زور شور سے روتی زویا کو دیکھ کر کہا تھا۔

"اب رونے والی کو کیسے ہنسانا ہے یہ تم جانو۔ میں اب جا رہی ہوں۔ تم دونوں کا کھانا یہیں بھجواتی ہوں، کھا لینا۔" وہ مسکراتے ہوئے باہر جانے لگیں پھر اس الماری کو دیکھ کر رکیں۔

"اب دونوں مل کر اسے ہٹاؤ۔ کمرے کو نمونہ بنا دیا ہے۔" وہ دونوں کو گھورتی باہر چلی گئی تھیں۔ کمرے کا دروازہ بند کر کے وقار اب الماری کی جانب آیا تھا اور اسے ہٹانے لگا تھا۔

"مجھ اکیلے سے نہیں ہٹ رہی۔ آپ مدد کریں گی۔" اس نے ایک ہاتھ سے الماری پکڑی تھی۔ زویا فوراً اٹھی تھی۔ مبادا وہ پھر کچھ کہہ دے۔

"یہ تو ہلکی ہی ہے۔ آپ نے پہلے بھی تو اکیلے ہی ہٹائی تھی۔" اس نے الماری کو پکڑا تو وہ بہت ہلکی لگی۔

"جی..... لیکن جب شادی ہوتی ہے تو ہر کام کا بوجھ میاں بیوی کو مل کر ہانٹنا ہوتا ہے اس لیے۔" وہ الماری کو کھسکاتے ہوئے بولا۔

دونوں نے الماری دیوار سے لگا دی۔ وہاں رکھا چھوٹا تخت بھی سائڈ میں لگا دیا۔ اب کمرا کشادہ لگ رہا تھا۔

"مجھے اس بات کی خوشی ہوئی کہ آپ نے اپنا مسئلہ امی سے بیان کیا بجائے اپنے لوگوں کو اس میں ملوث کرنے کے۔ بس اتنا اعتماد اور مان سسرال والوں کو دیں تو کوئی رشتہ برا نہیں رہتا۔ سمجھداری کا کافی اچھا مظاہرہ تھا....." وہ رکا۔

"اب ہر چیز سیٹ ہو گئی ہے۔ سوائے آپ کے....." سارے کمرے پر ایک تفصیلی نظر ڈالتا وہ اس کی جانب گھوما تو اس نے رخ موڑتے ہوئے چھینک ماری۔

"آچھیں..... مجھے لگتا ہے مجھے پھر سے کورونا ہو گیا ہے۔" اس نے اپنی ناک رگڑی۔

"اچھا۔" وہ شرارت سے ہنسا تھا۔

"بے فکر رہیں۔ میں نے کورونا کی ساری ویکسین لگوا لی ہیں اور بوسٹر ڈوز بھی....." وہ دیوار سے لگی الماری سے ٹیک لگا کر مسکرا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے چھپے پیغام کا ادراک زویا کو ہوا تو اس نے شرما کر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا۔ اب وہ دونوں اپنی حقیقی زندگی کی زمین پر پہلا قدم رکھنے جا رہے تھے۔ جو ان کے لیے مبارک ثابت ہونے والا تھا۔

❁❁❁

Scanned with CamScanner

القرآن الکریم

طٰہٰ (۱) ہم نے تم پر (یہ) قرآن اس لیے نہیں اتارا کہ تم مشقت میں پڑ جاؤ۔ (۲) بلکہ یہ نصیحت ہے اس شخص کے لیے جو (اللہ سے) ڈرتا ہے (۳) (یہ) اس کی طرف اترا ہے جس نے زمین اور اونچے آسمانوں کو پیدا کیا۔ (۴) (خدائے) رحمٰن عرش پر مستولی ہے۔ (۵) اس کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اور جو کچھ نمناک مٹی کے نیچے ہے۔ (۶) اور اگر تم پکار کر بات کہو تو یقیناً وہ (اللہ تعالیٰ) پوشیدہ راز کو بھی جانتا ہے اور سب سے زیادہ چھپی ہوئی بات کو بھی (۷) اللہ تعالیٰ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اسی کے لیے سب اچھے، اچھے نام ہیں (۸) اور کیا تم تک موسیٰ کا واقعہ پہنچا ہے۔ (۹) جبکہ اس نے آگ دیکھی تو اپنے اہل سے کہا کہ ٹھہر جاؤ یقیناً میں نے ایک آگ دیکھی ہے امید ہے کہ اس میں سے تمہیں آگ کی ایک چنگاری لادوں گا یا اس آگ کے پاس مجھے راستہ مل جائے گا (۱۰) پس جب وہ اس (آگ) کے پاس آیا تو اسے آواز دی گئی کہ اے موسیٰ (۱۱) یقیناً میں تمہارا پروردگار ہوں پس تو اپنے دل سے اپنے اہل وعیال کی محبت نکال دے بے شک تم اس وقت وادی مقدس طویٰ میں ہو (۱۲) اور میں نے تمہیں چن لیا ہے پس جو کچھ وحی کی جاتی ہے اسے سنو (۱۳) یقیناً میں ہی اللہ تعالیٰ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں پس تم میری ہی عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز پڑھو (۱۴) یقیناً (قیامت کی) گھڑی آنے والی ہے میں چاہتا ہوں کہ اسے چھپائے رکھوں تاکہ ہر نفس کو اس کی کوشش کے مطابق جزا دی جائے (۱۵) پس تمہیں اس سے وہ شخص نہ روکے جو اس پر ایمان نہیں لاتا ہے اور جو اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے پھر تم ہلاک ہو جاؤ (۱۶) اور اے موسیٰ تمہارے دائیں ہاتھ میں یہ کیا ہے۔ (۱۷) اس نے کہا یہ میرا عصا ہے میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بھیڑ بکریوں پر پتے جھاڑتا ہوں اور میرے لیے اس میں اور بھی فائدے ہیں (۱۸) (خدا نے) کہا اے موسیٰ اسے ڈال دو (۱۹) پس اس نے اسے ڈال دیا تو وہ اس وقت ایک دوڑتا ہوا سانپ بن گیا۔ (۲۰) اس نے کہا اسے پکڑ لو اور ڈرو نہیں ہم ابھی اس کو اس کی پہلی سیرت پر لوٹا دیں گے۔ (۲۱) اور اپنا ہاتھ اپنے پہلو کے ساتھ ملا دے وہ بغیر کسی بیماری کے سفید چمکیلا نکلے گا۔ یہ دوسری نشانی ہوگی۔ (۲۲) تاکہ ہم تمہیں بڑی نشانیوں میں سے کچھ دکھائیں (۲۳) (اب) تم فرعون کی طرف جاؤ یقیناً وہ سرکش ہو گیا ہے۔ (۲۴) اس نے کہا اے میرے پروردگار میرے لیے میرا سینہ کھول دے (۲۵) اور میرے لیے میرا کام آسان کر دے۔ (۲۶) اور میری زبان کی گرہ (گانٹھ) کھول دے (۲۷) کہ لوگ میری بات سمجھیں (۲۸) اور میرے لیے میرے اہل میں سے ایک وزیر بنا دے۔ (۲۹) میرا بھائی ہارون (۳۰) اس کے ذریعہ سے میری کمر مضبوط کر دے (۳۱) اور اسے میرے کام میں میرا شریک کر دے (۳۲) تاکہ ہم تیری بہت زیادہ تسبیح کریں (۳۳) اور تیری یاد بہت کثرت سے کریں۔ (۳۴) یقیناً تو ہمیں خوب دیکھنے والا ہے۔ (۳۵) اس نے کہا اے موسیٰ یقیناً جو تو نے مانگا تمہیں دے دیا گیا ہے۔ (۳۶) اور یقیناً ہم نے ایک اور دفعہ بھی تم پر احسان کیا ہوا ہے (۳۷)

(پارہ ۱۶، سورۂ طٰہٰ ۲۰۔ آیات ۱ تا ۳۷)

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

مفاہیم احادیث

توبہ واستغفار کے ضمن میں احادیث نبوی ﷺ

☆حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا میں اپنے بندے کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں جس کا وہ میرے ساتھ گمان کرتا ہے اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ گمان کرتا ہوں اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے جتنا تم میں سے کوئی اپنی گمشدہ سواری کو جنگل میں پالینے سے (خوش ہوتا ہے)

☆حضرت عبداللہ ان سے حضرت حارث بن سویدؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم کو فرماتے سنا کہ اللہ اپنے مومن بندے کی توبہ پر اس آدمی سے زیادہ خوش ہوتا جو ایک سنسان اور ہلاکت خیز میدان میں ہو اور جب بیدار ہو تو دیکھے کہ اس کی سواری جا چکی ہے۔ وہ اس کی تلاش میں نکلے یہاں تک کہ اسے سخت پیاس لگے پھر وہ کہے میں اپنی اس جگہ کی طرف لوٹتا ہوں جہاں پر میں تھا پھر وہاں جا کر سو جاؤں گا یہاں تک کہ میں مر جاؤں پس اس نے اپنے سر کو اپنی کلائی پر مرنے کے لیے رکھا پھر اس کا زادِ راہ اور کھانا پینا ہو تو اللہ تعالیٰ مومن بندے کی توبہ پر اس آدمی کی سواری اور زادِ راہ ملنے کی خوشی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم جلد ۳)

☆بخاری شریف میں یوں مروی ہے کہ مومن آدمی اپنے گناہوں کو یوں خیال کرتا ہے کہ جیسے وہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہوا ہو اور اسے پہاڑ کے اپنے پر گرنے کا خوف بھی ہو اور فاجر و فاسق اپنے گناہوں کو یوں خیال کرتا ہے کہ جیسے اس کی ناک پر مکھی بیٹھ گئی ہو یہ بیان کرتے ہوئے حضرت ابن سعدؓ نے مکھی اڑانے کا اشارہ کیا۔

☆گناہ سے بچنے والا بہر حال گناہ کرنے والے سے افضل اور گناہ کر کے توبہ کی توفیق مل جانا بھی بہت بڑی سعادت ہے۔ اس سے یہ مقصد بھی نہ لیا جائے کہ آدمی گناہ پر دلیر ہو جائے اور بکثرت گناہ کرے بلکہ یہ بیوقوفی اور کم عقلی کی بات ہے کہ توبہ کی بنا پر گناہ کرتے رہیں۔ توبہ بھی اس صورت میں قبول ہوگی کہ آئندہ گناہ کی تکرار نہ ہو بہر حال ہر وقت توبہ و استغفار کرنا بہت بڑی فضیلت کا حامل ہے۔

حدیث رسولؐ ہے۔ "بے شک میں دن میں ستر بار استغفار کرتا ہوں۔"

(صحیح مسلم، جلد ۳)

Scanned with CamScanner

بیادِ معراج رسولؐ

نزہت اصغر

کامیاب اور بہترین زندگی گزرتے لمحوں کا ایک ایسا گلدستہ ہے جس کے پھول سدا مہکتے رہتے ہیں نہ صرف خوشبوئیں بکھیرتے ہیں مگر ان کی آب و تاب اور تازگی بھی سدا بہار ہوتی ہے اور یہی کامیاب زندگی گزارنے والے آنے والی نسل کے لیے روشنی کا منارہ بھی ہوتے ہیں اور تاریک شبوں کے لیے مشعلِ راہ بھی.....

اللہ پاک نے کسی مخلوق کو عبث تخلیق نہیں کیا، یہ الگ بات ہے خود مخلوق اپنی اہمیت، فضیلت اور افادیت سے ناواقف رہے تو اس میں قسمت کا کوئی دوش نہیں۔

انسان اشرف المخلوقات کے عہدے پر بلاسبب فائز نہیں کیا گیا بلکہ ابدی نیکی و بھلائی کا ذریعہ بنایا گیا۔

کارہائے نمایاں کسی کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی یاد رکھے جاتے ہیں اور جو قلم و کاغذ کی محافظت اور اہمیت سے آگاہ ہو تو اس کا ایک، ایک لفظ ایک، ایک قدم تعمیری ہی ہوتا ہے انسانی شعور کو مثبت راہوں پر چلانا اہلِ دانش ہی کا خاصہ ہے اور اس راہ میں یہی اہلِ قلم بے انتہا صعوبتیں بھی اٹھاتے ہیں لیکن لگن سچی ہو، نیت صاف ہو اور نسلوں کی بھلائی زیرِ نگاہ ہو تو ہر مشکل حل ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی عظیم اور بہترین انسانوں میں ایک نام جناب معراج رسول کا بھی ہے جنہیں دنیا بابائے ڈائجسٹ کے نام سے جانتی ہے۔ نہ صرف علم و ادب کے لیے ان کی خدمات یاد رکھی جائیں گی بلکہ ان کی کنبہ پروری، ان کی انسانیت کی خدمت، اہلِ ادب کی قدر افزائی اور اپنے شعبے سے لگن، قابلِ تقلید ہے۔ معراج رسول صاحب نے ایک ایسا ٹرینڈ سیٹ کیا جو سدا بہار ہے جو ہر اشاعتی ادارے کے لیے

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

قابلِ غور ہے۔

معراج صاحب کے مداحین ہر آن، نہیں یاد رکھتے ہیں مگر اس ماہ سب کی آنکھیں اشک بار ہو جاتی ہیں اور معراج رسول صاحب کے لیے دعائے مغفرت کے کلمات ہی ادا ہوتے ہیں۔ ان کی شریک سفر عذرا رسول صاحبہ نے اور ذیشان رسول، معراج صاحب کے اس گلشن کو آباد رکھا ہوا ہے۔ آج جبکہ پرنٹ میڈیا پر بہت کڑا وقت گزر رہا ہے مگر اس عالم میں بھی معیار پر سمجھوتا کرنا یا محض کچھ بھی چھاپنا ادارے کے لیے ناممکن ہے۔ دنیا بھر کی معلومات کو ایک جگہ جمع کرنا، ساتھ بس تعمیری اور تفریحی اور اصلاحی مواد فراہم کرنا کوئی آسان کام نہیں اور یہ سب معراج صاحب نے کر دکھایا اور اراکینِ ادارہ انہی اصولوں پر اور انہی کی تربیت کی لاج رکھتے ہوئے عذرا رسول صاحبہ کی زیرِ نگرانی یہ فریضہ انجام دے رہے ہیں، الحمد للہ.....

راہوں میں تھے خار بہت
بس ایک لگن جو سچی تھی
اس نے بیڑا پار کرایا
آج بھی اہلِ دانش کو
معراج نے معراج تک پہنچایا

عظیم انسان.....ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی، کراچی

معراج رسول صاحب ایک مقبول و معروف اور کامیاب ادبی شخصیت تو تھے ہی، وہ بے حد اچھے اور عظیم انسان تھے، وقت پر کام آنے والے۔ بے حد پرانی بات ہے مگر ناسازیِ طبع اور ضعیفی کے باوجود اب بھی مجھے یاد ہے۔ مجھے ایک رقم کی شدید ضرورت تھی۔ میں نے اپنا مسئلہ ان سے بیان کر دیا تھا پھر میں نے ایک ناول لکھا اور انہیں دیا۔ انہوں نے مجھے فوراً اس کی ایڈوانس پیمنٹ کی جس سے میرا وہ مسئلہ حل ہو گیا الحمدللہ۔ میں ان کی احسان مند ہوں اور ان کی مغفرت کی دعا کرتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے، آمین۔ ان کا بڑا احسان ہے ہم پر جو نہیں بھول سکتے۔

(قارئین! یہ مختصر مگر نہایت جامع اور پُرخلوص بیان آپا ذکیہ نے اپنی پیاری وفا شعار، خدمت گزار بہو بسمہ آصف کے ذریعے اپنی آواز میں ریکارڈ کروایا کہ "ہم ضرور معراج رسول صاحب کی اس اعلیٰ خوبی کا ذکر کریں گے واقعی اعلیٰ ظرف ہستیاں اپنے محسن کو نہیں بھولتیں۔ ذکیہ آپا خود نہایت شریف النفس اور بہترین شخصیت کی مالک ہیں۔ قرآن پاک کے متبرک سلسلے میں ان کی تحقیق و تحریر ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔ اہل ادارہ آپا ذکیہ بلگرامی کی طویل عمری

Scanned with CamScanner

اور مکمل صحت یابی کے لیے دعا کرتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ۔ اللہ پاک ذکیہ آپا کے گھرانے کو سدا شاد و آباد رکھے۔
ادارے سے ان کی وابستگی ہمیشہ قابلِ ستائش رہے گی)

یادِ رفتگاں..... سلمیٰ غزل، کراچی

ہر سال فروری کا مہینہ آتے ہی بابائے ڈائجسٹ مرحوم معراج رسول کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ ہم ہی نہیں بلکہ لاکھوں چاہنے والے بھی بلاواسطہ یا بالواسطہ ان کو یاد کرتے ہیں اور ان کی بخشش کی دعا بھی کرتے ہیں۔ ان کی ادبی صلاحیتوں اور علمی بصیرت کے تو سب ہی معترف تھے اور ہیں، انہی رسالوں کے ذریعے انہوں نے نہ صرف اردو ادب کی خدمت کی بلکہ لوگوں میں پڑھنے کا شعور بھی پیدا کیا۔ آج کل اردو ادب پڑھنے کا رجحان بہت کم لوگوں میں رہ گیا ہے لیکن ان کے چاروں رسالے آج بھی بہت ذوق و شوق سے پڑھے جاتے ہیں۔ وہ ہمہ صفت شخصیت تھے اور مردم شناس بھی، اسی لیے انہوں نے اپنے لیے ایسی شریکِ حیات منتخب کی جو آج بھی ان کی یاد کو اپنے چاروں رسالوں کی صورت میں زندہ رکھے ہوئے ہیں اور قارئین کرام میں بھی کوئی کمی نہیں آئی۔ ان کی بیماری کے دوران بھی عذرا رسول نے معراج رسول صاحب کی خدمت میں کوئی کمی نہیں چھوڑی اور ان چاروں رسالوں کی آبیاری بھی تندہی سے کرتی رہیں، ملنسار و خدمت گزار اور پُرخلوص بیوی جو اُن کے کوچ کر جانے کے بعد بھی رسالوں کی صورت میں ان کی یاد کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔ بہت ساری لکھاری خواتین نے ان رسالوں سے عروج پایا اور اب میڈیا کی دوڑ میں خوب نام کما رہی ہیں۔ پروردگار سے دعا ہے کہ عذرا رسول کو ہمت، طاقت اور حوصلہ دے تاکہ وہ اپنے مرحوم شوہر کا نام رسالوں کی صورت میں زندہ رکھیں اور ساتھ ہی مرحوم معراج رسول کے درجات بلند کرے اور انہیں جنت میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔

ڈائجسٹ کی دنیا میں کامیابی اور مقبولیت کی معراج..... سباس گل، رحیم یار خان

زندگی وہ شجر ہے جس پر خزاں آ کر ہی رہتی ہے۔ ہزارہا موسم آتے ہیں گزر جاتے ہیں انسان ان موسموں میں کھل کر جیتا ہے، ہنستا مسکراتا ہے، اپنی بساط کے مطابق کارہائے نمایاں انجام دیتا ہے۔ کامیابی، ستائش اور خوشیوں کے خزانے سمیٹتا ہے اور اپنی ابدی منزل، ملکِ عدم کو سدھار جاتا ہے۔ اس کے جانے کے بعد دیکھا جاتا ہے کہ وہ اپنے پیچھے کیسی یادیں، باتیں اور چیزیں چھوڑ کر گیا ہے، سب اچھا، مثبت اور خوشگوار ہو تو لوگ اسے خوشی اور فخر سے یاد کرتے ہیں جیسے کہ اردو ادب اور کہانی لکھنے پڑھنے سے تعلق رکھنے والے افراد جناب معراج رسول کے دنیا سے جانے کے بعد بھی ان کے بنائے گئے اشاعتی ادارے جاسوسی ڈائجسٹ پبلیکیشنز کے کثیر الاشاعت ڈائجسٹوں کی انفرادیت اور مقبولیت کی بدولت مثبت اور ستائشی الفاظ میں انہیں یاد کرتے ہیں۔

معراج رسول صاحب کی تاریخ پیدائش 5 اگست 1942 ممبئی اور وفات 22 فروری 2019ء ہے اور آخری آرام گاہ ڈیفنس قبرستان، کراچی۔

ان کی برسی کے موقع پر ان کی کچھ یادیں تازہ کرتے ہیں۔

زندگی اور موت تک کے اس سفر میں معراج رسول صاحب کے کارہائے نمایاں..... سسپنس اور جاسوسی ڈائجسٹ جیسے مقبول ڈائجسٹوں کی بنیاد رکھی۔ وہ سسپنس اور جاسوسی ڈائجسٹ کے بانی اور مدیر تھے اور انہیں مدیر کے طور پر یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کے ان ڈائجسٹوں کی فروخت بہت زیادہ تھی۔ ادب سے معراج رسول صاحب کی دلچسپی اور محبت کا عالم یہ تھا کہ ان ڈائجسٹوں میں ملکی ہی نہیں غیر ملکی مصنفین کی پُراسرار، مہم جوئی اور

Scanned with CamScanner

آپ بیتی کہانیوں کے ترجمے بھی شائع ہوتے ہیں جو قارئین کی پسندیدگی کی سند حاصل کرتے رہے ہیں۔ معراج صاحب نے دنیا بھر کے ادیبوں کو اپنے ملک کے ادبی ذوق وشوق رکھنے والے قارئین سے متعارف کروایا۔ ان کی کہانیوں کے ذریعے وہ ادب کو عوام تک پہنچانے میں اہم کردار ادا کرنے والی معروف شخصیت تھے۔ ان کے قارئین کی تعداد لاکھوں میں رہی۔ یہ کہنا مبالغہ آرائی ہرگز نہ ہوگا جاسوسی ڈائجسٹ پاکستان کا صف اول کا ماہنامہ بنا۔ سسپنس اور جاسوسی ڈائجسٹ کو جاسوسی ادب میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ معراج رسول صاحب کے سسپنس اور جاسوسی ڈائجسٹ تو مقبول تھے ہی بعد ازاں انہوں نے خواتین کے لیے "ماہنامہ پاکیزہ" کا اجرا کیا اور سرگزشت جیسا لاجواب پرچہ نکالا جس نے ایک بار پھر ڈائجسٹ کی دنیا میں کامیابی کے جھنڈے گاڑے..... "ماہنامہ پاکیزہ" خواتین کے رسالوں میں سرفہرست رہا اور آج بھی خواتین کا ہر دل عزیز ڈائجسٹ ہے۔ "دلکش" کے نام سے بھی کچھ عرصے کے لیے ایک ڈائجسٹ شائع کیا گیا تھا۔ معراج رسول صاحب کی زندگی، کتاب، ڈائجسٹ کہانی، ترویج ادب، اشاعت اور پڑھنے کے عمل سے بھرپور رہی۔ ان کی شریک حیات عذرا رسول نے بھی ان کے اس ادبی اشاعتی سفر میں ان کا مکمل ساتھ دیا۔ پاکیزہ کی مدیر اعلیٰ بھی ہیں اور اپنے شوہر کے اس وراثتی ادبی ترویج و اشاعت کے ورثے کو اسی تندہی سے آگے لے کر چل رہی ہیں جو معراج رسول صاحب کے مزاج کا خاصہ تھا۔ معراج رسول صاحب کے لگائے گئے پودے ان کی زندگی میں ہی پیڑ بن کر پھول پھل دینے لگے۔ ان کی وفات کے بعد بھی یہ پیڑ ثمر آور ہیں ادب کا گلشن ان کے لگائے گئے پھولوں سے آج بھی آراستہ ہے، مہک رہا ہے اور ان کی یادوں کی محبت و محبت کی کلیاں آج بھی اس ادب کدے میں اپنے پاکیزہ پن کے ساتھ چٹک رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ معراج رسول صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، عذرا رسول صاحبہ کو تندرستی و عمر طویل عطا ہو اور ان کے فرزند ارجمند ذیشان رسول کو اپنے والد کے نقش قدم پر چلنے کی ہمت، طاقت و حوصلہ عطا ہو، آمین ثم آمین یارب العالمین۔

معراج رسول، ایک عہد ساز شخصیت..... نزہت جبین ضیا، کراچی

کیونکہ میرا تعلق ادبی گھرانے سے ہے تو ہوش سنبھالتے ہی بڑی بہنوں کے ہاتھ میں ماہنامہ پاکیزہ دیکھا کبھی کبھی "بابا" جاسوسی ڈائجسٹ بھی پڑھ لیتے تھے، اس حوالے سے "معراج رسول" صاحب کے نام سے بچپن سے ہی غائبانہ تعارف رہا۔ میں ایسے بڑے اور معتبر ناموں سے بڑی عقیدت رکھتی تھی، ان سے ملنا ایک خواب سا لگتا تھا۔

وقت کے ساتھ، ساتھ جب میں نے خود لکھنا شروع کیا تو میری دلی خواہش تھی کہ میں "پاکیزہ" جیسے پائے کے رسالے میں لکھوں۔ الحمدللہ میری خواہش پوری ہوئی۔

یہ غالباً 2006ء یا 2007ء ہوگا جب معراج رسول بھائی اور عذرا رسول آپا کے ادارے سے "دلکش" نامی ڈائجسٹ کا اجرا ہوا اور مجھے بھی "دلکش" کے اجرا کے حوالے سے منعقدہ بڑی تقریب میں شرکت کا موقع ملا۔ یہ میرے لیے بہت اعزاز کی بات تھی، میری برسوں پرانی خواہش کی تکمیل ہوئی اور معراج صاحب سے اور عذرا آپا سے ملاقات ہوئی۔

معراج رسول کے بارے میں کیا کہوں؟ انتہائی شفیق اور دھیمے لہجے میں بات کرنے والے انسان

بقیہ: صفحہ نمبر 190 پر ملاحظہ فرمائیں

digest.library.com

Scanned with CamScanner

سلسلے وار ناول

اک دیا ہے ہاتھوں پر

نگہت سیما

خواب دیکھنا کسے اچھا نہیں لگتا ہر آنکھ خواب دیکھتی ہے ہر انسان کی زندگی میں ایسا موسم ضرور آتا ہے جب ہر انسان یادوں میں جھانجریں ڈال کر تھمک، ٹھمک چلتی ہیں تو خواب خود بخود آنکھوں کی دہلیز پر اتر آتے ہیں لیکن ہر آنکھ میں اترنے والا ہر خواب تعبیر نہیں پاتا۔ کچھ خواب بے تعبیر بھی رہ جاتے ہیں۔ کچی عمروں کے وہ خواب جو بے سمت کر دیتے ہیں اور منزل کے اختتام پر میٹھے پانی کا چشمہ نہیں ریت کا سراب ہوتا ہے اور زخمی ہاتھوں میں ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں... خشک ہونٹوں پر پیاس کی طلب... اور ویران آنکھوں میں مسافتوں کی تھکن... یہ صرف خوابوں کی کہانی نہیں ہے، یہ انسان کے منفی رویوں کی کہانی بھی ہے جو دلوں کے شفاف آئینوں کو دھندلا کر دیتے ہیں اور یہ محبتوں کی کہانی بھی ہے۔ سچی، خالص اور بے ریا محبتیں جو قربانی اور ایثار کا سبق دیتی ہیں اور دلوں کے سیاہ آبگینے اجال دیتی ہیں۔

Digest LIBRARY.COM

Scanned with CamScanner

گزشتہ اقساط کا خلاصہ

انشال قائداعظم یونیورسٹی میں پڑھتی ہے اس کا گھر مری کے قریب ایک گاؤں میں ہے۔ چھوٹا بھائی (روی) ریمز لاہور میں پڑھتا ہے۔ اس کے والد احمد شاہ مدرسے میں پڑھاتے ہیں اور والدہ اسکول ٹیچر ہیں۔ وہ اسے باتوں باتوں میں سمجھاتی رہتی ہیں کہ کبھی سرد کے دکھائے جھوٹے خوابوں کے دھوکے میں نہ آنا لیکن وہ خوابوں کی اسیر ہو چکی ہے۔ پریزے اس کی دوست اپنی فرینڈز کو گھر بلاتی ہے اور انشال کی ملاقات ریان سے ہوتی ہے جو اس کی روم میٹ سیند کا کزن ہے۔۔۔ ریان اپنی محبت کا کھل کر اظہار کرتا ہے اور انشال بھی اس کے ساتھ کا خواب آنکھوں میں سجا لیتی ہے۔ پریزے، انشال سے پوچھتی ہے کہ کیا اس کی اماں اس کی محبت کو ایکسپٹ کر لیں گی۔ تو وہ بتاتی ہے کہ اماں جلد اس کی شادی ازمیر سے کرنا چاہتی ہیں لیکن ازمیر کے اپنے شریکنز زندگی کے حوالے سے کچھ اور خواب ہیں۔ پریزے، انشال کے ساتھ سپر مارکیٹ جاتی ہے تو ازمیر بھی ہے وہ اپنی والدہ کی طبیعت خراب ہونے کا بتاتا ہے تو انشال اور پریزے پھپھو کو دیکھنے اس کے ساتھ جاتی ہیں۔ پریزے واپس آکر انشال سے کہتی ہے کہ ازمیر اس سے محبت کرتا ہے۔ انشال اپنے ڈپارٹمنٹ کی لڑکیوں اور میڈم زبیری کے ساتھ اسلام آباد گھومنے جاتی ہے وہاں ریان پہنچ جاتا ہے جس کو دیکھ کر وہ سیند سے بہت ناراض ہوتی ہے۔ ریان کے یہ بتانے پر کہ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ اچانک ہی وہاں گیا تھا انشال اسے معاف کر دیتی ہے۔ پریزے، انشال سے کہتی ہے ازمیر اس سے شادی سے کبھی انکار نہیں کرے گا، ازمیر، انشال کو ہاسٹل لینے آتا ہے کہ اس کی والدہ (طیبہ) کی طبیعت خراب ہے اور ڈاکٹر نے آپریشن کا کہا ہے اور وہ لیڈیز وارڈ میں رک نہیں سکتا۔ انشال اس کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ انشال چھٹیوں میں گھر آکر اپنے گاؤں جاتی ہے طیبہ، ازمیر کے لیے انشال کا رشتہ مانگتی ہیں۔ امینہ بہت خوش ہیں لیکن انشال پریشان ہو جاتی ہے وہ ازمیر سے کہتی ہے کہ وہ تو کسی امیر لڑکی سے شادی کے خواب دیکھتا تھا تو وہ کہتا ہے کہ بچپن کے ساتھ ایسے احمقانہ خواب بھی رخصت ہو جاتے ہیں۔ انشال کہتی ہے کہ وہ پی ایچ ڈی کرنا چاہتی ہے۔ ازمیر شادی کے لیے تین، چار سال کا وقت مانگ لیتا ہے۔ انشال سیند کے ساتھ شاپنگ مال جاتی ہے وہیں ریان ملنے کے لیے آتا ہے۔ انشال وہاں اپنے بابا کو دیکھ کر حیران ہوتی ہے۔ وہ ان سے ملتی ہے لیکن انہوں نے ریان کو نہیں دیکھا۔ وہ بتاتے ہیں کہ انشال کی والدہ کی طبیعت ٹھیک نہیں وہ ان کے کچھ ٹیسٹ کروانے لائے ہیں۔ امینہ، انشال سے کہتی ہیں کہ وہ اپنی طبیعت کی وجہ سے اس کی شادی جلد کرنا چاہتی ہیں اگر ازمیر کو نائم چاہیے تو وہ کوئی اور رشتہ دیکھیں گی تو انشال سوچتی ہے تو پھر ریان کیوں نہیں۔۔۔ گڑیا کو اپنے والد کی وفات کے بعد والدہ کی دوسری شادی ہونے پر ماموں کے گھر ہی رہنا پڑ جاتا ہے۔ ماموں کے بچے اس سے پیار کرتے ہیں جبکہ ممانی کا رویہ اچھا نہیں ہے۔ وہ میٹرک کے بعد اسے مزید پڑھنے سے منع کر دیتی ہیں لیکن ماموں کے کہنے پر مجبوراً کالج میں ایڈمشن دلوانا پڑتا ہے۔ ماموں زاد بھائی اسفند یار اسے پسند کرتا ہے لیکن اس کی کم عمری کی وجہ سے ابھی اپنے جذبوں کا اظہار نہیں کرتا۔ گڑیا پٹھا صاف کرتے ہوئے گر جاتی ہے تو زخما کھا کر سو جاتی ہے احمد حسن چھٹیوں پر آئے تو آتے ہی انہوں نے گڑیا کا پوچھا تو انہیں اس کے گرنے کا پتا چلتا ہے۔ گڑیا، احمد حسن سے مل کر کالج میں ایڈمشن کرانے پر شکر گزار ہوتی ہے۔ احمد حسن، ثریا سے کہتے ہیں کہ ان کی وجہ سے گڑیا کو کوئی نقصان پہنچا تو وہ زندگی بھر معاف نہیں کریں گے۔ احمد حسن، ثریا سے اسفند اور گڑیا کے رشتے کے لیے اپنا ارادہ ظاہر کرتے ہیں۔ ثریا، گڑیا کو کسی طور اپنی بہو نہیں بنانا چاہتیں لیکن اپنے شوہر کے سامنے بول بھی نہیں سکتی تھیں۔ وہ گڑیا کی ماں جیا کے حسن سے شروع سے ہی خائف تھیں اور لاشعوری طور پر وہ گڑیا کے ساتھ جو رویہ رکھتی تھیں اس کی وجہ کہیں نہ کہیں جیا تھی۔ گڑیا، احمد حسن سے کہتی ہے کہ جب تک اس کی ماں کا کچھ پتا نہیں چلتا اسے یتیم خانے یا کسی فلاحی ادارے میں بھیج دیں۔ احمد حسن اسے سمجھاتے ہیں کہ انہوں نے اور اس کی ماں نے اسفند سے اس کا رشتہ کر دیا تھا لیکن گڑیا کی مرضی ان کے لیے اہم ہے۔ احمد حسن، گڑیا اور اسفند سے کہتے ہیں کہ وہ ان کا نکاح کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کی چھٹیاں ختم ہو گئیں تو وہ اسفند سے کہتے ہیں کہ وہ رہیں یا نہ رہیں اسفند کو گڑیا کو اپنا نام دینا ہے۔ ثریا، گڑیا سے کہتی ہیں کہ وہ اسفند کا رشتہ اپنی بیٹی سے طے کر چکی ہیں۔ مہ رابی، گڑیا کو بتاتی ہے کہ آپی اور وہ اسفند بھائی کے لیے اسے پسند کرتی ہیں لیکن وہ رابی کو بتا نہیں پاتی کہ مامی نے اسے کیا کہا ہے۔ خورشید حیدر اور مسز عطیہ خورشید مانچسٹر میں رہتے ہیں۔ ان کا اکلوتا بیٹا سلمان اسکول میں ایک بچی کو مارتا ہے اور اسے اسکول سے نکال دیا جاتا ہے۔ وہ بہت اگریسو ہے۔ وہ اپنے رویے سے ظاہر کرتا ہے کہ اسے اپنے بابا اور ماما پسند نہیں ہیں۔ عطیہ حیدر کے سلمان سے پہلے ایک بیٹا انارکل تھا پھر سلمان کے بعد ایک بیٹا ڈیشان ہوا لیکن وہ بہت کم زندگی

Scanned with CamScanner

لے کر آیا تھا پھر نازنین ہوئی اور ایک دن وہ جب اس کی فیڈر بنا کر اس کے کمرے میں گئیں تو اسے مردہ پایا۔ عطیہ اپنے تین بچوں کو کھونے کے بعد سلمان کے لیے بہت کانشس تھیں۔ خورشید حیدر ان کو تسلی دیتے ہیں کہ وہ سلمان کو توجہ دیں..... وہ ٹھیک ہو جائے گا لیکن سلمان کہتا ہے کہ جب وہ ان کا سگا بیٹا نہیں تو وہ اتنے پریشان کیوں ہیں۔ عطیہ حیدر، سلمان کے لیے بہت پریشان تھیں، خورشید حیدر انہیں تسلی دیتے ہیں۔ وہ اپنے بزنس پارٹنر ابرک سے سلمان کی ملاقات کرواتے ہیں۔ ان کی باتوں سے سلمان میں پوزیٹو چینج آتا ہے اور وہ اپنے والدین کے ساتھ سائیکاٹرسٹ کے پاس چلا جاتا ہے۔ تین سٹنگ کے بعد ڈاکٹر ماریا انہیں بتاتی ہیں کہ سلمان کو خوب صورتی سے نفرت ہے اور اسی لیے وہ ان کی کمپنی پسند نہیں کرتا۔ عطیہ کو ڈاکٹر کی بات پر یقین نہیں آتا لیکن جب وہ سلمان کی اسکیچ بک دیکھتی ہیں تو انہیں اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صحیح کہہ رہی تھی۔ سلمان اپنے دوست سے ملنے پارک جاتا ہے اور وہاں اس کی ملاقات مانوش سے ہوتی ہے۔ وہ اسے بتاتی ہے کہ وہ ہفتے کو پارک آئی ہے۔ [illegible] وہاں مانوش کی سلمان سے ملاقات ہو سکتی ہے لیکن اگر وہ گھر میں اس سے ملنے کا تذکرہ کرے گا تو ہو سکتا ہے کہ والدین منع کر دیں۔ عطیہ سلمان کی طرف سے بہت پریشان ہوتی ہیں۔ خورشید حیدر بتاتے ہیں کہ اب سلمان اسکول جا سکتا ہے۔ جوزف انہیں بتاتا ہے کہ سلمان کسی دوست سے ملنے پارک نہیں جاتا وہ وہاں اکیلا بیٹھا ہوتا ہے یا ایک عورت اکثر وہاں ہوتی ہے لیکن کوئی سلمان کا ہم عمر دوست نہیں ہوتا۔ عطیہ حیران ہوتی ہیں کہ سلمان جھوٹ بولنے لگا ہے۔

اب آگے پڑھیے

قسط نمبر 10

گڑیا دیوار سے ٹیک لگائے [illegible] مخصوص جگہ پر بیٹھی تھی، گود میں کوئی کتاب تھی لیکن وہ پڑھ نہیں رہی تھی۔ اس کی نظریں گاہے، گاہے اوپر آسمان کی طرف اٹھتی تھیں۔ پرندوں کے جھنڈ کبھی، کبھی دکھائی دیتے، ان کی واپسی کا سفر شروع ہو چکا تھا۔ شام ہو رہی تھی۔ اپریل کی اس خوب صورت شام میں ہلکی، ہلکی ہوا چل رہی تھی اور اس ہوا میں مختلف پھولوں کی خوشبو تھی جو مشامِ جاں کو معطر کرتی تھی۔ اس نے لمبی سانس لے کر اس خوشبو کو اپنے اندر اتارا اور آسمان کی طرف دیکھا۔ پرندوں کا ایک اور جھنڈ پھڑپھڑاتے ہوئے مسکن کی طرف رواں تھا۔

''اپنے ٹھکانوں پر پہنچ کر یہ کتنے مطمئن اور پُرسکون ہوتے ہوں گے، کیا میں بھی کبھی اپنے اصل ٹھکانے پر پہنچ کر ایک پُرسکون نیند سو پاؤں گی؟'' وہ کچھ دیر پہلے ایک خوشگوار سا احساس دل میں لیے ہوئے تھا وہاں دھند سی چھا گئی تھی اور اداسی نے یک دم ہی اندر ڈیرے جما لیے تھے۔ اور یہ اداسی تو جیسے اس کی ازلی ساتھی تھی۔ دل میں اگر تھوڑی سی دیر کے لیے کوئی خوشگوار سا احساس جنم لیتا تو اداسی کے بادل بھی اس کے ساتھ ہی چھٹ جاتے اور وہ پورے طور پر خوش نہ پاتی۔ خوابوں کا گھر آباد کر لینے سے یا حقیقت کو سراب سمجھ لینے سے زندگی اس کے حسبِ منشا تو نہیں ہو سکتی تھی۔

وہ وہی گڑیا تھی جس کی ماں نے پھر مڑ کر اس کی خبر تک نہیں لی تھی۔ کتنے برس گزر گئے تھے۔ احمد حسن نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اگلے سال پاکستان نہیں آئیں گے بلکہ یو کے جائیں گے۔ خود جیا کا پتا کرنے، وہ پاکستان تو نہیں آئے تھے لیکن وہ یو کے بھی نہیں جا سکے تھے کہ اس بار بھی انہیں ویزا نہیں ملا تھا۔ انہوں نے پاکستان ایمبیسی میں بھی ساری صورتِ حال لکھ کر ایک درخواست بھجوائی تھی لیکن رسپانس نہیں ملا تھا۔ اس سے تو اچھا تھا کہ وہ پاکستان آ جاتے۔ اس نے کئی بار سوچا تھا، وہ خوشی اور مسرت جو اُن کے آنے سے اسے ملتی تھی وہ اس سے بھی محروم رہ گئی تھی۔ وہ ان کے آنے کے دن گنا کرتی تھی کہ ان کی موجودگی میں وہ ماں کی ڈانٹ ڈپٹ اور ان کے لفظوں کے تیروں سے بچ جاتی تھی۔ ویزے کے انتظار میں ان کی چھٹی ختم ہو گئی تھی اور وہ پاکستان نہیں آ سکے تھے لیکن انہوں نے اسے تسلی دی تھی کہ وہ کوشش کر رہے ہیں کہ جیسے ہی انہیں ویزا ملتا ہے وہ چھٹی لے لیں گے، انہوں نے اپنی کمپنی کے منیجر سے بات کر لی ہے لیکن زندگی بھی کبھی، کبھی انسان کے ساتھ عجیب مذاق کرتی ہے۔ ویزا ملا تو ڈاکٹر نے ہوائی سفر سے منع کر دیا کہ چند دن پہلے انہیں ہلکا سا ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ دل کی تکلیف تو انہیں کچھ عرصے سے چلی

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

آرہی تھی، ڈاکٹر کئی بار انجیو گرافی کے لیے کہہ چکے تھے۔ اس روز وہ بہت روئی تھی۔

"بے شک اماں کا پتا نہ چلے لیکن میرے ماموں جان کو کچھ نہ ہو۔ یا اللہ! میرے ماموں جان کو کچھ نہ ہو۔"

اس نے سجدے میں گر کر دعائیں مانگی تھیں..... اور ماموں جان ٹھیک ہو گئے تھے۔ اسے اور کچھ نہیں چاہیے تھا..... کچھ نہیں..... اب وہ کچھ اور خواہش نہیں کرے گی..... کبھی نہیں۔

اس نے ایف ایس سی بہت اچھے نمبروں میں کیا تھا، اپنے کالج میں اس کی دوسری پوزیشن تھی۔ احمد حسن نے اسے بہت قیمتی اور خوب صورت رسٹ واچ بھیجی تھی اور خواہش ظاہر کی تھی کہ میڈیکل کالج میں داخلہ لے لیکن مامی نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ ایسا سوچے بھی نہیں۔

"کوئی ضرورت نہیں ڈاکٹر، انجینئر بننے کی، آرام سے سمپل بی اے کرو اور گھر بیٹھو۔" اور اس نے خاموشی سے آرٹس کے مضامین لے لیے تھے۔

digest library.com

وہ سیکنڈ ایئر میں تھی جب رابی کالج چھوڑ کر یونیورسٹی چلی گئی تھی۔ شروع، شروع میں تو اسے رابی کے بغیر کالج جانا بہت مشکل لگا تھا۔ وہ کالج میں بھی بوکھلائی، بوکھلائی سی رہتی لیکن پھر ہولے، ہولے اس میں کانفیڈنس آتا گیا، ایک دو اچھی دوست بھی بن گئیں۔ اس نے ابھی چند دن پہلے ہی تھرڈ ایئر کے ہوم ایگزام دیے تھے اور آج کل فارغ تھی۔ ایک ہفتے کے بعد بی اے فائنل کی کلاسز شروع ہونی تھیں تو وہ رابی کی کتابوں میں سے ایک تاریخی ناول لے کر ٹیرس پر آ گئی تھی لیکن ابھی تک اس نے کتاب کو کھول کر دیکھا تک نہیں تھا۔

وقت کیسے اور کتنی تیزی سے گزر جاتا ہے، لوگ کہتے ہیں، لیکن اس کے لیے تو ان دو سالوں کا ایک، ایک لمحہ جیسے ایک، ایک صدی بن کر گزرا تھا۔ ماموں کو پاکستان آئے دو سال ہو گئے تھے اور اب بھی ان کا ارادہ پانچ چھ ماہ تک رابی کی شادی پر آنے کا تھا۔ شادی پر وہ لمبی چھٹی لے کر آنے والے تھے۔ انہوں نے کہا تھا۔ "ہو سکتا ہے رابی کی شادی کے بعد میں تمہیں ساتھ لے کر ہی یو کے جاؤں۔" یہ ایک ایسا خوش آئند خیال تھا جس میں وہ گھنٹوں کھوئی رہتی تھی۔

اس وقت بھی وہ کچھ دیر کے لیے اسی تصور میں کھو گئی تھی۔ دونوں ہاتھ گھٹنوں کے گرد حمائل کرتے ہوئے اس نے ٹھوڑی گھٹنوں پر رکھ دی تھی۔ کیسا حسین اور دلفریب خواب تھا۔ "اگر ماموں جان میرا اور اپنا وزٹ ویزا لینے میں کامیاب ہو گئے تو پھر....." اس نے آنکھیں موند لیں۔

"اماں اچانک ہمیں اپنے سامنے دیکھ کر کس قدر حیران ہوں گی....." "جیا! ہمیں اندر آنے کے لیے نہیں کہو گی.....؟" ماموں کہیں گے تو اماں اپنی حیرت سے باہر نکلیں گی..... "جیا! تم نے ہمیں بھلا دیا لیکن ہم نے تمہیں نہیں بھلایا، دیکھو تمہیں ڈھونڈتے ہوئے آ گئے۔" اور ایسے ہی خواب وہ دن، رات میں کتنی بار دیکھتی تھی جب سے ماموں نے کہا تھا کہ وہ رابی کی شادی کے بعد اکٹھے یو کے جائیں گے..... "اور پتا نہیں اماں اب بھی ایسی ہی ہوں گی، اتنی حسین، اتنی خوب صورت، اتنی ہی نرمی اور ملیحی سے بولتی ہوئی۔" جب وہ اس کی طرف دیکھتی تھیں تو ان کی آنکھوں سے جیسے محبت اور مامتا کے چشمے پھوٹتے تھے۔

اس نے سر اٹھا کر اوپر آسمان کی طرف دیکھا۔

"پتا نہیں وہ اب بھی مجھے اتنی ہی محبت اور پیار سے دیکھیں گی بھی یا نہیں..... لیکن جب وہ آخری بار مجھ سے ملی تھیں تو کتنا لپٹا، لپٹا کر پیار کیا تھا۔ کبھی میرے ہاتھ چومتی تھیں، کبھی رخساروں پر بوسہ دیتی تھیں۔ پتا نہیں ان کی کیا مجبوری رہی ہو گی جو وہ پھر پلٹ کر آ ہی نہ سکیں....." دل پر یک دم ہی کوئی بوجھ سا آ گرا تھا۔

اب وہ پہلے والی گڑیا نہیں تھی۔ وہ بہت سمجھدار اور باشعور ہو گئی تھی۔ وہ اب اپنی اماں کو موردِ الزام نہیں ٹھہراتی تھی بلکہ ان کی مجبوریوں کے متعلق بھی سوچتی تھی۔ مامی ان کے متعلق جو بھی کہتی تھیں وہ ان پر زیادہ یقین نہیں کرتی

Scanned with CamScanner

تھی۔ اسے ان کی فطرت اچھی طرح سمجھ آ گئی تھی۔ اب وہ رابی اور اسفند کے سامنے بہت محبت اور شفقت سے بات کرتی تھیں، انہوں نے اپنا رویہ بہت حد تک تبدیل کر لیا تھا۔ وہ اکثر ایسے ظاہر کرتیں جیسے ان کو اس کی بہت فکر ہو۔ شروع، شروع میں وہ بہت حیران ہی نہیں خوش بھی ہوئی لیکن پھر کچھ وقت گزرنے کے بعد اس نے ان کا بھید پا لیا تھا۔ وہ اب بھی اس سے اتنی ہی نفرت کرتی تھیں، بس انہوں نے ایک نقاب اوڑھ لیا تھا۔ کبھی، کبھی کچھ دیر کے لیے یہ نقاب ان کے چہرے سے ہٹتا تو اسے لگتا جیسے ان کی آنکھوں سے نفرت کی آنچ اسے راکھ کر دے گی۔ ماموں اس کے متعلق جو کچھ سوچے ہوئے ہیں، پتا نہیں اس کا انجام کیا ہوگا اور اسفند جس کی نظریں اسے ہمیشہ محبتوں کے پیغام دیتی تھیں اور اس کی باتیں جو ایک خوب صورت مستقبل کے خواب دکھاتی تھیں۔ اس نے ان خوابوں کو اپنے دل کی اوک میں سنبھال کر رکھا ہوا تھا اور آنکھیں ان خوابوں کی روشنی سے دمکتی تھیں لیکن اب وہ پندرہ، سولہ سال کی ناسمجھ لڑکی نہیں تھی بلکہ اپنی عمر سے زیادہ باشعور اور سمجھدار تھی۔ ماموں کی خواہش اور اسفند کی محبت اپنی جگہ لیکن اگر اسفند کو اپنی ماں اور اس میں سے انتخاب کرنا پڑا تو..... دل جیسے کہیں نیچے پاتال میں گرا تھا۔ ایک گہری سانس لے کر اس نے پھر سر گھٹنے پر رکھا تب ہی اسفند لبرس کا دروازہ کھول کر اسے ڈھونڈتا ہوا ٹیرس پر آیا۔

digest library.com

"گڑیا..... گڑیا کیا کر رہی ہو؟"

اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"پیپرز تو تمہارے ہو چکے..... پھر یہ کتاب کس لیے، کیا کسی مضمون میں اڑ جانے کا ڈر ہے؟" اسفند یار کے لہجے میں ہلکی سی شوخی تھی۔

"جی نہیں، میرے پیپرز تو بہت اچھے ہو گئے ہیں، ان شاء اللہ اپنی کلاس میں سب سے زیادہ نمبر لوں گی، یہ تو ایک تاریخی ناول ہے..... "زوالِ غرناطہ" رابی سے پڑھنے کے لیے لیا ہے۔" وہ اٹھی تو اسفند نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔

"کہاں بھاگ رہی ہو؟ دو دن ہو گئے مجھے آئے ہوئے، مجھ سے چھپتی پھر رہی ہو بلکہ ایک سال سے تم ایسے ہی کر رہی ہو۔ نہ فون پر بات کرتی ہو نہ ہی گھر آتا ہوں تو....." اس نے شکوہ بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"تو کیا کروں؟ مجھے یہ ہی بہتر لگتا ہے۔" اس نے آہستگی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے چھڑایا۔

"کیوں، کیا تم بھول گئی ہو جو کچھ ابو نے کہا تھا؟ میں تو نہیں بھولا، جو وعدہ میں نے ابو سے کیا تھا یہاں میرے دل پر لکھا ہے۔" وہ دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے تھوڑا سا جھکا۔

"یہ صرف ابو کی خواہش نہیں ہے گڑیا! میرے دل کی اولین خواہش بھی ہے۔ جب چاچو آخری بار آئی تھیں تب سے ہی میں نے تمہیں اپنے دل کی مسند پر بٹھا لیا تھا۔ میں تب اپنے جذبات کو خود پر بھی صحیح طرح سے ایکسپلین نہیں کر سکتا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ میں نے اپنی زندگی کا سارا سفر تمہارے سنگ ہی طے کرنا ہے۔ تم تب سے ہی میرے دل کی ملکہ ہو، میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں خود بھی نہیں جانتا۔ میرے پاس اس محبت کو ماپنے کا کوئی پیمانہ نہیں ہے اور نہ ہی میرے پاس لفظ ہیں جو اس محبت کو بیان کر سکیں۔"

گڑیا کے رخساروں پر شفق بکھر گئی۔ دور مغرب میں کہیں سورج ڈوبنے والا تھا اور اس کی ساری سرخی جیسے گڑیا کے رخساروں پر اتر آئی تھی۔ اسفند آنکھوں میں محبتوں کا جہاں سمائے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ ان گزرے دو سالوں میں کتنی... بے تحاشا خوب صورت ہو گئی تھی، اس کا قد بھی تھوڑا لمبا ہوا تھا، وہ سرو قد کھڑی جیسے اس کے دل میں اتری جا رہی تھی۔

گڑیا نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر اس کی نگاہوں کی حدت سے گھبرا کر فوراً ہی نظریں جھکا لیں۔ اس نے بمشکل اپنے تیزی سے دھڑکتے دل پر قابو پایا اور خود کو اسفند کی نظروں کے سحر سے آزاد کیا۔

Scanned with CamScanner

"ضروری تو نہیں جو ماہوں اور آپ چاہتے ہوں ماں بھی وہی چاہتی ہوں۔ پلیز آپ یہاں سے چلیں جائیں یا پھر میں جارہی ہوں۔" اس نے جانے کے لیے قدم بڑھایا۔

"نہ تم کہیں جارہی ہو نہ میں..... اطمینان سے میری بات سن لو۔" اسفند نے پھر اس کا ہاتھ پکڑا۔

"ماں نے اگر دکھ لیا ہاں آپ کو مجھ سے بات کرتے تو آپ کو تو کوئی فرق نہیں پڑے گا لیکن مجھے کئی دن تک ان کی صلواتیں سننا پڑیں گی۔" اس نے پھر آہستگی سے ہاتھ چھڑا لیا۔

اسفند یار نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ ان چند ماہ میں بے حد سنجیدہ اور سمجھدار ہوگئی تھی لیکن امی کے متعلق اس کی سوچ غلط تھی، وہ بہت بدل چکی تھیں۔ آپی، رابی اور اس نے خود بھی نوٹ کیا تھا کہ ثریا اب گڑیا کو پہلے کی طرح نہیں ڈانٹتی تھیں نہ ہی کوئی طنز کرتی تھیں بلکہ بہت پیار اور محبت سے بات کرتیں۔ گرمیوں اور سردیوں کے کپڑے اس کے اور رابی کے ایک جیسے ہی لے کر آتیں، اس کے سر میں درد ہوتا تو کئی، کئی بار پوچھتیں، چائے بنا کر دیتیں۔ اس نے خود سنا ایک بار وہ اس سے پوچھ رہی تھیں کہ اگر اس کے سر میں زیادہ درد ہے تو وہ دبا دیتی ہیں۔

"تم نے اس طرح کی بات کیوں کی گڑیا؟ اب تو امی پہلے کی طرح تم سے پیار کرنے لگی ہیں، تمہاری چھوٹی، چھوٹی باتوں کا خیال رکھتی ہیں، تمہیں ذرا کالج سے دیر ہو جائے تو پریشان ہو جاتی ہیں، رابی سے بار، بار کہتی ہیں کہ دین والے کو فون کر کے پتا کرے کہ اتنی دیر کیوں ہوگئی ہے تمہیں۔ صبح ناشتے کے بعد تم سے کیا کہہ رہی تھیں کہ تمہارے بال اتنے روکھے ہو رہے ہیں آؤ تیل کی مالش کر دوں۔ ایسی باتوں کا خیال تو صرف ماں کو ہی ہوتا ہے۔ ٹھیک ہے کچھ عرصہ ان کا رویہ تمہارے ساتھ بہت برا رہا ہے لیکن اب تو ایسا نہیں ہے، بہت بدل گئی ہیں وہ۔" اسفند بھی سنجیدہ ہوا۔

digest library.com

"آپ کو میری بات بری لگی سوری، مجھے ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔" اس نے جھک کر کتاب اٹھائی۔

"سوری کی بات نہیں ہے میری جان!" اسفند کی نظروں نے اسے اپنے حصار میں لیا تھا۔ وہ یک دم بلش ہوئی، لانبی پلکیں صبیح رخساروں پر لرزنے لگیں۔

"میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم امی کے متعلق اپنی سوچ بدل لو۔ تمہیں اب ان سے ڈرنے اور خوفزدہ رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر بھی تمہاری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ امی، آپی کی طرف گئی ہوئی ہیں، ان کے منے کی طبیعت خراب ہے اور رابی نیچے ٹی وی لاؤنج میں اپنا پسندیدہ پروگرام دیکھ رہی ہے اس لیے آرام سے بیٹھ کر کچھ دیر مجھ غریب سے دو، چار باتیں کر لو۔" وہ لیپس پر پڑی پلاسٹک کی کرسیاں گھسیٹ کر دیوار کے قریب لے آیا۔

"بیٹھو۔" اس نے خود بیٹھتے ہوئے اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ کتاب گود میں رکھ کر خاموشی سے بیٹھ گئی۔

اسفند نے کچھ غلط نہیں کہا تھا لیکن کچھ ایسا تھا جو صرف وہ محسوس کرتی تھی، وضاحت نہیں کر سکتی تھی۔ گھر پر جب کوئی بھی نہ ہوتا تب بھی اکثر وہ اس کے ساتھ بہت اچھی ہوتیں، بہت نرم لہجے میں بہت میٹھی باتیں کرتیں لیکن اسے سب جھوٹ اور فریب لگتا، ان کی میٹھی باتوں میں زہر چھپا ہوا لگتا۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ وہ اس کی اماں یا اسفند کے حوالے سے کوئی طنز کرتیں۔

"شاید اپنا اصل چھپاتے، چھپاتے تھک جاتی ہوں گی۔" یہ اس کا اپنا خیال تھا۔

"سنو گڑیا!" اسفند نے اپنی کرسی کا رخ اس کی طرف موڑا۔ "تم جو یہ مجھ سے چھپتی پھرتی ہو ناں تو تمہارے اس رویے نے مجھے پریشان کر دیا ہے۔ میں اپنے دل میں تمہارے لیے جو جذبات رکھتا ہوں، ان کا کھل کر اظہار کرنے کا وقت نہیں ہے یہ..... لیکن جاننا چاہتا ہوں کہ کیا تم بھی میرے لیے اپنے دل میں وہی جذبے رکھتی ہو جو میں رکھتا ہوں؟ آج سے دو سال پہلے شاید مجھے تم سے یہ سب پوچھتے ہوئے کچھ عجیب سا لگتا لیکن آج نہیں۔ ایک

Scanned with CamScanner

digest library.com

سال بعد تم گریجویشن کرلو گی اور جیسا کہ ابو کا خیال ہے وہ ہماری شادی کردیں گے اور تم بھی یہ بات جانتی ہو۔ میں نے کہیں نہ کہیں، کبھی نہ کبھی تھوڑا بہت اپنے جذبوں کا اظہار کیا ہے، تمہیں بتانے کی کوشش کی ہے کہ تم میرے لیے کتنی انمول ہو اور میں تم سے کتنی بے تحاشا محبت کرتا ہوں۔ ایسے میں تمہارا مجھ سے یہ گریز مجھے سمجھ نہیں آرہا۔ جب تک ابو نے تم سے بات نہیں کی تھی تب تک تو تم یوں مجھ سے چھپتی نہیں پھرتی تھیں۔ ایک بات بتاؤ گی گڑیا، مستقبل میں ہمیں جس رشتے میں بندھنا ہے اس رشتے کے حوالے سے کبھی تمہارے دل میں میرا خیال آیا..... کبھی تم نے میرے سنگ ساتھ، ساتھ چلنے کے خواب بُنے؟" وہ آنکھوں میں اشتیاق لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اس کے متعلق سوچنے کا کیا فائدہ..... مستقبل میں جس رشتے کے بننے کا کوئی امکان ہی نہیں ہے۔" اس کی آنکھوں میں ہلکی نمی تھی۔

"کیا فضول بات کررہی ہو تم، بھول گئیں ابو نے کیا وعدہ لیا تھا ہم سے؟" اس نے تڑپ کر اسے دیکھا۔

"بہت سارے وعدے وقت کی دھول میں دھول ہو جاتے ہیں، ان کا کوئی نام و نشان نہیں رہتا۔ آپ بھی بھول جائیں جو وعدے آپ نے اماں اور ماموں سے کیے تھے۔"

"تم اس طرح کی باتیں کیوں کررہی ہو، کیا تمہارا آج مجھے پاگل کردینے کا ارادہ ہے؟" وہ جھنجلایا۔

"نہیں، میں آپ کو حقیقت بتارہی ہوں۔ مامی نے آپ کا رشتہ طے کردیا ہے آپ کی کزن سے۔ رابی کی شادی ہو، رہی ہے آپ کی منگنی کا فنکشن بھی ہو جائے گا۔" اب کے آنکھوں کی نمی نے رخساروں تک رسائی حاصل کرلی تھی۔

"نہیں..... یہ بھلا کیسے ہوسکتا ہے.....؟ ضرور تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ کس نے تم سے یہ فضول بات کی ہے؟"

اس نے سر جھکا لیا۔ کیا بتاتی کہ خود مامی نے اسے بتایا تھا کہ انہوں نے اسفند کا رشتہ اپنی بیٹی جنوڈا کٹر ہے اس سے طے کردیا ہے۔ اس کا ایم بی بی ایس مکمل ہوتے ہی وہ اسفند کی شادی کردیں گی بلکہ وہ کئی بار اس سے اسفند کی شادی کے متعلق ڈسکس کرچکی تھیں کہ کیا، کیا فنکشن ہوں گے۔ حتیٰ کہ ایک دو بار انہوں نے اس سے ولیمے کا جوڑا تک ڈسکس کیا تھا اور وہ لمحے اس کے لیے کتنے اذیت ناک ہوتے تھے یہ وہ خود ہی جانتی تھی۔ شاید وہ جان بوجھ کر ایسا کرتی تھیں کہ انسان کے لیے اس سے بڑا امتحان کیا ہوگا کہ اسے اس شخص کے حوالے سے تکلیف پہنچائی جائے جس سے وہ محبت کرتا ہو۔ ابھی تو اس کے نوخیز دل نے محبت کے نام پر دھڑکنا سیکھا تھا، وہ محبت جسے اس خوب صورت جذبے سے نئی، نئی آشنا ہو رہی تھی اور ثریا بے دردی سے محبت کے پودے پر کھلنے والے پھولوں کو کچل دیتی تھیں۔ بظاہر انجان سی بنی وہ اس کے دل پر تیر چلائے جاتی تھیں۔

"نہیں..... یہ نہیں ہوسکتا۔" اسے خاموش دیکھ کر اس نے نفی میں سر ہلایا۔ "امی ایسی بات کبھی بھی نہیں کرسکتیں۔ ابو نے مجھے بتایا تھا کہ انہوں نے صاف، صاف انہیں بتادیا ہے کہ وہ میرے متعلق کسی اور کے حوالے سے سوچیں بھی ناں پھر بھلا کیسے..... میں ابھی بات کرتا ہوں ابو سے۔" وہ اٹھنے لگا تو گڑیا نے بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑ کر روکا۔

"نہیں، پلیز نہیں۔ آپ ماموں جان سے کچھ نہیں پوچھیں گے۔ میں نے بس یوں ہی..... یوں ہی اندازہ لگایا تھا۔" وہ گھبرا گئی۔

"آئندہ ایسا اندازہ مت لگانا گڑیا، میری جان نکال دی تھی تم نے۔" اس نے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھا۔ اور مامی دن میں کتنی بار اس کی جان نکالتی تھیں یہ تو وہ ہی جانتی تھی۔ ہر بار جیسے نئے سرے سے زخم لگتا تھا، عام سی باتیں کرتے ہوئے، یوں ہی کوئی عام سی بات کرکے۔

"وہ مامی مجھ سے نفرت کرتی ہیں ناں اور....."

"لیکن میں تو تم سے محبت کرتا ہوں دل کی انتہائی گہرائیوں سے بلکہ ہم سب ہی تم سے محبت کرتے ہیں.....

Scanned with CamScanner

اور امی کے متعلق بھی اب تم اپنی سوچ بدل لو۔"

"اسفند کو یقین تھا کہ ثریا اب اسے ناپسند نہیں کرتیں، وہ یوں ہی بلاوجہ ان سے ڈرتی ہے۔ لیکن ایک دن بہرحال اسے بھی یقین آ جائے گا۔" ثریا نے سوچا۔

"ثریا! میں تم سے یہاں فضول باتیں سننے نہیں آیا تھا۔ سوچا تھا کچھ دیر اکٹھے بیٹھ کر مستقبل کے خواب بنیں گے، سنہری خواب جن کی تعبیریں بھی سنہری ہوں گی۔ تمہیں پتا ہے رابی کی شادی کے بعد ابو واپس قطر جانے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ ان کا خیال ہے کہ گھر میں کسی ایک مرد کا ہونا ضروری ہے اسی لیے تو انہوں نے مجھے قطر نہیں بلوایا اور یہاں پاکستان میں ہی دو سال تک جاب کر کے تجربہ (experience) حاصل کرنے کا کہا ہے حالانکہ انہوں نے اپنی ہی کمپنی میں میری جاب کی بات کر رکھی ہے..... تو یہ ساری بات بتانے کا مقصد یہ ہے کہ....." وہ نچلے ہونٹ کا دایاں کونا دانتوں تلے دبا کر مسکرایا۔ "ابو یہاں آ جائیں گے تو میں قطر چلا جاؤں گا لیکن اکیلا نہیں، اپنی زندگی کو اپنے ساتھ لے کر۔ میری زندگی یہاں ہوگی تو میں بھلا وہاں اپنی زندگی کے بغیر کیسے سروائیو (survive) کروں گا اور یہ بات ابو اچھی طرح جانتے ہیں۔" اب وہ کھل کر مسکرایا تھا، نا ہیں گڑیا پر ٹکی تھیں جو گھبرا کر کھڑی ہو گئی تھی اور اس کی نظروں کی حدت سے اس کے رخسار تپ اٹھے تھے حالانکہ آسمان کی نیلاہٹوں پر سرمئی دھند چھا رہی تھی، سورج ڈوب چکا تھا اور مسجد سے مغرب کی اذان کی آواز بلند ہو رہی تھی۔

"وہ اذان ہو رہی ہے، میں جاتی ہوں۔" وہ کتنا بھی خود کو سمجھاتی لیکن یہ نادان دل [illegible]

پگھلنے لگا [illegible]

"محبت اور وہ بھی بن مانگے مل جائے تو اسے کون ٹھکراتا ہے۔" اس کی دوست کہتی تھی۔ "اسفند بھائی تم سے فلرٹ تو نہیں کر رہے ہیں، تمہارے ماموں کی مرضی سے تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتے ہیں، کہیں انہیں خود سے دور نہ کر دینا اپنے اس روکھے رویے سے۔"

زینب اس کی بے حد مخلص اور واحد رازدار دوست تھی۔ ایک روز اس کے بے حد اصرار پر اس نے اسے اپنے متعلق سب کچھ بتا دیا تھا کہ وہ اور رابی سگی بہنیں نہیں بلکہ کزن ہیں۔

"کچھ دیر تو رکو، جی بھر کر تمہیں دیکھا بھی نہیں، تم نے فضول باتوں میں الجھا لیا۔"

"نہیں، وہ اذان ہو رہی ہے ناں..... اور ماسی کہتی ہیں کہ مغرب کے بعد کھلی جگہ پر کنواری لڑکیوں کو نہیں جانا چاہیے، ماورائی مخلوقات مغرب کے بعد آزاد ہوتی ہیں۔" اسے کچھ بات سمجھ نہ آئی تو اس نے اپنی صفائی والی ماسی کی کہی کسی کی بات دہرا دی تو اسفند یار کا قہقہہ بلند ہوا۔

"ہاں جاؤ، تم جیسی پریوں پر تو جنات بہت جلد عاشق ہو جاتے ہیں اور میں تو پہلے ہی پور پور تمہاری محبت میں ڈوب چکا ہوں۔"

"کیا سچ میں؟" وہ تیزی سے ٹیرس کے دروازے کی طرف لپکی۔

"ہاں سچ میں..... بس تم نے میرے لیے خود کو بچا کر رکھنا ہے، انسانوں سے بھی اور جنوں سے بھی۔" وہ اب بھی ہنس رہا تھا۔

"اور سنو مغرب پڑھ کر نیچے آ جانا۔ رابی نے کہا تھا آئس کریم کھانے چلنا ہے۔"

نیشنل مارکیٹ کے قریب ہی ایک نیا آئس کریم پارلر کھلا تھا، بہت زبردست آئس کریم ہوتی تھی۔

"اچھا۔" وہ ٹیرس کے دروازے سے باہر نکل گئی۔

"کیا اس محبت سے دامن چھڑانا آسان ہے جو بالکل بے غرض ہو، جس میں کوئی لالچ نہ ہو؟" اپنے کمرے

digest library.com

Scanned with CamScanner

digest library.com

کی طرف جاتے ہوئے اس نے خود سے پوچھا تھا۔ "اور کیا ایسا ممکن ہو سکے گا جو مامون اور اسفند چاہتے ہیں؟" جبکہ ثریا کی ناپسندیدگی اس پر واضح تھی لیکن دوسروں پر نہیں۔

"محبت خوش نصیبوں کو ملتی ہے اور زندگی بہت قیمتی اور انمول ہے، اسے دوسروں کی خواہشات پر قربان نہیں کرنا چاہیے۔ تم اپنی امی کی خواہش پر اپنی زندگی اور محبت قربان مت کرو۔ اسفند جیسی محبت پھر تم سے کوئی نہیں کرے گا۔" زینب کو جب بھی موقع ملتا وہ اسے سمجھاتی رہتی تھی۔

نماز پڑھنے کے بعد بھی وہ کتنی ہی دیر تک یوں ہی جائے نماز پر بیٹھی رہی، خالی الذہن سی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ چونکی۔ رابی نیم وا دروازے سے اندر جھانک رہی تھی۔

"ہم کب کے نماز پڑھ کر فارغ ہو چکے، کتنی لمبی نماز ہے تمہاری جو ختم ہونے میں نہیں آ رہی۔ پانچ منٹ میں تیار ہو کر آ جاؤ، ہمیں آئس کریم کھلا کر اسفند بھائی کو پھر صوفی آپی کی طرف بھی جانا ہے امی کو لینے۔"

"وہ — میں آ رہی ہوں بس۔" وہ جلدی سے اٹھی، ایک نظر ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے پر ڈال کر اور وارڈ روب سے چادر نکال کر اوڑھتی ہوئی سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔

اسفند لاؤنج کے وسط میں کھڑا تھا۔ اس نے بڑی گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ نظریں جن میں اشتیاق تھا، محبت تھی، چاہ تھی۔ وہ ان نظروں کی تپش سے گھبرا کر وہیں آخری سیڑھی پر رک گئی۔

"اب وہاں ہی کھڑے، کھڑے مراقبے میں نہ چلی جانا، آ جاؤ۔" رابی نے کافی ٹیبل سے اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا اور اس میں سے تلاش کر کے لپ اسٹک نکالی اور لگانے کے بعد اسی بیگ سے ایک چھوٹا سا آئینہ برآمد کیا اور جائزہ لینے کے بعد لپ اسٹک اس کی طرف بڑھائی۔

"ہلکی سی لگا لو۔"

"نہیں۔" بے اختیار ہی اس نے نفی میں سر ہلایا۔ کانوں میں ثریا کی آواز گونجی تھی۔

"خبردار جو کبھی اسفند کے آنے پر سولہ سنگار کر کے اس کے آس پاس نظر آئیں مجھے۔" گو اب انہوں نے اس طرح کی باتیں کہنی تقریباً چھوڑ ہی دی تھیں لیکن جیسے اس کی سماعتوں میں ان کی کہی ایک، ایک بات محفوظ ہو گئی تھی جو اسے خوفزدہ کر دیتی تھی۔

"رہنے دو رابی، وہ کیا کہتے ہیں کہ حسن کو سنگار کی حاجت نہیں ہوتی۔" وہ اب بھی اسے نظروں کے حصار میں لیے ہوئے تھا۔ اس نے گھبرا کر رابی کی طرف دیکھا جو مسکرا رہی تھی اور آخری سیڑھی سے اتر کر تیزی سے لاؤنج کے دروازے کی طرف بڑھی۔

"کیا بات ہے بھائی، بہت دنوں سے آپ کے رنگ بدلے، بدلے سے ہیں؟" رابی نے اسفند کے بازو پر مکا مارا۔

"بات وہی ہے ایز سمز جو تمہارے اور آپی کے دل میں ہے لیکن فی الحال اسے دل میں ہی رکھو۔"

اس نے دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہوئے سنا، اسفند اور رابی ہنس رہے تھے۔ وہ تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکلی اور برآمدے کی سیڑھیاں اتر کر پورچ میں گاڑی کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔

اسفند نے اندرونی دروازہ لاک کیا اور بیرونی گیٹ کھول کر گاڑی باہر نکالی۔

"بیٹھو۔" اس نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولتے ہوئے گڑیا کی طرف دیکھا لیکن وہ جلدی سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔ اسفند ایک شاکی نظر اس پر ڈالتا ہوا گاڑی سے اتر کر گیٹ لاک کرنے لگا۔

"بھائی کا جی چاہ رہا تھا فرنٹ سیٹ پر آج تم بیٹھو، مستقبل میں بھی تو تم نے ہی بیٹھنا ہے۔" رابی کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

"تو کیا اسفند نے رابی کو بھی بتا دیا ہے حالانکہ ماموں جان نے منع کیا تھا۔" اس نے رابی کی بات کا جواب نہیں دیا بلکہ اپنے تیزی سے دھڑکتے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔

مامی کے بدلے ہوئے رویے کے باوجود بہت سارے وہم اس کے دل سے آ لپٹے تھے۔ "اگر مامی کو پتا چل گیا، انہوں نے دیکھ لیا کہ وہ اسفند اور رابی کے ساتھ آئس کریم کھانے باہر نکلی ہے تو وہ بہت خفا ہوں گی۔"

"تم اتنی سنجیدہ سی کیوں بیٹھی ہو یار؟ خوش ہونا سیکھو۔" رابی نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔

اب وہ کیا بتاتی کہ کون سے وہم اور ڈر اسے لاحق ہیں۔ نہیں جانتی تھی کہ کبھی دل کو لاحق وہم حقیقت بھی ہو جاتے ہیں۔ اس بات سے بے خبر کہ اس کے وہم سچ ہونے والے ہیں اس نے خوب انجوائے کیا تھا۔ اپنی پسندیدہ فلیور کی آئس کریم کھاتے ہوئے اسفند نے اپنے ہاسٹل کے دوستوں کے ایسے، ایسے لطیفے سنائے تھے کہ ہنستے، ہنستے اس کی آنکھوں کی سطح نم ہو گئی تھی اور رابی نے ہاتھ جوڑے تھے۔

"بس کریں بھائی، اب ہنسنے کی ہمت نہیں ہے۔"

"میں چاہتا ہوں تم ہمیشہ ایسے ہی ہنستی رہو۔" تھوڑا سا اس کی طرف جھکتے ہوئے اسفند نے سرگوشی کی تو اس کی آنکھوں کی نم سطح پر ہزاروں دیے جھلملا اٹھے تھے۔

"اب چلیں، مامی انتظار کر رہی ہوں گی۔" اس نے اسفند کی شوخ نظروں سے نظریں چرائیں۔

"ہاں چلتے ہیں۔" اسفند نے اشارے سے ویٹر کو بل لانے کے لیے کہا۔

آج کی شام اس کی زندگی کی خوشگوار ترین اور خوب صورت ترین شاموں میں سے ایک شام تھی لیکن نہیں جانتی تھی کہ یہی شام اس کی زندگی کی بدترین شام ہونے والی ہے۔

اسفند بل پے کرنے کے لیے والٹ سے پیسے نکال رہا تھا، وہ رابی کی کسی بات پر مسکراتے ہوئے اٹھی تھی، اسی لمحے گلاس ڈور کو پش کرتے ہوئے ثریا نے صوفی اور اس کے میاں کے ساتھ اندر قدم رکھا تھا۔

"ارے، آپ لوگ یہاں؟" صوفیہ کی نظر پہلے ان پر پڑی۔

"ہمارے شہزادے کی طبیعت ٹھیک تھی، ہم نے اسے اس کی دادی کے حوالے کیا اور سوچا آنٹی کو خود ہی ڈراپ کر دیتے ہیں اور یہاں سے گزرتے ہوئے ہماری بیگم صاحبہ آئس کریم کھانے کے لیے نہ کریں..... ناممکن۔" صوفی کے میاں گرمجوشی سے اسفند سے ہاتھ ملا رہے تھے اور وہ غیر ارادی طور پر رابی کے ساتھ جڑ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ ثریا بیگم نے ایک اچٹتی سی نظر اس پر ڈالی لیکن اس ایک اچٹتی سی نظر نے اس کے دل پر کپکپی طاری کر دی۔

"چلیں اب ہمارا انتظار نہ کریں۔" انہوں نے خوش دلی سے کہتے ہوئے بیٹھنے کے لیے کرسی کھینچی۔

اسفند نے کیا کہا تھا، رابی کیا کہہ رہی تھی اس نے سنا نہیں تھا، وہ تو بس اپنے خوفزدہ دل کو سنبھالے نگاہیں جھکائے کھڑی تھی۔

☆☆☆

خورشید حیدر اور عطیہ حیدر، ڈاکٹر ماریا کے آفس میں ان کے سامنے بیٹھے تھے۔ executive (ایگزیکٹو) ایک کے دوسری طرف بیٹھی ڈاکٹر ماریا کی نظریں عطیہ حیدر کی گود میں رکھے ان کے ہاتھوں پر تھیں۔ وہ اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنساتیں پھر نکال لیتیں۔ جب سے وہ آ کر بیٹھی تھیں اس عمل کو بار، بار دہرا رہی تھیں۔ کچھ دیر انہیں دیکھنے کے بعد ڈاکٹر ماریا نے نظریں ان کے ہاتھوں سے ہٹائیں۔

"یس مسز حیدر! آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتی تھیں؟"

"وہ مجھے آپ سے سلمان کے متعلق بات کرنی تھی۔" وہ کچھ گھبرائی ہوئی سی تھیں۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

"کیا سلمان نے پھر کچھ ایسی ویسی حرکت کی ہے؟" ڈاکٹر ماریا کچھ پریشان نظر آئیں۔ "میں تو اب اس کی طرف سے بے حد مطمئن ہو گئی تھی اور سوچ رہی تھی کہ وہ جو سلمان کے سائیکوتھراپی سیشنز (psychotherapy sessions) میرے ساتھ ہر ہفتے ہوتے ہیں اب مہینے میں دو بار کر دوں۔"

عطیہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے امداد طلب نظروں سے خورشید حیدر کی طرف دیکھا۔

"دراصل....." خورشید حیدر ہولے سے کھنکھارے۔ "جیسا کہ آپ کے علم میں ہے کہ سلمان اب اکثر اپنے دوست کی کے ساتھ پارک میں کھیلنے جاتا تھا.....!"

"تو یہ تو اچھی بات تھی مسٹر حیدر، اس کے اندر کافی مثبت تبدیلیاں آئی تھیں۔" ڈاکٹر ماریا نے ایک سرسری سی نظر عطیہ حیدر پر ڈالی جو اب اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیوں کو بائیں ہاتھ سے مروڑ رہی تھیں۔

"یس ڈاکٹر ماریا! بہت مثبت تبدیلیاں سلمان میں پارک میں جانے کے بعد آئی تھیں اور ہم دونوں خوش تھے لیکن پھر ہمارے ڈرائیور جوزف نے بتایا کہ وہ پارک میں کسی بچے کے ساتھ نہیں کھیلتا۔"

جوزف نے جو کچھ عطیہ کو بتایا تھا تفصیل سے ڈاکٹر ماریا کو بتایا۔ اس دوران عطیہ حیدر اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو مسلسل مروڑتی رہیں۔ خورشید حیدر کے بات ختم کرتے ہی عطیہ نے سر اٹھا کر ڈاکٹر ماریا کی طرف دیکھا۔

"میں پچھلے تین اتوار سے سلمان کے جانے کے بعد پارک جا رہی ہوں، جوزف نے صحیح کہا تھا وہ وہاں کسی لڑکے سے نہیں کھیلتا۔ میں گھنٹوں درختوں کے پیچھے چھپ کر دیکھتی رہی، وہ اپنا ٹفن بال اپنے پاس بینچ پر رکھ کر دوسرے بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتا رہتا ہے لیکن جیسا کہ جوزف نے کہا تھا، کوئی عورت اس کے پاس آ کر نہیں بیٹھی تھی، بس وہ اکیلا ہی بیٹھا رہتا تھا۔ ایک بار ایک بوڑھی عورت آ کر اس کے بینچ پر بیٹھی تھی اور پھر فوراً ہی اٹھ گئی تھی۔ ہم نے مس گارڈن سے کی کے متعلق پوچھا تھا، انہوں نے بتایا کہ وہ اپنی فیملی کے ساتھ کسی دوسرے ملک چلا گیا ہے۔"

"لیکن اس میں پریشان ہونے والی کیا بات ہے مسز حیدر؟ اگر وہ کسی لڑکے کے ساتھ نہیں کھیلتا لیکن پارک میں جا کر خوش ہوتا ہے تو یہ اچھی بات ہے۔"

"یس ڈاکٹر ماریا لیکن اس نے ہم سے جھوٹ بولا کہ کی ہر سنڈے کو پارک میں آتا ہے۔ اس نے آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا، ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ اس نے جھوٹ بولا ہے، تو مطلب وہ پھر بھی جھوٹ بول سکتا ہے یا شاید پہلے بھی کبھی اس نے ہم سے جھوٹ بولا ہو؟" ان کی آنکھوں میں نمی سی پھیل گئی۔

"یعنی آپ اس کے جھوٹ بولنے کی وجہ سے پریشان ہیں؟" ڈاکٹر ماریا نے اندازہ لگایا۔

"ہو سکتا ہے کی کے یہاں سے جانے کے بعد بھی وہ اس لیے پارک جاتا رہا ہو کہ وہ بچوں اور لوگوں کو دیکھ کر خوشی محسوس کرتا ہو اور وہ اس خوشی سے خود کو محروم نہیں کرنا چاہتا ہو یا پھر اس کا خیال ہو کہ کی کے بعد اسے وہاں کوئی اور اچھے دوست مل جائیں گے۔"

"تو وہ ہمیں سچ بھی بتا سکتا تھا، ہم اسے پارک میں جانے سے منع تو نہیں کرتے ڈاکٹر ماریا۔" انہوں نے شاکی نظروں سے ڈاکٹر ماریا کو دیکھا۔

"یقیناً مسز حیدر، آپ اسے منع نہیں کرتیں لیکن ہو سکتا ہے اس نے ایسا سوچا ہو کہ آپ کی کے جانے کا سن کر پریشان ہو جائیں گی یا پھر اس کا خیال ہو کہ آپ اسے منع کر دیں گی۔ بہرحال وہ ایک بچہ ہی تو ہے۔"

عطیہ حیدر نے سر ہلایا۔

"آپ نے خود ہی مجھے بتایا تھا کہ اس میں جو بھی مثبت تبدیلیاں آئی ہیں وہ پارک میں جانے کے بعد آئی ہیں۔ کیا اس دوران اسکول سے اس کی کوئی شکایت آئی؟"

Scanned with CamScanner

digest library.com

"نہیں۔" انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ "بلکہ اس کے ٹیچرز نے اس کے اپنے کلاس فیلوز کے ساتھ behaviour کی تعریف بھی کی ہے۔"

"تو پھر آپ اتنی پریشان کیوں ہیں؟ آپ کو پتا ہے آپ کے لیے میں نے اپنی ایک اپائنٹمنٹ کینسل کی ہے؟"

"تھینک یو ڈاکٹر اور اصل مجھے ڈر تھا کہ کہیں کوئی خاتون وہاں پارک میں کسی قسم کی کوئی نشہ آور شے نہ دیتی ہو اور دوسرا ڈر تھا کہ کہیں وہ مانوش سے نہ ملتا ہو۔ آپ تو جانتی ہیں ناں مانوش نے کیسے اسے ہم سے متنفر کیا تھا یہ کہہ کر کہ وہ ہمارا بیٹا نہیں ہے۔" اب عطیہ کی آواز میں آنسوؤں کی نمی تھی۔

"کیا آپ کا ڈرائیور مانوش کو پہچانتا نہیں؟" ڈاکٹر ماریا نے پوچھا۔

"نہیں یہ" انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔ "یہ نیا ہے، ہمارا پرانا ڈرائیور چھٹی پر پاکستان گیا ہوا ہے، اس ماہ کے اینڈ تک آجائے گا۔"

"ہوں..... ٹھیک ہے مسز حیدر، اگلے سیشن میں جاننے کی کوشش کروں گی کہ سلمان نے آپ سے جھوٹ کیوں بولا اور وہ عورت کون تھی جسے ڈرائیور جوزف نے اس کے ساتھ باتیں کرتے دیکھا تھا اور آپ آئندہ اس کے پیچھے مت جائیے گا۔ ہوسکتا ہے وہ یہ سوچے کہ آپ اس کی جاسوسی کررہی ہیں تو اسے برا لگے۔ بعض بچے اس بات پر irritate (برہم) ہوتے ہیں کہ ان کے والدین ان پر ٹرسٹ نہیں کرتے۔"

"تھینک یو ڈاکٹر اوہ ایک بات اور پوچھنی تھی۔" عطیہ نے ممنونیت سے ڈاکٹر ماریا کو دیکھا۔

"ضرور۔" ڈاکٹر ماریا پہلی بار مسکرائیں۔

"وہ ڈرائنگ آپ نے دیکھی تھیں؟"

"ہاں، وہ یقیناً بے حد بھدی اور خوفناک تھیں۔ کچھ تصویریں خوب صورت بنا کر پھر انہیں مسخ کیا گیا تھا..... تو ہوسکتا ہے اس طرح وہ اپنا غصہ نکالتا ہو جیسے اس نے آئینے کو خراب کیا..... اور کیا یہ اچھا نہیں ہے کہ وہ اپنا غصہ ... بے جان چیزوں پر نکال کر مطمئن ہوجاتا ہے؟" ڈاکٹر ماریا کا لہجہ تسلی دیتا ہوا سا تھا۔

"لیکن اسے کس بات پر اتنا غصہ آتا ہے ڈاکٹر؟" عطیہ حیدر کی آواز میں لرزش تھی۔ ڈاکٹر ماریا نے تاسف سے انہیں دیکھا۔

"میں نے غالباً ایک بار اس کے بارے میں بات کی تھی لیکن ہم ایک بار پھر کسی روز اس کے متعلق تفصیل سے بات کریں گے۔ اب اگلے پیشنٹ کا ٹائم ہورہا ہے۔" ڈاکٹر ماریا نے کلائی موڑ کر وقت دیکھا تو خورشید حیدر اور عطیہ فوراً کھڑے ہوگئے۔

"مسٹر حیدر! پلیز آپ رکیں، مجھے آپ سے بات کرنی ہے..... صرف پانچ منٹ مسز حیدر پلیز۔" ڈاکٹر ماریا کی سوالیہ نظروں عطیہ حیدر کی طرف اٹھیں تو وہ سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گئیں۔

"کیا آپ کی مسز بھی سائیکی پرابلمز کا شکار رہی ہیں؟"

خورشید حیدر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے مختصراً انہیں اپنے بچوں نازنین، آفاق اور شانی کے متعلق بتایا۔

"بہتر ہے کہ آپ ان کے سائیکاٹرسٹ سے پھر رجوع کریں، وہ مجھے بہت اپ سیٹ لگ رہی ہیں۔" ڈاکٹر ماریا نے مخلصانہ مشورہ دیا تو وہ ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے باہر آئے۔ عطیہ ریسپشن پر موجود لڑکی سے بات کررہی تھیں۔

"چلیں پلیز۔" وہ ان کے قریب آئے۔

"میں میں جوڈی سے سلمان کے اگلے سیشن کی تاریخ پوچھ رہی تھی۔" وہ ان کے ساتھ، ساتھ چلتے ہوئے پارکنگ تک آئیں اور گاڑی میں بیٹھتے ہوئے وہ جیسے اچانک یاد کرکے چونکیں۔

Scanned with CamScanner

''یہ ڈاکٹر ماریا نے آپ کو کیوں روکا تھا؟ اس نے سلمان کے متعلق جو کچھ کہا ہے پلیز مجھے بتادیں، کچھ چھپائیں مت۔''

''میں بھلا کیوں چھپاؤں گا؟ تم ماں ہو سلمان کی اور ڈاکٹر ماریا، سلمان کے متعلق جو کچھ کہیں تمہیں اسے جاننے کا پورا حق ہے۔'' انہوں نے گاڑی پارکنگ سے باہر نکالتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔

''تو.....؟'' وہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

''تو یہ کہ ڈاکٹر نے سلمان کے متعلق کچھ نہیں کہا بلکہ مجھے مشورہ دیا ہے کہ تم بہت ڈسٹرب اور اپ سیٹ لگ رہی ہو تو تمہیں کسی سائیکاٹرسٹ کے پاس لے کر جاؤں۔'' وہ مسکرائے۔

''سلمان نے ہم سے جھوٹ بولا تو کیا میں اپ سیٹ اور پریشان نہ ہوں؟'' لہجے سے ناراضی جھلکتی تھی۔

''کیا بچے کبھی نہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے؟ یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے عطی! اپنے ایمان سے بتاؤ کیا اپنے بچپن میں تم نے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا؟''

''میں نے.....؟'' انہیں یاد آیا کہ ایک بار اماں کے جہیز کے قیمتی واٹر سیٹ کا گلاس ان کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا تھا اور انہوں نے ٹوٹے گلاس کے ٹکڑے اٹھا کر ڈسٹ بن میں پھینک دیے تھے اور اماں کے پوچھنے پر جھوٹ بول دیا تھا کہ اس نے تو گلاس نہیں توڑا، اور ایسے ہی دو تین بے ضرر جھوٹ یاد کرتے ہوئے ان کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی اور وہ ہولے، ہولے انہیں بتانے لگیں کہ کب، کب انہوں نے جھوٹ بولا تھا۔ جب ایک بار انہوں نے اپنا نیا پینسل باکس ایک بچی کے مانگنے پر اسے دے دیا تھا اور اماں کے پوچھنے پر بتایا تھا کہ گم ہو گیا ہے۔

''اور میں نے بھی کئی بار ایسے ہی چھوٹے، چھوٹے جھوٹ بولے۔ کسی لڑکے سے باہر مار کھا کر آتا تو گھر آ کر بتاتا کہ گر گیا تھا تو چوٹ لگ گئی۔''

اب دونوں یاد کر کے بچپن کی باتیں ایک دوسرے سے شیئر کر رہے تھے۔ عطیہ حیدر کا ذہن ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ آتے ہوئے دل پر جو بوجھ تھا اب نہیں تھا۔ انہوں نے تسلیم کر لیا تھا کہ بچے کبھی کبھی بڑوں کی ناراضی کے ڈر سے یا انہیں خوش کرنے کے لیے جھوٹ بول دیتے ہیں..... تو اگر سلمان نے جھوٹ بولا تھا تو کوئی بات نہیں۔ اس کے اسکول سے کوئی شکایت نہیں آ رہی تھی، وہ پہلے کی طرح سرد مہری سے اور سپاٹ لہجے میں جواب نہیں دیتا تھا، خوش دلی سے بات کرتا تھا، ہر وقت اپنے کمرے میں رہنے کے بجائے نیچے ٹی وی لاؤنج میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھتا تھا۔

ڈاکٹر ماریا نے کہا تھا کہ وہ اس کے پیچھے جا کر اس کی جاسوسی کرنا چھوڑ دیں۔ انہیں اس کی بات معقول لگی تھی اور انہوں نے سوچا تھا کہ وہ اب اس کے پیچھے نہیں جائیں گی لیکن خود کو یہ یقین دلانے کے باوجود کہ انہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے انہوں نے جوزف کو تاکید کی تھی کہ ''سلمان جب بھی پارک میں جائے وہ اس پر نظر رکھے کہ وہ کس سے ملتا ہے، کیا کوئی عورت اب بھی اس سے بات کرتی ہے یا اگر کوئی بچے وغیرہ ہیں تو وہ کیسے لگتے ہیں، کوئی گلیوں میں لڑنے بھڑنے والے اور چوراچکے تو نہیں؟''

جوزف ایک وفادار اور ایماندار شخص تھا اور خورشید حیدر کو اپنا محسن سمجھتا تھا۔ اس نے انہیں یقین دلایا تھا کہ وہ پوری کوشش کرے گا کہ وہ سلمان پر نظر رکھے اور پارک میں اس کی ہر ایکٹیویٹی (activity) سے باخبر رہے گا۔ اگر کوئی اس سے ملنا چاہے وہ کوئی لیڈی ہو یا کوئی بچہ وہ اچھی طرح سے اس کے متعلق جانکاری کر کے انہیں بتائے گا اور ایسا ہی ہوا تھا۔ اس سنڈے کو جب وہ سلمان کے ساتھ پارک آیا تو اسے پارک میں چھوڑ کر چند لمحوں کے توقف کے بعد ایک دوسرے دروازے سے پارک میں داخل ہوا۔ اسے علم تھا کہ سلمان عام طور پر پارک کے

digest library.com

Scanned with CamScanner

کس حصے کی طرف جاتا ہے اور وہ کچھ دیر کے لیے حیران رہ گیا۔ مسز حیدر نے اسے بتایا تھا مسلسل تین اتوار وہ سلمان کے جانے کے بعد پارک گئی تھیں اور درختوں کے پیچھے چھپ کر اس کی نگرانی کی تھی اور سلمان وہاں اکیلا ہی بیٹھا رہا تھا تو آج بھی وہ توقع کر رہا تھا کہ سلمان وہاں اپنی مخصوص جگہ پر اکیلا بیٹھا ہوگا لیکن آج ایسا نہیں تھا۔ وہی لیڈی بیٹھی تھی اور سلمان اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ ہاتھ ہلا ہلا کر کچھ کہہ رہی تھی۔ سلمان کی اس کی طرف پشت تھی، وہ اسے دیکھ نہیں سکتا تھا۔ وہ اتنی دور سے یہ تو نہیں سن سکتا تھا کہ وہ خاتون کیا کہہ رہی تھی لیکن اس نے اسے پہچان لیا تھا۔ کئی بار اس نے اسے اسٹریٹ نمبر 24 میں دیکھا تھا۔ وہ وہاں کبھی کبھی اپنے ایک کزن سے ملنے جاتا تھا جو وہاں کسی بلڈنگ میں گارڈ تھا۔ یقیناً یہ خاتون بھی وہاں ہی کسی بلڈنگ میں رہتی ہوگی۔ اسے یک دم یاد آیا کہ ایک بار جب وہ اپنے کزن سے ملنے گیا تھا تو یہ خاتون کسی چیز سے ٹھوکر کھا کر گر گئی تھی تو اس نے فوراً اسے سہارا دے کر اٹھایا تھا اور پھر کلینک بھی لے گیا تھا تاکہ فوراً اسے tetanus کا انجکشن لگ جائے، لیکن اسٹریٹ نمبر 24 تو یہاں سے کافی دور تھی۔ وہ اتنی دور سے یہاں اس پارک میں کیوں آتی تھی جبکہ اسٹریٹ نمبر 24 کے قریب اس سے بھی بڑا پارک موجود تھا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میڈم کا خیال صحیح ہو اور اس کا تعلق کسی منشیات فروش گروہ سے ہو اور وہ سلمان کو کسی نشے کا عادی بنا رہی ہو۔

digest library.com

"اوہ نو۔" اس نے فوراً ہی اپنے سینے پر صلیب کا نشان بنایا۔ "خداوند یسوع مسیح سلمان کی حفاظت کرے۔"

اس نے آنکھیں بھینچ کر ایک بار پھر اسے پہچاننے کی کوشش کی۔ بلاشبہ یہ وہی تھی اسٹریٹ نمبر 24 والی خاتون۔

"سلمان کو گھر چھوڑ کر میں اپنے کزن کے پاس جاؤں گا۔ وہ یقیناً اس کے متعلق کچھ نہ کچھ جانتا ہوگا۔ ایک ہی علاقے میں رہنے والے سیاہ فام ایک دوسرے کو کسی نہ کسی حد تک جانتے ہی ہیں۔ میں اس کے متعلق پوری تحقیق کروں گا، شاید اس طرح میں خورشید حیدر کے احسانات کا کچھ بدلہ اتار سکوں گا۔" کچھ عرصہ پہلے جب وہ خورشید حیدر کی کمپنی میں کام کرتا تھا اور اپنے بھائی کی وجہ سے جو امریکا کی ریاست شکاگو میں جہاں وہ پڑھنے کے لیے گیا ہوا تھا ایک گینگ کے ہتھے چڑھ گیا تھا، تب خورشید حیدر نے نہ صرف یہ کہ اس کی مالی مدد کی تھی بلکہ اپنے پارٹنر ایرک سے کہہ کر اسے اس گینگ سے نجات بھی دلوائی تھی۔

وہ جس راستے سے پارک میں آیا تھا اسی راستے سے واپس آ کر گاڑی میں بیٹھ کر سلمان کا انتظار کرنے لگا۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہوئی تو وہ ہر صورت سلمان کو اس عورت سے بچائے گا۔ گاڑی میں بیٹھے، بیٹھے اس نے خود سے عہد کیا لیکن نہیں جانتا تھا کہ بعض اوقات انسان اپنے آپ سے کیے ہوئے وعدے بھی پورے نہیں کر سکتا۔ وہ خود اپنے آپ سے مکر جاتا ہے۔ جتنی شدت سے وہ سلمان کا انتظار کر رہا تھا سلمان نے آج اتنی ہی دیر کر دی تھی۔ عطیہ حیدر بھی پریشان سی لان میں ٹہل رہی تھیں۔

"آج اتنی دیر کر دی بیٹا! میں پریشان ہو گئی تھی۔" بہادر خان کے گیٹ کھولتے ہی وہ تیزی سے گیٹ کے قریب آئی تھیں۔ جوزف انہیں دیکھ کر گاڑی اندر نہیں لایا تھا بلکہ گاڑی سے اتر کر پچھلا دروازہ کھولا تھا اور عطیہ نے سلمان سے گیٹ پر ہی پوچھ لیا تھا۔ اس کی خوب صورت آنکھوں میں لمحے بھر کے لیے حیرت نمودار ہوئی۔

"اس میں پریشانی والی کیا بات تھی؟ مسٹر جوزف تو تھے ناں میرے ساتھ۔"

جوزف نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ہلکا سا سر خم کیا تو انہیں احساس ہوا کہ وہ گیٹ پر کھڑی ہیں اور جوزف گاڑی اندر نہیں لایا۔

"کیا تمہیں صاحب کے پاس کہیں جانا ہے؟"

"نو میم! مجھے ایک ضروری کام سے اپنے کزن کی طرف جانا ہے، اگر اجازت ہو تو، جلدی آ جاؤں گا۔"

Scanned with CamScanner

digest library.com

"ہاں، ہاں جاؤ۔"

وہ سلمان کا ہاتھ پکڑ کر چلی گئیں تو بہادر خان نے گیٹ بند کرلیا۔ خورشید حیدر نے اسے اجازت دے رکھی تھی کہ اگر اسے کسی ذاتی کام کے لیے بھی کہیں جانا ہو تو گاڑی لے جاسکتا ہے۔ گھر میں دوسری گاڑی موجود تھی اور کسی ایمرجنسی میں بہادر خان بھی ڈرائیو کرسکتا تھا۔ خورشید حیدر نے ہی اس کے یہاں آنے کے کچھ عرصے بعد اسے ڈرائیونگ ٹیسٹ دلوا کر لائسنس لیا تھا۔

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے جوزف کا دل ممنونیت سے بھر گیا۔ گاڑی باہر روڈ پر لاتے ہی اس نے سوچا۔ "کیا خبر وہ ابھی پارک میں ہی ہو کہ وہ کبھی بھی سلمان کے ساتھ باہر نہیں آتی تھی۔ شاید وہ کچھ دیر سے جاتی ہو اس لیے بہتر ہے کہ پہلے اسے پارک میں دیکھ لوں۔" اسی خیال سے وہ پارک کی طرف آیا تھا اور یہ بھی اتفاق تھا کہ وہ اسے پارک سے باہر آتی نظر آگئی۔ جب تک وہ گاڑی پارکنگ میں پارک کر کے گاڑی سے اترا وہ کافی آگے جا چکی تھی۔ وہ تقریباً دوڑتا ہوا اس تک آیا۔

"سنیں مس۔۔۔۔ ایک منٹ پلیز۔"

وہ رک گئی تھی اور سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ یکا یک وہ چونکی۔

"تم وہی ہو ناں جس نے ایک بار جب میں فٹ پاتھ سے ٹھوکر کھا کر گری تھی تو تم نے مجھے اٹھایا تھا اور کلینک بھی انجکشن لگوانے کے لیے لے گئے تھے؟" اس کے موٹے، موٹے ہونٹ مسکراہٹ کے انداز میں پھیلے۔

"تم ایک اچھے آدمی ہو مسٹر! تم نے مجھ پر ہنسنے کے بجائے سہارا دے کر اٹھایا جبکہ دو سفید فام ینگ لڑکے مجھے گرتا دیکھ کر ہنس پڑے تھے۔"

ایک سادہ طبع نوجوان کی کہانی..... جو نامساعد حالات کی طنابیں گرفت میں رکھنا جانتا تھا۔

وادی مہران کے ایک دور دراز خطے سے جس کا تعلق تھا.....

ایک پراسرار واقعے نے اس کی زندگی کا رخ ہی بدل دیا

جانگلی

جس میں محبت کی دیوانگی بھی ہے اور نفرتوں و عداوتوں کے دہکتے انگارے بھی۔

بہت جلد... سسپنس کے صفحات کی زینت

Scanned with CamScanner

"تمہاری یادداشت بہت اچھی ہے مس ..... لیکن کیا تم مجھے تھوڑا سا وقت دے سکتی ہو..... صرف چند منٹ۔ ہم ادھر پارک میں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں۔" اس نے پارک کی طرف اشارہ کیا۔

اس نے جوزف کی طرف دیکھا۔ سیاہ فام ہونے کے باوجود اس کی شخصیت میں ایک خاص کشش تھی، ایک رعب سا تھا۔ وہ عمر میں اس سے بہت چھوٹا تھا، پندرہ، بیس سال تو چھوٹا ہوگا پھر بھی اس کے دل میں خیال آیا تھا کہ کیا خبر یہ شخص مجھے پرپوز کرنے والا ہو۔ وہ جس معاشرے میں زندگی بسر کر رہے تھے وہاں عمروں کی چھوٹائی، بڑائی کوئی معنی نہیں رکھتی تھی سو مانوش کا ایسا سوچنا کچھ عجیب نہیں تھا۔

"اوکے، تم جہاں کہو وہاں ہی بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں، کسی ریسٹورنٹ میں یا تمہارے فلیٹ میں؟" اس نے خمار ہوتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"نہیں نہیں مس! یہاں پارک میں ہی چلتے ہیں۔" جوزف بے حد سنجیدہ تھا۔

"سوری مس، تمہیں ڈسٹرب کیا۔ وقت دینے کا بہت شکریہ۔" جوزف نے بنچ پر بیٹھتے ہی سوری اور شکریہ ایک ساتھ کہا۔

digest library.com

"کوئی بات نہیں یگ مین، بولو میرا وقت اتنا قیمتی نہیں ہے۔" وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"ابھی کچھ دیر پہلے تم پارک میں جس لڑکے کے ساتھ باتیں کر رہی تھیں مجھے اس کے متعلق بات کرنی ہے۔" اس نے تمہید باندھنے کے بجائے دوٹوک بات کی۔

"تم اس لڑکے کو کیسے جانتے ہو؟" وہ ایک ہوشیار عورت تھی، کوئی بھی بات کرنے سے پہلے وہ اس کے متعلق جاننا چاہتی تھی کہ وہ سلمان میں کیوں دلچسپی لے رہا ہے۔

"میں نے کچھ عرصہ مسٹر حیدر کی کمپنی میں کام کیا تھا۔" وہ محتاط ہوا۔ "اور میں جانتا ہوں کہ یہ مسٹر حیدر کا بیٹا ہے، تو مجھے حیرت ہوئی کہ تم اس بچے کو کیسے جانتی ہو؟ محض تجسس کے لیے پوچھ رہا ہوں۔ میری ایک عادت ہے مس کہ جب کوئی خیال میرے ذہن میں آجائے تو جب تک اس کے متعلق جان نہ لوں اچھی نہیں آتی۔"

"یہ کوئی اچھی عادت نہیں ہے مسٹر۔" وہ مسکرائی۔ "ویسے تم نے مسٹر حیدر کی کمپنی کو کیوں چھوڑا؟"

"میں نے چھوڑا نہیں تھا بلکہ مجھے کمپنی سے نکال دیا گیا تھا۔" وہ نہیں چاہتا تھا کہ اسے حقیقت معلوم ہو اور وہ محتاط ہو جائے اور جھوٹ بول دے۔

مانوش نے لمحے بھر سوچا اور پھر جیسے کوئی فیصلہ کر کے ٹھنڈی سانس لی۔ فطری طور پر اسے فوری فیصلہ کرنے میں کمال حاصل تھا۔ زندگی میں اس نے بہت سارے فیصلے یوں ہی چند لمحوں میں کیے تھے اور کبھی اپنی فیصلوں پر پچھتائی نہیں تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ آج بھی نہیں پچھتائے گی اور اس کا یقین غلط نہیں تھا۔

"اس بچے کا نام سلمان حیدر ہے اور کچھ عرصہ پہلے تک میں مسٹر خورشید کے گھر ملازم تھی اور سلمان کی دیکھ بھال کرتی تھی، یعنی میں سلمان کی آیا تھی۔" اس نے پھر ایک ٹھنڈی سانس لی۔

"لیکن مسز خورشید نے مجھے یہ کہہ کر فارغ کر دیا کہ سلمان اب بڑا ہو گیا ہے اور انہیں میری ضرورت نہیں۔ وہ غلط نہیں کہہ رہی تھیں، انہیں واقعی میری ضرورت نہیں تھی لیکن میں نے اتنے سال اسے اپنی اولاد کی طرح پالا، وہ میرے لیے بیٹے جیسا تھا اور یہ میرا حق تھا کہ کبھی کبھار جب مجھے اس کی یاد آئے تو میں اسے ملنے چلی جاؤں لیکن ... مسز خورشید نے مجھے یہ حق نہیں دیا۔ مجھے کہا کہ آئندہ میں ان کے گھر نہ آؤں۔ ایک بار اپنی محبت سے مجبور ہو کر سلمان سے ملنے کے لیے گئی تو چوکیدار نے مجھے اندر نہیں جانے دیا اور کہا کہ اسے مسٹر خورشید اور ان کی مسز نے منع کر رکھا ہے کہ مجھے سلمان سے ملنے نہ دیا جائے۔ تو ایک روز یہاں اسے دیکھا تو اپنی محبت سے مجبور ہو کر اس کے پاس چلی

Scanned with CamScanner

گئی۔ وہ بھی مجھ سے مل کر بہت خوش ہوا اور اس نے مجھے بتایا کہ وہ ہر سنڈے کو یہاں پارک میں آتا ہے، میں اس سے یہاں ملاقات کرلیا کروں۔ وہ جانتا تھا کہ اس کی مام اور ڈیڈ نے مجھے اس سے ملنے سے منع کر رکھا ہے اس لیے میں نے اسے سمجھا دیا تھا کہ وہ گھر میں میرے متعلق نہ بتائے ورنہ اس کی مام اسے پارک آنے سے منع کردے گی۔"

"لیکن میم نے ایسا کیوں کیا؟" جوزف کی آنکھوں میں تاسف تھا۔

"اس لیے کہ صرف یہاں کے گورے ہی نہیں دوسرے ملکوں سے آنے والے بھی ہمیں پسند نہیں کرتے بلکہ ہم سیاہ فام لوگوں سے نفرت کرتے ہیں۔"

"اوہ نہیں مس۔" جوزف کے لبوں سے بے ساختہ نکلا۔

"ایسا ہی ہے مسٹر! میں بچپن سے لے کر اب تک لوگوں کے تمسخر کا نشانہ بنتی رہی ہوں۔ میرا باپ فلپائنی تھا اور ماں ساؤتھ افریقا کی۔ مجھے نہیں پتا کہ میرے باپ کی ملاقات اس سے کیسے اور کہاں ہوئی تھی لیکن اتنا جانتی ہوں کہ میرے باپ نے اس سے اپنی پسند کی شادی کی تھی۔" وہ سر جھکائے ہوئے، ہولے ہولے بول رہی تھی اور چونکہ وہ سچ کہہ رہی تھی اس لیے اس کی بات میں تاثر تھا اور جوزف اس کے لیے بے حد ہمدردی محسوس کر رہا تھا۔ اس کے چار بہن بھائیوں میں سے کوئی بھی اس جیسا نہ تھا۔ ان سب کی رنگتیں سفید تھیں اور نقوش فلپائنی تھے جبکہ وہ سیاہ فام تھی۔ اس کی ماں نے اسے بتایا تھا کہ وہ بالکل اپنی نانی جیسی ہے جبکہ اس کی ماں عام سیاہ فام لوگوں جیسی نہیں تھی۔ وہ گہرے سانولے رنگ کی تھی لیکن اس میں اٹریکشن تھی اسی لیے تو اس کے باپ کو اس سے محبت ہوگئی تھی۔ اس کے بہن، بھائی اسے بھدی اور بدصورت کہتے تھے اور اس کے چھوٹے قد کا مذاق اڑاتے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی کبھی شادی نہیں ہوگی لیکن پھر اس کے ماں، باپ نے اس کی شادی اپنی شاپ پر کام کرنے والے ایک لڑکے سے کردی جو چھوٹے قد کا عام شکل صورت کا فلپائنی تھا۔ شاید اس کے ماں، باپ نے اسے کوئی لالچ دیا تھا، شاید انہوں نے اسے کہا ہو کہ وہ اپنی شاپ اس کے نام کردیں گے لیکن اس کے ماں، باپ کے مرنے کے بعد اس کے بھائیوں نے شاپ (دکان) پر قبضہ کرلیا۔ یہ بچوں کے ریڈی میڈ کپڑوں کی اور کھلونوں کی اچھی خاصی چلتی ہوئی دکان تھی۔ انہوں نے اسے ملازمت سے بھی فارغ کردیا کہ وہ تینوں مل کر اسے سنبھال سکتے ہیں تو اس نے ایک رات اسے دھکے دے کر گھر سے نکال دیا اور وہ ساری رات سردی میں فٹ پاتھ پر بیٹھی رہی اور اپنے بیٹے کو یاد کرکے روتی رہی جو صرف تین ماہ کی عمر میں مر گیا تھا۔ پھر کسی نہ کسی طرح وہ یہاں آگئی۔

اب وہ رو رہی تھی۔ جوزف فطرتاً ایک ہمدرد شخص تھا، وہ افسوس سے اسے دیکھ رہا تھا۔ موٹے، موٹے ہونٹ، پھیلی ہوئی چپٹی سی ناک، گھنگرالے بال۔

"سلمان مجھے اپنے جونی جیسا لگتا ہے۔" اس نے پاؤچ سے ٹشو نکال کر اپنے آنسو پونچھے۔ "لیکن اب شاید تم مسز خورشید کو بتادو گے اور میں اس خوشی سے محروم ہوجاؤں گی جو سلمان سے مل کر مجھے ملتی تھی۔"

"نو..... نو..... ناٹ ایٹ آل۔" جوزف کے دل میں ہمدردی کا ابال اٹھا تھا۔ "میں کبھی اس بات کا ذکر مسز خورشید سے نہیں کروں گا، تم بے فکر رہو اور جیسے پہلے سلمان سے ملتی تھیں ویسے ہی ملتی رہو۔"

ایک تو وہ اس کی طرح ہی سیاہ فام تھی اور ایک سیاہ فام دوسرے سیاہ فام کے لیے اپنے دل میں ایک نرم گوشہ ضرور رکھتا ہے اور پھر وہ ایک مظلوم عورت تھی۔ وہ اسے اس خوشی سے محروم نہیں کرسکتا تھا جو اسے ہفتے میں ایک بار سلمان سے مل کر ہوتی تھی اس لیے وہ کچھ دیر پہلے خود سے کیا ہوا عہد بھول گیا تھا۔ ایک بار پھر اسے یقین دلا کر وہ احتراماً ہلکا سا سر خم کرکے چلا گیا۔ وہ اسے جاتا دیکھ کر معنی خیز انداز میں مسکرائی کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہ کسی کو اس کے متعلق کچھ نہیں بتائے گا۔ وہ ہمیشہ سچ یا جھوٹ بول کر دوسروں کو قائل اور متاثر کرلیا کرتی تھی لیکن مسز خورشید نے

digest library.com

Scanned with CamScanner

اسے کچھ کہنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔

اس نے برا سا منہ بنایا۔ آج اس نے سلیمان سے جو کچھ کہا تھا اسے یقین تھا کہ سلمان اب کبھی اپنے ماں اور ڈیڈ سے اس طرح محبت نہیں کر سکے گا جس طرح پچھلی چند ملاقاتوں میں اس نے محسوس کی تھی۔ اسے لگا تھا پچھلے دو تین سالوں میں اس نے سلمان کو جو کچھ سمجھایا تھا وہ سب رائگاں چلا گیا لیکن سلمان کو اپنی محبت کا یقین دلانے کے جوش میں وہ ایک غلطی کر گئی تھی۔ وہ اسے ایک ایسی سچائی بتا بیٹھی تھی جسے صرف وہ ہی جانتی تھی۔ سلمان کی خوب صورت سحر انگیز آنکھوں سے جو کرب جھلکا تھا، جو بے یقینی تھی اس نے اسے چند لمحوں کے لیے پتھرا دیا تھا ... لیکن وہ اپنی غلطی سدھارنا جانتی تھی۔ مطمئن ہو کر وہ مسکرائی، اٹھی اور پھپھو کے، پھپھو کے قدم اٹھاتی کیٹ کی طرف جانے لگی۔

☆☆☆

digest library.com

انشال کی آنکھ کھلی تو کمرے میں ہلکی روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا، امینہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے تسبیح پڑھ رہی تھیں، طیبہ کا بیڈ خالی تھا۔ اس نے پاس پڑا فون اٹھا کر وقت دیکھا اور یک دم اٹھ بیٹھی۔

"آپ نے نماز پڑھ لی؟ مجھے بھی اٹھا دیتیں۔"

"بس یہ تسبیح پڑھ کر اٹھنے ہی لگی تھی لیکن ابھی کافی وقت ہے، آرام سے وضو کر کے نماز پڑھ سکتی ہو۔" امینہ نے آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھا۔

"آپ کی طبیعت کیسی ہے، سر میں درد تو نہیں ہو رہا؟"

"نہیں۔" امینہ نے نفی میں سر ہلایا۔ "اس وقت تو بالکل بھی درد نہیں ہو رہا۔"

"شکر ہے اللہ کا۔" اس نے پاؤں میں چپل پہنی اور واش روم کی طرف جاتے، جاتے رک گئی۔ "یہ پھپھو کہاں ہیں ... کیا واش روم میں ...؟"

"نہیں، وہ تو نماز پڑھ کر ہاسٹل کے کچن میں چلی گئی تھی۔ اتنی زیادہ بچیوں کا ناشتا تیار کرنا ہوتا ہے، کسی نے سات بجے جانا ہوتا ہے کسی نے آٹھ بجے۔" امینہ نے بتایا تو وہ سر ہلاتی ہوئی واش روم میں چلی گئی۔

وہ نماز سے فارغ ہوئی تو امینہ نے کہا۔ "طیبہ یہ ادھر ٹیبل پر الیکٹرک کیتل، خشک دودھ کا ڈبا، چینی اور ٹی بیگ وغیرہ رکھ گئی تھی، اگر تمہیں چائے پینی ہو تو بنا لو۔"

"ہاں، جی تو چاہ رہا ہے، آپ پئیں گی؟"

"پی لوں گی۔" وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئیں۔ چائے بنا کر انشال نے ان کا کپ سائڈ ٹیبل پر رکھا اور اپنا کپ لے کر ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"یہ پھپھو نے کتنی مشقت بھری زندگی گزاری ہے۔" اسے ہمیشہ کی طرح افسوس ہوا تھا۔

"ہاں یہ تو ہے، بہت محنت کی ہے طیبہ نے۔ تمہارے ابا نے بہت کہا تھا کہ وہ اپنی تعلیم مکمل کر لے، میٹرک بھی نہیں کیا تھا اس نے، گاؤں میں تب مڈل تک ہی اسکول تھا۔ اخراجات کی پروا کیے بغیر کرے اور نہ ہی میرو کی، اسے تو ماں جی سنبھال لیں گی لیکن اس نے انکار کر دیا۔ شادی کے دو سال بعد ہی وہ واپس آ گئی تھی اور بہت تکلیف میں تھی۔ کسی کی بات نہیں سنتی تھی، ماں جی نے بھی بہت سمجھایا لیکن وہ کہتی تھی مجھے کسی کا احسان نہیں لینا۔" امینہ نے سائڈ ٹیبل سے چائے کا کپ اٹھایا۔

"ابا" کہی" تو نہیں تھے، ان کے بھائی تھے۔ اگر وہ تب ابا کی بات مان کر پڑھ لیتیں تو آپ کی طرح کسی اسکول میں پڑھا لیتیں۔ ٹھیک ہے اسکول کی جاب بھی آسان نہیں ہوتی لیکن اس کام سے تو بہر حال آسان ہی ہوتی

Scanned with CamScanner

digest library.com

ہے۔" اسے افسوس ہو رہا تھا۔

"بس ساری بات نصیب کی ہے انشی اماں، باپ، بیٹیوں کے نصیب سے ہی تو ڈرتے ہیں۔ اتنے امیر، اتنے بڑے گھرانے میں اس کی شادی ہوئی تھی۔ سارا گاؤں رشک کرتا تھا کہ کیسے اللہ نے طیبہ کا نصیب کھولا۔ ماں جی کہتی تھیں وہ اسے اتنی دور نہیں بھیجنا چاہتی تھیں لیکن پھر طیبہ کی مرضی دیکھ کر خاموش ہو گئی تھیں۔ نصیب میں ایسا ہی لکھا تھا۔"

"تو وہ اچانک کیوں آ گئی تھیں؟ کیا اپنے شوہر یا ساس سے جھگڑا ہو گیا تھا؟" انشال نے پوچھا۔ آج سے پہلے کبھی اس موضوع پر بات ہی نہیں ہوئی تھی۔

"پتا نہیں کیا ہوا تھا۔ اس نے کبھی کسی کو کچھ نہیں بتایا۔ ماں جی کے اصرار پر بھی بس اتنا کہا..... مجھے اس جرم کی سزا ملی ہے جو میرا تھا ہی نہیں۔" امینہ نے خالی کپ ٹیبل پر رکھا۔

"اتنی خوب صورت ہیں پھپھو پھر بھی....." اس کا دل گہرے دکھ میں ڈوب گیا تھا۔

"اب تو کچھ بھی نہیں، جب میں نے پہلی بار دیکھا تو نگاہیں چہرے سے ہٹتی ہی نہ تھیں لیکن نصیب کا تعلق حسن و خوب صورتی سے نہیں ہوتا انشی، اللہ تمہارا نصیب اچھا کرے۔" امینہ نے دعا دی۔

"بابا اور آپ کی شادی پہلے ہوئی تھی یا بعد میں؟" وہ متجسس ہو رہی تھی۔

"اس کی شادی پہلے ہو گئی تھی۔ میں نے اسے تب دیکھا پہلی بار جب وہ چند ماہ کے بچے کو لے کر واپس آئی تھی۔"

"مطلب، وہ بابا کی شادی پر نہیں آئی تھیں۔" اس نے سر ہلایا۔

"اتنا آسان کہاں ہوتا ہے دوسرے ملک سے آنا۔"

"امیر لوگوں کے لیے تو مشکل نہیں ہوتا۔ ان کے شوہر نے آنے ہی نہیں دیا ہو گا ورنہ پھپھو اکلوتے بھائی کی شادی پر نہ آتیں کیا؟" اس نے اندازہ لگایا۔

"اچھا اب چھوڑ اس ذکر کو، طیبہ نے سن لیا تو اسے دکھ ہو گا۔ کہتی تھی اس موضوع پر آئندہ کوئی بات نہ کرے، اسے اذیت ہوتی ہے۔ آگے اللہ اس کے لیے آسانیاں کرے۔"

امینہ کو اب الجھن ہونے لگی تھی۔ اس کی عادت تھی جب سوال کرنے لگتی تو کرتی ہی جاتی۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ وہ کوئی ایسی بات پوچھ بیٹھے جس کا جواب ان کے پاس نہ ہو۔

"ان شاء اللہ اب ان کے مشکل دن ختم ہو جائیں گے۔ میرو نے صاف کہہ دیا ہے ان سے کہ ہاسٹل کے مالک کو صاف، صاف کہہ دیں کہ دو ماہ کے اندر، اندر اپنا بندوبست کر لیں ورنہ وہ دو ماہ بعد جاب چھوڑ جائیں گی۔" وہ اٹھی، ان کا خالی کپ اٹھایا تاکہ دونوں کپ دھو کر رکھ دے۔

"ہاں یہ تو اچھا کیا اس نے لیکن شادی کے لیے دو تین سال انتظار کرنے کا کہہ کر اچھا نہیں کیا اس نے۔ میں تمہاری شادی جلد از جلد کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے آج پھر بات کی تھی طیبہ سے کہ از میرے بات کرے، میں اتنے سال اس کا انتظار نہیں کر سکتی۔ اللہ جانے مجھے کیا بیماری ہے، یہ درد تو مجھے تیرہ، چودہ سال کی عمر سے ہو رہا ہے۔ جانے میرے پاس کتنا وقت ہے، میں اپنے ہاتھوں سے تمہیں رخصت کرنا چاہتی ہوں، مر مرا تو ایک دن ہے ہی، تمہیں تمہارے گھر کا کر کے اطمینان سے مر سکوں گی۔" امینہ کی آواز بھرا گئی اور اس کا دل یک دم ڈوب سا گیا۔ وہ باہر جاتے، جاتے رک گئی۔

"پھر طیبہ پھپھو نے کیا کہا؟" اس نے دھڑ، دھڑ کرتے دل پر ہاتھ رکھا۔

"کہہ رہی تھی میرے ٹیسٹ ہو جائیں سب تو میرو سے بات کرے گی لیکن اگر وہ نہ مانا تو میں بھی پھر تین چار سال تک انتظار نہیں کروں گی، بھلے طیبہ اور تمہارے بابا ناراض ہی کیوں نہ ہو جائیں..... اچھا یہ تو بتاؤ یہ جو پریزے

Scanned with CamScanner

digest library.com

ہے، اس کے بھائی کے متعلق کیا بتایا تھا تم نے؟ ایک تو میری یادداشت بھی اس سر درد کی وجہ سے کچھ خراب ہوگئی ہے۔ شاید ابھی پڑھ رہا ہے یا پڑھائی ختم کر کے ہاؤس جاب کر رہا ہے۔ کچھ ایسا ہی بتایا تھا تم نے۔"

"جی۔" وہ اپنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"دراصل پہلے میں نے آپ کو اس کے سگے بھائی کے متعلق بتایا تھا جو اس سے چھوٹا ہے اور علامہ اقبال میڈیکل کالج میں پڑھ رہا ہے۔ تب مجھے خود بھی نہیں پتا تھا کہ اس کا ایک خالہ زاد بھائی بھی ہے جو ہاؤس جاب کر رہا ہے۔ اس کی خالہ کی وفات کے بعد پری کی ماما اسے اپنے گھر لے آئی تھیں تب وہ تین، چار سال کا تھا۔ پری کے لیے وہ سگے بھائی جیسا ہی ہے۔ یوں سمجھیں پری کا ایک نہیں، دو بھائی ہیں۔ میں بھی پہلے کنفیوز ہو جاتی تھی۔ کبھی کہتی علامہ اقبال میں پڑھ رہا ہے، کبھی کہتی ہاؤس جاب کر رہا ہے۔ تب میں نے پوچھا تھا۔"

"اچھا..... پھر تو پری کی ماما اس کی شادی اپنے بھانجے سے ہی کریں گی۔" انہوں نے جیسے خود سے کہا۔

"نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ پری اسے سگا بھائی ہی سمجھتی ہے اور یوں بھی اس کے بابا نے صاف کہہ دیا ہے کہ وہ اس کی شادی کسی آرمی مین سے ہی کریں گے۔ ان کی فیملی میں زیادہ تر لوگ آرمی میں ہی ہیں۔" اس نے بتایا۔

"اچھا..... تو کیا کبھی وہ بہن سے ملنے ہاسٹل آیا ہو تو تم نے دیکھا کیسا ہے وہ؟" وہ اپنے لہجے سے جھلکتے اشتیاق کو چھپا نہیں سکیں۔ انشال نے بمشکل اپنی مسکراہٹ کو چھپایا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ وہ پری کے بھائی میں اتنی دلچسپی کیوں لے رہی ہیں۔ وہ دل جو کچھ دیر پہلے ڈوبتا ہوا محسوس ہوا تھا، خود بخود ہی تیرنے لگا تھا۔

"نہیں..... میں نے نہیں دیکھا۔ دو، تین بار اس کے دونوں بھائی آئے تھے ہاسٹل ملنے البتہ اس نے اپنی فیملی کی تصویریں دکھائی تھیں۔ میں نے اتنے دھیان سے نہیں دیکھا تھا۔ ویسے یہ آپ کو پری کے بھائیوں میں اچانک اتنی دلچسپی کیوں پیدا ہوگئی؟"

"بس یوں ہی۔" انہوں نے نظریں چرائیں۔ "خیر اب تم اٹھو، ناشتا بنانا ہے تو بنالو۔ طیبہ بتا گئی تھی کہ فریج میں انڈے، ڈبل روٹی، مکھن سب کچھ رکھا ہوا ہے۔ میرا ابھی جی نہیں چاہ رہا، تمہارے بابا کا بھی فون آیا تھا کہ وہ ناشتا لے کر آجائیں گے لیکن میں نے منع کر دیا کہ مت لائیں کچھ۔ ہیوی ناشتا کرنے کا جی نہیں چاہ رہا۔"

"ٹھیک کیا آپ نے۔ مجھے بھی ہلکا پھلکا ناشتا کرنے کی عادت ہے۔ بس گھر آؤں تو آپ کے ہاتھ کے پراٹھے کھانے کو دل چاہتا ہے اور پھپھو آجائیں تو مل کر ہی ناشتا کریں گے۔" وہ کپ اٹھا کر دھونے چلی گئی۔ کپ دھو کر وہاں ہی کچن میں پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔ دھیان ریان کی طرف چلا گیا۔

"ابا کے اس طرح اچانک وہاں آجانے سے وہ بھی پریشان ہوگیا ہوگا۔ اس نے دیکھا تھا اس نے کوئی میسج بھی نہیں کیا تھا۔ سینہ نے یقیناً بتا دیا ہوگا اسی لیے اس نے کوئی میسج نہیں کیا تھا۔ اتنی عقل تو ہے ناں اس میں۔" لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ "میں بھی ناں بس یوں ہی فضول باتیں سوچنا شروع کر دیتی ہوں۔ عادت ہوگئی ہے اس کے اوٹ پٹانگ میسج پڑھنے کی۔ یہ محبت بھی ناں بس آدمی کو کیا سے کیا بنا دیتی ہے۔ میں اماں کے اصولوں پر آنکھیں بند کر کے چلنے والی لڑکی اس محبت کے سامنے بے بس ہی ہوگئی ہوں..... لیکن پھر بھی اتنی بے بس نہیں کہ اس محبت کی خاطر اپنے ماں، باپ کی عزت کا جنازہ نکال دوں۔" اس نے دل ہی دل میں اپنے عہد کو دہرایا اور اٹھی۔ "اگر ازمیر نے پھپھو کی بات مان لی تو میں خود ایک بار اس سے بات کروں گی۔ وہ میری بات کا لحاظ رکھے گا۔" نہیں جانتی تھی کہ اس کی ایک بار کی کہی ہوئی بات بھی ازمیر کے لیے حکم کا درجہ رکھتی تھی۔ وہ کمرے میں آئی تو امینہ لیٹی ہوئی تھیں۔

"اتنی دیر لگا دی دو کپ دھونے میں؟"

ابھی اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ طیبہ اندر داخل ہوئیں اور کرسی پر بیٹھ گئیں۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

"تھک گئی ہیں پھپھو؟" اس نے پوچھا۔
"ہاں، آج اکیلی تھی تو کچھ تھکن ہوگئی ہے۔ تم بتاؤ ناشتا کرلیا؟"
"نہیں، آپ کا انتظار کررہے تھے کہ آپ آجائیں تو مل کر ناشتا کریں گے۔ چائے پی لی تھی، سمجھیں بیڈ ٹی۔"
"مجھے پتا تھا اسی لیے میں نے اُدھر ناشتا نہیں کیا۔ میں بناتی ہوں ناشتا۔" وہ اٹھیں۔
"بیٹھ جائیں پھپھو آرام سے، میں بناتی ہوں ناشتا۔ آپ کیا لیں گی فرائی یا آملیٹ، اماں تو فرائی نہیں کھاتیں مجھے پتا ہے، ان کے لیے آملیٹ بنالیتی ہوں۔"
"تو بس آملیٹ ہی بنالو، سب وہی کھالیں گے۔" طیبہ نے کہا اور امینہ سے اس کی طبیعت کا پوچھنے لگیں۔ تب ہی باہر دروازے پر دستک ہوئی۔
"بابا اور میر ہوں گے۔"
امینہ نے گھور کر اسے دیکھا، وہ کتنی بار اسے سمجھا چکی تھیں کہ اب جب تمہارے رشتے کی بات اس سے ہوگئی ہے تو کم از کم تم طیبہ اور ماں جی کے سامنے اس طرح میر و کہہ کر نہ بلایا کرو۔ وہ امینہ کی گھوری کو نظر انداز کرکے باہر آئی تو بابا اور ازمیر کے بجائے سینہ اور پریزے تھیں۔ دونوں کے ہاتھوں میں شاپرز تھے۔
"یہ کیا ہے؟" پتا تو چل رہا تھا کہ ان شاپرز میں کیا ہے پھر بھی اس نے پوچھا۔
"ناشتا ہے بھئی۔" پری کو ایسی باتوں کا خیال رہتا تھا۔
"اس تکلف کی کیا ضرورت تھی؟"
"اسے تکلف نہیں اپنائیت کہتے ہیں اور تکلف یہ ہے جو تم نے کہا۔" پریزے نے اسے گھورا۔
"اور اب اس طرح آنکھیں پھاڑ، پھاڑ کر مجھے مت دیکھو، فٹافٹ کچن سے برتن لے کر آؤ اس سے پہلے کہ ناشتا ٹھنڈا ہوجائے۔" وہ باتیں کرتی، کرتی کمرے میں آگئی تھیں۔
"السلام علیکم! کیسی طبیعت ہے آپ کی آنٹی؟" پریزے نے شاپر ٹیبل پر رکھے۔
"اللہ کا شکر ہے، رات کو زیادہ درد نہیں ہوا۔" امینہ مسکرائی۔ طیبہ بھی انشال کی مدد کے لیے اٹھ کر کچن میں جانے لگیں تو سینہ نے ٹیبل پر رکھے شاپرز میں سے ایک شاپر کی طرف اشارہ کیا۔
"مجھے اندازہ تھا کہ طیبہ آنٹی کے پاس اتنی پلیٹیں نہیں ہوں گی اس لیے میں یہ کچھ ڈسپوزیبل پلیٹیں جو میرے پاس پڑی ہوئی تھی اٹھالائی کہ نہیں بھی ناشتا کرنا ہے۔"
"میں تمہیں اتنا عقلمند نہیں سمجھتی تھی۔" پریزے کی آنکھوں میں شرارت تھی۔
"تو بس آج سے تم میری بیٹی کے متعلق اپنی رائے بدل دو۔" امینہ کو دونوں ہی بے حد عزیز ہوگئی تھیں۔
"آنٹی کہہ رہی ہیں تو مجبوراً میں اپنی رائے بدل لیتی ہوں۔" پریزے ڈسپوزیبل ڈبے نکال کر ٹیبل پر رکھنے لگی۔
"کیا کچھ اٹھالائی ہو بیٹا؟" امینہ بھی بیڈ سے ٹانگیں لٹکا کر بیٹھ گئیں۔
"کچھ نہیں بس چنے، نان، پوریاں، آلو کی بھجیا اور یہ اوسٹل مٹن کا بُھنا ہوا قیمہ۔" اس نے قیمے والا ڈبا نکال کر ٹیبل پر رکھا اور خالی شاپر اٹھالیے۔ نان اور پوریاں شاپرز میں ہی رہنے دی تھیں۔
"یہ قیمہ ہمارے ہاسٹل کے نزدیک ہی ملتا ہے۔ یہ مخصوص صرف بُھنا ہوا قیمہ بناتا ہے، رش لگا ہوتا ہے۔ میں نے اسے رات ہی فون کرکے کہہ دیا تھا۔"
وہ شاپر باہر ڈسٹ بن میں پھینکنے کے لیے چلی گئی جو آتے ہوئے اس نے دروازے کے ساتھ پڑا دیکھا تھا۔ جب تک انشال نے ٹیبل پر برتن لگائے احمد شاہ اور ازمیر بھی آگئے تھے۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

"یہاں تو زبردست ناشتا ہو رہا ہے۔" احمد شاہ نے مسکرا کر سب کی طرف دیکھا۔
"انکل! آپ بھی آجائیں۔"
"لیکن ہم تو ناشتا کر کے آئے ہیں۔" وہ امینہ والے بیڈ پر ہی بیٹھ گئے۔
"تو وہ تو کچھ ہلکا پھلکا کیا ہوگا تو اسے برنچ سمجھ لیں۔ اسپتال میں جانے کتنی دیر ہو جائے۔" پریزے نے پلیٹ انہیں پکڑائی۔ انشال کچن میں موجود پلاسٹک کی کرسی اٹھا لائی۔ ازمیر بیٹھ گیا تو وہ اپنی پلیٹ میں چنے ڈال کر طیبہ کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔ بیڈ پر ٹرے رکھی تھی، طیبہ اور سینہ وہاں ہی بیٹھی تھیں۔
"سی ٹی اسکین کا پتا کیا تم نے، کہاں سے کروانا ہوگا؟" ناشتے کے بعد طیبہ نے ازمیر سے پوچھا تو اس نے تفصیل سے بتایا۔
"پہلے تو صرف ایک ہی مشین ہوتی تھی یہاں جنرل اسپتال میں، اب دو، تین اور جگہ پر بھی ہیں لیکن کہیں بھی جلدی ٹائم نہیں مل رہا۔ میرا دوست کہہ رہا تھا ڈاکٹر افتخار ہیں جنرل اسپتال میں، ان سے اگر واقفیت نکل آئے تو شاید ایک، دو دن بعد کا وقت مل جائے۔ آج پتا کرتا ہوں شاید کوئی ان کا جاننے والا مل جائے۔"
"انکل! میرا کزن ہے ماموں زاد بھائی، میڈیکل کالج میں پڑھتا ہے یہاں۔ ڈاکٹر افتخار کا بیٹا ابرار اس کے ساتھ پڑھتا ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں اس سے بات کروں؟" سینہ کو ایک دم یاد آیا تھا کہ ایک دفعہ ریان نے ابرار سے کہہ کر اپنے کسی دوست کے فادر کے لیے وقت لیا تھا۔
"تو اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے بیٹا، تم اپنے کزن سے بات کرو۔ ایک، دو روز بعد کی تاریخ اگر مل جائے تو۔" سینہ نے فوراً ہی اپنے بیگ سے فون نکالا اور ریان سے بات کر کے احمد شاہ سے کہا۔ "وہ کہہ رہا ہے ابرار سے بات کر کے بتاتا ہے، میں پھر انشی کو بتا دوں گی۔" وہ کھڑی ہو گئی۔
"اب چلتے ہیں، ہمیں یونی جانا ہے، شام کو چکر لگائیں گے۔" پریزے بھی کھڑی ہو گئی تھی۔
ان دونوں کے جانے کے بعد اس نے جلدی، جلدی برتن سمیٹے، بچا ہوا کھانا فریج میں رکھا اور پھر بابا اور ازمیر، امینہ کو لے کر دوسرے ٹیسٹ اور ایکسرے کروانے کے لیے جانے لگے تو وہ جلدی سے چادر اوڑھ کر ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئی۔
"تم کیا کرو گی جا کر، کچھ بلڈ ٹیسٹ اور ایکسرے ہی ہیں۔" احمد شاہ نے منع کیا تو طیبہ نے کہا۔
"نہیں، مت روکو اسے ساتھ لے کر جاؤ۔ عورت کے ساتھ کسی دوسری عورت کا ہونا ضروری ہے۔"
"ٹھیک ہے، آجاؤ۔" احمد شاہ نے سر ہلایا۔
ٹیسٹ کروا کر احمد شاہ اسے اور اماں کو چھوڑ کر خود ایکسرے اور خون کی رپورٹ لے کر ڈاکٹر کے پاس چلے گئے۔ جب تک وہ واپس نہیں آئے وہ تینوں بے چین ہی رہیں۔ اللہ کا شکر تھا کہ سب رپورٹس ٹھیک تھیں۔
"اللہ کرے اب سی ٹی اسکین کی رپورٹ بھی ٹھیک آئے۔" وہ دن بھر دعا کرتی رہی۔ سینہ کا میسج آیا تھا کہ "ریان نے کل گیارہ بجے کا وقت لے لیا ہے۔ میں ریان کے ساتھ وہاں اسپتال کے گیٹ کے باہر ہوں گی، تم لوگ ساڑھے دس بجے لازمی آجانا۔" اس نے احمد شاہ کو بتا دیا تھا۔
"یہ تو بہت اچھا ہو گیا ہے ورنہ نہ جانے کب تک خوار ہوتے ہم۔ تم سینہ کا شکریہ ادا کر دو اور اسے کہنا اپنے بھائی کا بھی شکریہ ادا کر دے۔" انہوں نے جاتے، جاتے تاکید کی۔
"میں اور ریز صبح نو بجے تک آجائیں گے ان شاء اللہ، تم لوگ تیار رہنا۔"
"جی بابا۔" ایک دم ہی بہت سارے واہموں نے اسے گھیر لیا اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

"اگر سی ٹی اسکین میں کچھ نکلا آ گیا تو؟" آنکھیں چھلک پڑیں۔

"کچھ نہیں ہوگا، تم پریشان مت ہو، اللہ سے دعا کرو۔" وہ کمرے سے نکل کر صحن میں آ چکے تھے۔

"لیکن بابا، ہم اماں کے بغیر کیسے جئیں گے، کیا کریں گے اگر خدانخواستہ انہیں کچھ ہو گیا تو؟" آنسوؤں کی روانی میں تیزی آ گئی تھی۔ احمد شاہ نے بازو بڑھا کر اسے ساتھ لگا لیا۔ کچھ دیر اسے یوں ہی رونے دیا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کہہ کر تسلی دیں۔ وہ خود بھی بہت پریشان تھے۔ کچھ دیر اسے یوں ہی رونے دیا پھر آہستہ سے الگ کر کے اپنے ہاتھوں سے اس کے آنسو پونچھے۔

"اللہ اپنے بندوں کی سنتا ہے، جب وہ اسے دل سے پکارتے ہیں۔ تم بھی بس اللہ سے دعا کرو، ان شاء اللہ تمہاری اماں کو کچھ نہیں ہوگا، اور سنو..... اپنی اماں کے سامنے مت رونا، وہ پریشان ہو جائے گی۔"

اس نے سر ہلایا اور بھیگی پلکیں اٹھائیں۔

"بابا! آپ کو ایک بات بتاؤں، اماں کبھی اظہار نہیں کر سکیں لیکن وہ آپ سے بہت محبت کرتی ہیں، اتنی کہ اگر آپ انہیں پہاڑ سے چھلانگ لگانے کے لیے کہیں تو وہ کوئی سوال کیے بغیر چھلانگ لگا دیں گی۔"

انہوں نے سر ہلایا لیکن اندر سارا من بھیگتا جا رہا تھا۔ وہ تیزی سے باہر نکل گئے۔ کچھ دیر وہ یونہی کھڑی رہی پھر چند قدم چل کر صحن کا دروازہ بند کیا۔ کچھ دیر وہاں رک کر اپنا چہرہ اچھی طرح سے صاف کیا اور کمرے میں آئی۔ امینہ اتنی ہی دیر میں سو چکی تھیں۔ شاید سرور کی گولیوں میں نیند کا اثر بھی تھا۔

طیبہ دوپہر کے کھانے کی تیاری کے لیے کچن جانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ دوپہر کے وقت لڑکیاں بہت کم ہوتی تھیں، زیادہ تر اپنے، اپنے آفسز اور یونیورسٹی یا کالج کینٹین سے کھا کر آتی تھیں۔

"میں جلدی آ جاؤں گی، تم پریشان مت ہونا۔" انہوں نے اس کا رخسار سہلایا اور چلی گئیں تو اس نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے تکیے کے پاس پڑا ہوا اپنا فون اٹھایا۔ ریان کے کئی میسج تھے۔ اس نے فون سائلنٹ پر کر دکھا تھا۔ وہ ایک، ایک کر کے پڑھنے لگی۔

"سنو میں بہت پریشان ہوں، اپنے لیے نہیں تمہارے لیے۔ تمہارے بابا نے مجھے دیکھ تو نہیں لیا تھا۔ سب کو بھی کچھ پتا نہیں تھا ٹھیک سے لیکن وہ کہہ رہی تھی کہ اگر ایسا ہوتا تو تم اسے ضرور بتاتیں....."

"میں نے ابرار سے بات کر لی ہے، ان شاء اللہ کل کا ہی ٹائم مل جائے گا۔ اللہ تمہاری اماں کو صحت و زندگی عطا فرمائے، آمین....."

"اگر ہو سکے تو چند لمحوں کے لیے ہی سہی فون تو کرنا، کاش میں تمہارے پاس ہوتا، تمہارے آنسو اپنے ہاتھوں سے پونچھ سکتا، تمہیں تسلی دے سکتا۔"

وہ ایک، ایک کر کے سب پڑھتی گئی اور ڈیلیٹ کرتی گئی پھر ایک لمبا میسج کر کے فون رکھ دیا اور امینہ کی طرف دیکھا، وہ سو رہی تھیں۔ اس نے سوچا وہ طیبہ کے آنے سے پہلے صفائی کر دے تب تک ظہر کی اذان بھی ہو جائے گی۔ نماز پڑھ کر وہ نمازِ حاجت کے نفل پڑھ کے اماں کے لیے دعا کرے گی۔ بابا کہہ رہے تھے کہ وہ سچے دل سے دعا کرے گی تو اللہ ضرور اس کی دعا سنے گا اور اللہ نے اس کی دعا سن لی تھی۔

ازمیر، بابا، اماں اور وہ وقت پر اسپتال پہنچ گئے تھے۔ سونیہ اور ریان پہلے سے ہی موجود تھے۔ سونیہ نے ریان کا تعارف کروایا۔ وہ نظریں جھکائے کھڑی رہی، اسے ڈر تھا کہ کہیں ذرا سی بے احتیاطی اسے اماں کی نظروں میں مشکوک نہ بنا دے لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ ریان، بابا، اماں اور ازمیر کے ساتھ ڈاکٹر اظہار کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ سونیہ کے پاس بیٹھ کر مسلسل دعا کرتی رہی تھی اور اللہ کا شکر تھا کہ سی ٹی اسکین میں بھی کچھ نہیں آیا تھا۔ ڈاکٹر اظہار نے

Scanned with CamScanner

کہا تھا۔ ''یہ مائیگرین ہی ہے۔ بس اس کی شدت میں اضافہ ہوگیا ہے تاہم آپ اپنے ڈاکٹر سے بھی مشورہ کرلیں۔'' بابا اور ازمیر اسے اور اماں کو طیبہ پھپھو کے گھر چھوڑ کر خود رپورٹس لے کر ڈاکٹر کے پاس چلے گئے تھے کہ کہیں وہ اٹھ ہی نہ جائیں۔

''شکر ہے اللہ کا۔'' اس نے چادر بیڈ پر پھینکی اور امینہ کے لیے پانی لینے چلی گئی جبکہ وہ طیبہ کو بتا رہی تھیں رپورٹ کے متعلق۔ وہ پانی لے کر آئی تو طیبہ جوائن کے انتظار میں ہی بیٹھی ہوئی تھیں۔ جلدی آنے کا کہہ کر ہاسٹل کے کچن میں چلی گئیں تو اس نے امینہ سے گلاس لے کر ٹیبل پر رکھا۔

''بس اب آپ کچھ دیر آرام کریں۔'' اور خود فون ہینڈ بیگ سے نکال کر دیکھا۔ ریان کے دو میسج تھے۔

''مت پوچھو اشی، کیسے اپنی آنکھوں پر ضبط کے پہرے لگائے تھے۔ عشق تو کسی ضابطے، کسی قانون کو نہیں مانتا لیکن محبوب کی عزت بھی تو اسی عشق کے قانون میں ہے۔ دل تو مچل رہا تھا تمہیں آنکھوں میں سمونے کے لیے، اس ضدی دل کو بمشکل سمجھایا۔''

''توبہ ہے، یہ ریان بھی ناں۔'' لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

''یہ کس کے میسج پر اتنی مسکراہٹ لبوں پر آئی ہے؟'' امینہ اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔

''وہ پری کا..... مبارک باد دے رہی تھی کہ آپ کی رپورٹس ٹھیک آئی ہیں، اسے سینہ نے بتایا ہے۔''

''پتا نہیں کیوں مجھے نیند آرہی ہے۔'' امینہ کی آنکھیں پھر بند ہو رہی تھیں۔

''ہاں تو کچھ دیر سو جائیں ناں۔ رات کو بھی ٹھیک سے نہیں سوئی تھیں۔ میں بھی بس کچھ دیر تک ظہر کی نماز پڑھ کر شکرانے کے نفل پڑھوں گی۔'' بات ختم کر کے اس نے امینہ کی طرف دیکھا، ان کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ ریان کو میسج کر کے نماز کے لیے اٹھ گئی۔ جب تک وہ نماز سے فارغ ہوئی بابا اور ازمیر آگئے تھے۔ ڈاکٹر نے بھی کہا تھا کہ مائیگرین ہی ہے، کچھ دوائیں لکھ کر دی تھیں۔ امینہ ابھی تک سو رہی تھیں، احمد شاہ بیٹھ گئے لیکن ازمیر کھڑا ہی رہا۔

''میں کھانا لینے جا رہا ہوں، آج کا کھانا میری طرف سے۔''

سب ہی خوش اور مطمئن تھے کہ سب کے دل میں ایک ہی وہم تھا کہ کہیں ٹیومر وغیرہ نہ ہو۔

''رات والا کھانا بھی اتنا زیادہ بچا ہوا ہے، کچھ بہت زیادہ نہ لے آنا۔'' وہ اس کے پیچھے ہی باہر آئی تھی۔ اسے ازمیر سے بات کرنا تھی، اسے ڈر تھا کہ کہیں پھپھو اسے جلدی شادی کرنے پر راضی نہ کرلیں۔ کیا خبر انہوں نے اماں کے ٹیسٹ سے پہلے ہی بات کرلی ہو۔

''ہاں بولو۔'' وہ صحن میں رک گیا تھا۔

''میرو! وہ پھپھو نے تم سے کوئی بات کی؟'' وہ پتا نہیں کیوں جھجک گئی تھی۔ ازمیر نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''ہاں..... اور میں نے انہیں کہہ دیا کہ اگر ماموں اور مامی ایسا چاہتے ہیں تو ٹھیک ہے۔''

''نہیں.....''

وہ کہنا چاہتی تھی لیکن آواز حلق میں ہی کہیں پھنس گئی اور چہرے کی رنگت یک دم پھیکی پڑ گئی۔

ازمیر نے اس کی پھیکی پڑتی رنگت اور آنکھوں میں یک دم امڈ آنے والی وحشت کو دیکھا تو اس کی آنکھوں میں دمکتی روشنیاں اور رنگ بھی یک دم ماند پڑ گئے اور وہ بھاری دل کے ساتھ اس کی یک دم بدل جانے والی کیفیت کو سمجھنے کی کوشش کرنے لگا۔

''کیا اشال مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی؟'' یہ ایک ایسا خیال تھا جس نے صرف اس کی آنکھوں کی چمک ہی ماند نہیں کی تھی بلکہ اس کے اردگرد بھی اندھیرے پھیلا دیے تھے۔

(جاری ہے)

Scanned with CamScanner

میں اور میرے پودے

ہما بیگ

اپنے اردگرد بسنے والے لوگوں کے رویوں کا اظہار کرتی ایک دلچسپ تحریر

فراغت بھی اک نعمت ہے، یقین کیجیے بڑی مشکل سے ملتی ہے۔ اس فراغت کا ایک توڑ میں نے یہ نکالا کہ پودے اور درخت لگا لیے جن کی تعداد اب دو ہزار تک پہنچ گئی ہے، ماشاء اللہ کروں تک بھی آچکے ہیں اور خود کو میں وزیر ماحولیات تصور کرنے لگی ہوں۔ (بہت خوب)

آمد رمضان کا سن کر سوچا بازار کا ایک چکر ہی لگالوں کچھ سودا لے لوں پھر کچھ اتنی جذباتی ہوئی کہ بغیر ڈرائیور کے نکل پڑی بہت مزہ آیا آٹے دال کا بھاؤ پتا

digest library.com

Scanned with CamScanner

چل گیا۔ اللہ کا شکر ادا کیا گھر بیٹھے سب کچھ مل جاتا ہے۔ اتنے میں نظر پڑی ایک سبزی والا اپنے خیالوں میں مگن بیٹھا تھا، میں نے پیچھے سے جا کر ائے بھاؤ کہا، وہ بیچارہ ڈر گیا۔

"اماں کیا ہو گیا ہے بلاوجہ میں پنگا لیتی ہو۔" میں شرمندہ ہو کر آگے بڑھ گئی۔

سامان زیادہ ہو گیا تھا سوچا ڈرائیور کو بلا کر سامان پکڑا دوں پرس کھولا تو موبائل غائب..... "اوہ یاد آیا گھر پر چارجنگ پر لگا چھوڑ آئی۔" یہ بھی شکر ہے یاد آ گیا ورنہ بازار میں تھیلی بچ جاتی۔ "چلو پیدل ہی چلتے ہیں۔ شاید کوئی گاڑی مل جائے۔" گاڑی تو نہیں ملی پولیس موبائل مل گئی پیچھے دو سپاہی بیٹھے تھے ان سے پوچھا۔ "بیٹا نیز 8 چلو گے۔"

"اماں یہ پولیس موبائل ہے یہاں صرف مجرم یا پولیس والے بیٹھتے ہیں۔ آپ رکشا لے لو یہ سامنے سے مل جائے گا۔"

رکشے والا مشکل سے تیار ہوا میرے بیٹھتے ہی اس کے برابر میں دو لڑکے بیٹھ گئے۔ کچھ دور گئے تو اس نے دو ماسیاں بھی بٹھا لیں۔ میں نے گھبرا کر پوچھا۔

"ارے بھیا اغوا تو نہیں کر لو گے؟"

اس نے مڑ کر ناراض نظروں سے مجھے دیکھا۔

"ارے اماں عقل کے ناخن لو..... پاگل لگتا ہوں کیا، کیا ملے گا تم کو اغوا کر کے؟ جتنا تم نے سامان لے لیا ہے تو پرس میں رکشے کے کرایے کے پیسے نکل آئیں تو بڑی بات ہے، حلیے سے اس قابل نہیں لگتیں کہ کوئی تمہارے دس ہزار بھی مجھے دے۔" شرمندہ ہو کر میں بیٹھ گئی۔

باجی کا بچی گھر پہنچی ابھی سانس بھی درست نہیں کر پائی تھی کہ گھر کی گھنٹی بجی۔ تھوڑی دیر میں کام والا گھبرایا ہوا آیا۔

"امی جی دو ہزار دیں وہ آپ نے.... انیس "تھکین" منگوائے تھے وہ آ گئے ہیں۔"

"ارے منحوس مارے میں کیوں منگوانے لگی "تھکین... مغلین" اور وہ بھی 19؟ اب کیا سو روپے میں انسان بکنے لگے ہیں۔"

"آپ مانیں میری بات وہ ہزار روپے میں گل بانو بھی دے رہا ہے۔"

بہتر تھا کہ میں خود باہر جاتی تو دیکھتی کہ کیا معاملہ ہے۔ وہ رائیڈر تھا میں نے اس سے succulent اور گل مہر کے بیج منگوائے تھے۔

اگلا دن پھر اپنی خوب صورتی کے ساتھ آیا۔ فون بجا نیا نمبر تھا دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ہم لٹری ہیڈ کوارٹر سے بات کر رہے ہیں۔" اور پھر انہوں نے سب کچھ اگلوا لیا۔ چالیس منٹ تک میں ان کے ساتھ فون پر معروف رہی شکر ہے کہ اکاؤنٹ نمبر اور بیلنس نہیں بتایا۔

"امی حد کرتی ہیں آپ بھی..... چالیس منٹ آپ نے scam call پر ضائع کر دیے۔"

"بیٹا بور ہو رہی تھی۔" میں نے شرمندگی مٹائی۔

جائیں تو جائیں کہاں.....

ایک اسکالرز کی میٹنگ تھی۔ نہایت سنجیدہ موضوع زیر بحث تھا۔ آخر میں ایک استاد بولے۔

"ابھی تک خاص لوگوں نے عالمانہ گفتگو کی میں ایک عام انسان ہوں اس لیے عامیانہ بات کروں گا۔" اور پھر چراغوں میں روشنی نہ رہی۔

دو دن پہلے مجھے نیولے نے کاٹ لیا اب اسپتال والوں سے، ملنے جلنے والوں تک اسی بات پر بحث کر رہے ہیں، میں نیولے کے پاس کیوں گئی تھی۔ اسپتال والے تو مجھے ایسی نظروں سے دیکھ رہے تھے کہیں میں ان کو نہ کاٹ لوں میں نے مشکل سے سمجھایا میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں۔ اب مشکل ترین سوالات کا سلسلہ شروع ہوا۔

"نیولے نے کیوں کاٹا؟"

"نیولے نے کیسے کاٹا؟"

"نیولے نے کہاں کاٹا؟"

"نیولا آپ کے پاس کیوں آیا؟"

Scanned with CamScanner

ماہنامہ جاسوسی ڈائجسٹ

فروری کی ٹھٹھرتی، بڑھتی سردیاں

جاسوسی کے شمارے کی تیکھی کہانیاں

سرکتے لمحے

جرم کے راستے کتنے ہی طویل ہوں، انتقام بہرحال ضرور ہوتا ہے۔ مجرم موت کے تعاقب میں تھا اور قانون مجرم کے..... سنگین لمحوں سے گزرتی داستان کے پُراسرار واقعات..... **امجد رئیس** کی کوشش و کاوش سے گندھی منفرد موضوعات

سربکف

ماضی کی دھندلی پرچھائیوں کے تعاقب میں دوڑتے بھاگتے کردار کی پُراسرار داستان..... **طاہر جاوید مغل** کے قلم سے

دبر

قدم قدم پر بڑھتی مصیبتوں کا مقابلہ کرنے والے ایک دلیر نوجوان کی کوچہ گردی **حسام بٹ** کے قلم سے سلسلے وار کہانی

سرورق کے رنگ

پہلا رنگ

پہاڑوں اور دریاؤں کے بیچ سفر کرتی ایک پُراسرار کہانی کے نشیب و فراز **عبدالرب بھٹی** کے قلم کے اسرار و رموز

دوسرا رنگ

پہاڑوں سے وابستہ ملکوتی حُسن کا دل فریب قصہ جو برسوں سے دیوانگی کی وجہ تھا **یعقوب بھٹی** کی دل نواز تحریر

"کیا آپ پالتی ہیں؟"

"کہاں رکھتی ہیں؟" وغیرہ، وغیرہ..... ایک دن پڑوسن خیریت پوچھنے آ گئی۔

"ارے آنٹی، سنا ہے کہ آپ کو نیولے نے کاٹ لیا۔ آپ اس کے پاس کیوں گئی تھیں؟"

"چھوڑو، یہ بتاؤ اتنے دن سے کہاں تھیں اب آئی ہو۔" میرا سوال سن کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"کیا بتاؤں، ایک بلی بڑے شوق سے پالی ہے وہ اکثر حملہ کرتی تھی ڈاکٹر کو دکھایا تو پتا چلا بیچاری epileptic ہے بس اسی کی خدمت میں ہم مصروف ہیں اسی لیے آپ کی بھی خیریت نہیں پوچھی۔"

"تمہاری بلی کو مرگی کے دورے پڑتے ہیں افسوس ہوا سن کر۔ مگر یہ بتاؤ تمہارا درزی کون ہے، ڈھنگ کے کپڑے نہیں سیتا یا تم کپڑا کم دیتی ہو؟"

"ارے آنٹی، آپ بھی کس دنیا میں رہتی ہیں۔ یہ تو آج کل کا فیشن ہے پھر ہم کو ملک کے لیے پیسے بھی تو بچانے ہیں۔" پڑوسن کے جواب نے مجھے پریشان کر دیا۔

"یعنی 30 ہزار کا گھر میں پہننے والا سوٹ، دو ہزار سلائی اور تین ہزار کی بیلیں..... بچت آدھا گز کپڑے سے ہو جائے گی، ٹھیک کہتی ہو بھئی۔"

"اچھا آنٹی، میں چلوں گی میری بلی کی دوا کا وقت ہو گیا ہے۔"

"شکر ہے پیاری بیٹی تم ملنے آئیں چلو میں تمہیں دروازے تک چھوڑ دوں۔" میں نے کہا۔

"نہیں، نہیں میں چلی جاؤں گی آپ زحمت نہ کریں۔" وہ اپنی اونچی ایڑی کی سینڈل میں کھڑی ہوئی۔ میں بھی اس کے ساتھ روانہ ہوئی تو میرے ہاتھ میں دوا کو دیکھ کر اس نے جلدی سے اسے مجھ سے لینے کی کوشش کی۔

"آنٹی، یہ میں پکڑ لیتی ہوں، آپ آرام سے چلیں۔"

اور میں حیرت سے سوچتی رہ گئی جانوروں سے محبت کرنے والے انسانوں کی ضروریات سے کتنی دور ہیں۔

❁❁❁

Scanned with CamScanner

digestlibrary.com

فیصلہ خدا کا

شمیم فضل خالق

ماہم ہر طرف سے تھک کر آج پھر سے فہد کے سامنے بیٹھی تھی۔ رو رو کر اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔ اب بھی وہ مسلسل رو رہی تھی۔ آنکھوں میں گویا سمندر کا پانی جمع ہو گیا تھا۔ فہد بے حد اداسی سے اسے دیکھ رہا تھا جب وہ برداشت نہ کر سکا تو غمزدہ آواز میں بولا۔

"ماہم پلیز..... یہ رونا بند کرو..... مجھ سے اب مزید برداشت نہیں ہو رہا۔"

"رونے کے سوا میرے پاس کوئی دوسرا راستہ

Scanned with CamScanner

digest library.com

بھی تو نہیں..... کم سے کم رونے سے دل کی بھڑاس تو نکل جاتی ہے۔ ورنہ تو میں پاگل ہو جاؤں گی۔" وہ آنسوؤں کے بیچ میں بولی۔

"ماہم..... تم اپنی مدر کو اپنا راز داں کیوں نہیں بناتی ہو۔" فہد نے اسے راستہ بتایا تو وہ بولی۔

"یہ بھی کر چکی ہوں فہد..... لیکن مما، پاپا کے سامنے کچھ بھی نہیں بول سکتیں اور نہ ہی وہ پاپا کے فیصلوں کے سامنے کھڑی ہو سکتی ہیں..... ہمارے گھر کے چھوٹے بڑے فیصلے ہمیشہ پاپا ہی کرتے آئے ہیں..... اور یہ فیصلہ..... یہ تو میری زندگی کا سب سے بڑا فیصلہ ہے ظاہر ہے یہ تو پاپا ہی نے کرنا ہے۔"

"لیکن تمہاری مرضی بھی تو اہمیت رکھتی ہے ماہم، شادی تو تمہاری ہونی ہے ناں....."

"ہاں فہد..... لیکن میں نے پہلے بھی تمہیں بتایا تھا کہ ہماری فیملی میں خاندان سے باہر شادیاں نہیں ہوتیں۔"

"لیکن تم نے یہ بھی کہا تھا کہ تمہارے خاندان میں کوئی تمہارا ہم پلہ نہیں ہے..... کوئی زیادہ بڑے ہیں تم سے اور کوئی بہت چھوٹے ہیں..... پھر یہ رشتہ کہاں سے آ گیا۔" فہد بولا۔

"یہ ہمارے دور کے رشتے دار ہیں۔" ماہم اپنے بہتے آنسوؤں کو ٹشو پیپر سے صاف کرتے ہوئے گمبھیر آواز میں بولی۔

"ہمارے ہاں ان کا کوئی آنا جانا نہیں تھا..... بس ایک بار پاپا سے ملنے آ گئے..... وہیں موصوف نے مجھے دیکھا اور پسند کر لیا میری بدقسمتی کہ لڑکا ڈاکٹر ہے، اکلوتا ہے اور خاصا دولت مند..... بس پاپا کو داماد کے لیے یہی خوبیاں تو چاہیے تھیں۔" کچھ دیر چپ رہنے کے بعد وہ بولی۔

"فہد..... اگر تم رشتہ بھیج دیتے تو میں کوئی اسٹینڈ لے بھی لیتی..... لیکن اب تو ہاں کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں....." وہ پھر سے رونے لگی۔

"تم کیا سمجھتی ہو ماہم..... میں نے کوشش نہیں کی ہوگی لیکن ہم مڈل کلاس لوگوں کے کچھ کم پرابلم تو نہیں ہوتے..... فی الحال جاب ہے، چھوٹا سا گھر ہے ماں کہنے لگی کہ شادی کرو گے تو دلہن کو کہاں رکھو گے کہ گھر میں کوئی اضافی کمرا نہیں..... پہلے پیسے کماؤ، اپنے لیے گھر میں کمرا بناؤ..... پھر شادی کی بات کرنا۔ اور پھر سب نے شادی کی بات پر میرے وہ لتے لیے کہ میں گھر سے بھاگ کر نکل آیا۔" فہد اداسی سے بولا۔

"میں سمجھتی ہوں فہد....." ماہم بولی۔ "ہم نے محبت کی ہے اور انسان محبت کرتے ہوئے کچھ نہیں سوچتا..... کاش کہ ہم شروع میں پیچھے ہٹ جاتے..... اب ایک دوسرے کو بھولنا آسان نہیں ہوگا۔"

"ماہم....." فہد التجائی لہجے میں بولا۔ "تم کم سے کم ایک سال تک یہ شادی نہ ہونے دو..... میں دو، دو جاب کروں گا..... گھر والوں کی خواہش کے مطابق اپنے گھر میں اپنے لیے کمرا بنا لوں گا..... اور....."

"میرے بس میں ہوتا تو میں دس سال تک تمہارا انتظار کر لیتی فہد..... لیکن میرے پاپا بہت سخت گیر انسان ہیں..... انہیں ان کے فیصلے سے کوئی نہیں ہٹا سکتا۔"

مزید باتوں کا وقت نہیں تھا ماہم کے فون پر اس کی ماں کی کئی کالیں آ چکی تھیں وہ فہد کو الوداعی نظروں سے دیکھتے ہوئے اس ریسٹورنٹ سے باہر آ گئی..... جبکہ فہد کتنی دیر وہیں بیٹھا ماہم کے متعلق ہی سوچتا رہا کوئی ایسی تدبیر جس پر عمل کر کے وہ ماہم کو اپنا سکے۔ لیکن لگتا تھا ایسا کوئی راستہ نہیں جو ماہم کی طرف جاتا ہو۔

ماہم نے بھی اپنی محبت پانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی، بھوک ہڑتال کی..... خودکشی کی دھمکی دی لیکن ہر حربہ ناکام ہو گیا اور ایک دن وہ ماہم سے مسز عثمان بن کر عثمان کی بڑی سی کوٹھی میں دلہن بن کر چلی گئی۔ اس نے فہد کا نمبر بلاک کر دیا اور خود سے عہد کر لیا کہ سب کچھ بھول کر ایک اچھی بیوی کا کردار نبھائے گی اور کسی کو شکایت کا موقع نہیں دے گی..... ویسے بھی عثمان کے گھر میں اس کی ایک ماں تھی، باپ کا انتقال ہو چکا تھا..... اور نوکروں کی فوج تھی۔ عثمان ایک سنجیدہ شخص تھا وہ بے حد مصروف رہتا تھا صبح اسپتال میں جاب

Scanned with CamScanner

digest library.com

کرتا تھا اور شام کو کلینک چلاتا تھا۔ گھر میں روپے پیسے کی ریل پیل تھی۔ ماہم پر کوئی پابندی نہیں تھی اس کی ساس بھی اس کے کسی کام میں دخل اندازی نہیں کرتی..... وہ سارا دن سوتی رہتی یا شاپنگ کے لیے نکل جاتی..... گھر میں اس کی کوئی ذمے داری نہیں تھی ہر کام کے لیے نوکر موجود تھے..... اتنی ساری سہولتوں کے باوجود وہ خوش نہیں تھی..... دل کسی طور پر بہلتا ہی نہیں تھا۔

شادی کے بعد اس نے فہد کا نمبر بلاک کر دیا تھا وہ بڑی ایمانداری سے اپنی شادی شدہ زندگی کا آغاز کرنا چاہتی تھی اور وہ کر بھی رہی تھی لیکن اس دل کا کیا کرتی جس میں فہد کی یادیں تھیں اس کے بچھڑنے کا دکھ تھا..... اسے ہر دم یہ خدشہ ستاتا رہتا کہ کہیں کسی دن فہد اور اس کا آمنا سامنا ہو گیا تو کیا وہ خود پر قابو پا سکے گی..... اس سوال کا جواب اسے کبھی خود سے نہیں ملتا..... وہ بڑے، بڑے فائیو اسٹار ہوٹلوں میں جاتی ایک سے ایک اعلیٰ قسم کے ریسٹورنٹ کا انتخاب کرتی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ فہد ان جگہوں پر آنا افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔

وقت کچھ اور آگے سرکا تو اس کی گود میں خدا نے آیان کی شکل میں ایک خوب صورت تحفہ ڈال دیا..... یہ دن اس کی خوشی کے دن تھے..... بچے کو سینے سے لپٹاتی تو ایسا لگتا تھا جیسے وہ مکمل ہو گئی ہو..... بچے کے لیے ایک آیا رکھ دی گئی..... آیا نہ ہوتی تو اس کی ساس بچے کو سنبھالتیں..... اس کی وہی پہلے والی روٹین شروع ہو گئی..... بڑے، بڑے شاپنگ مالز میں شاپنگ اور بڑے، بڑے ریسٹورنٹ میں کھانا پینا چلتا رہتا۔

ایسا ہی عام سا دن تھا..... وہ شاپنگ کر کے تھک گئی تو ایک چائنیز ریسٹورنٹ میں جا کر بیٹھ گئی اور پہلے سوپ آرڈر کیا..... ابھی وہ گھونٹ، گھونٹ سوپ لے رہی تھی اور ساتھ ہی آس پاس بیٹھے لوگوں کا جائزہ بھی لے رہی تھی کہ اچانک..... وہ جیسے پتھر کا بت بن گئی۔ قریب تھا کہ چمچ اس کے ہاتھ سے گر جاتا..... ہاں..... وہ فہد تھا..... دوستوں کے درمیان بیٹھا وہ کسی سنجیدہ گفتگو میں مصروف تھا۔ وہ لوگ غالباً کھانا کھا چکے تھے اور وہ باتوں کے ساتھ، ساتھ بل کی رقم بھی پے کر رہا تھا۔ ابھی اس نے ماہم کو دیکھا نہیں تھا لیکن جب وہ جانے کے لیے کھڑے ہوئے تو اس کی نظر بھی اچانک ماہم پر پڑ گئی..... اور وہ کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ اس کی حالت بھی ماہم سے مختلف نہ تھی..... اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ کچھ دیر تو اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا پھر اس نے اپنی حالت پر قابو پایا..... اپنے دوستوں کو غالباً جانے کے لیے کہا اور خود سیدھا اس کی طرف آ گیا..... ماہم کو خود کو سنبھالنے میں وقت پیش آ رہی تھی اس کا دل زور، زور سے دھڑک رہا تھا اور وہ چاہ رہی تھی کہ کاش وہ اس وقت یہاں سے غائب ہو جاتی..... فہد ویسے ہی اسمارٹ اور دلکش لگ رہا تھا۔ گزرے وقت نے اس پر کوئی اثر نہیں ڈالا تھا۔

"کیسی ہو ماہم!" اس کی آواز نے ماہم کو جیسے حال میں واپس پہنچا دیا۔

"ٹھیک ہوں....." وہ بمشکل کہہ سکی۔

"کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں.....؟" اس نے اجازت لی تو ماہم نے اثبات میں سر ہلا دیا..... سامنے کی چیئر پر بیٹھ کر وہ بولا۔

"ماہم..... تم اتنی اجنبیت سے کیوں بات کر رہی ہو..... جیسے ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوں....." وہ بے قراری سے بولا تو ماہم اسے خالی، خالی نظروں سے دیکھنے لگی..... تو وہ دوبارہ بولا۔

"جانتی ہو..... تمہاری شادی کے بعد مجھ پر کیا گزری..... میں تو جینا ہی بھول گیا تھا..... لیکن ہم مڈل کلاس لوگوں کی زندگیوں میں اتنے پرابلم ہوتے ہیں کہ ہمیں اپنے جذبات اور احساسات کہیں گروی رکھنے پڑتے ہیں..... میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا..... میں مشین بن گیا..... دو جابز کیں..... خود کو اتنا مصروف کر لیا کہ تمہاری یاد نہ آئے..... صبح منہ اندھیرے گھر سے نکلتا اور رات گئے گھر واپس آنا میرا معمول بن گیا۔" ماہم نے پہلی بار بات کرتے ہوئے کہا۔

"یہ بتاؤ، گھر میں کمرا بن گیا یا ابھی تک تینوں

Scanned with CamScanner

digest library.com

بھائی ایک کمرے میں سوتے ہوں۔"

فہد کے ہونٹوں پر پہلی بار پھیکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی ..... وہ اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا۔

"کبرا تو بن گیا..... شادی جو کرنی تھی..... ماں باپ شادی کے بغیر چھوڑ نہیں رہے تھے ورنہ یقین کرو ماہم تمہارے بعد دل ایسے بجھ گیا تھا کہ کسی بات کے لیے دل نہیں مانتا تھا۔"

"کس سے شادی ہوئی.....؟" ماہم کو یہ بات اچھی نہیں لگی تھی تبھی تو اس کے چہرے پر تاریک سایہ لہرا گیا تھا۔

"زرین..... اماں کی کزن کی بیٹی ہے....." اس نے ایک مجرم کی طرح سر جھکا کر کہا..... پھر وہ جلدی سے بات بدل، بدل کر بولا۔

"میں نے تو ماہم تمہیں سب بتا دیا ہے اپنے متعلق..... تم بھی تو بتاؤ..... ویسے تمہارے ٹھاٹ باٹ سے پتا چلتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب بہت پیسہ کمار ہے ہیں، یہ بتاؤ کیسے انسان ہیں..... یہ" ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پھنساتے ہوئے کہا۔

"خوشی کا تو پتا نہیں فہد..... لیکن عثمان بہت اچھے انسان ہیں، میرا بہت خیال رکھتے ہیں اور اب تو خدا نے آیان کی شکل میں ہمارے لیے ایک بیش قیمت تحفہ بھیجا ہے۔"

"یعنی تمہارا بیٹا ہے..... آیان۔" فہد حیرت سے پوچھنے لگا..... ماہم اثبات میں سر ہلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اوکے فہد میں چلتی ہوں، کافی دیر سے گھر سے نکلی ہوں..... شاپنگ کی ہے بچے کی۔"

"ماہم..... کیا ہم کبھی کبھار ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں؟" فہد اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور دھیمی آواز میں بولا۔

"لیکن، کیوں.....؟" وہ حیرت سے پوچھنے لگی۔

"بس..... کبھی کبھار....." وہ بجھی لہجے میں بولا۔ "پرانی یادوں کو کریدیں گے..... آخر اتنا وقت ہم نے ساتھ گزارا ہے، اب تم اپنا نمبر مجھے دے دو، اگر تمہارا وہی پرانا نمبر ہے تو اسے ان بلاک کر دو۔" ماہم نے کوئی جواب نہیں دیا..... ایک الوداعی نظر اس پر ڈال کر وہ اپنی کار کی طرف بڑھ گئی۔ جبکہ وہ کافی دیر کھڑا اس کے نقش پا دیکھتا رہا۔

اس رات ماہم کافی ڈسٹرب تھی اور اسے بالکل بھی نیند نہیں آ رہی تھی۔ فہد سے مل کر اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی بڑی بازی ہار چکی ہو..... چاہے بندے کو سب کچھ مل جائے لیکن اپنی مرضی کا بندہ نہ ملے تو زندگی کیسے بے رنگ اور پھیکی ہو جاتی ہے اسے خود پر رحم آ رہا تھا اور آنکھیں بار، بار بھیگ رہی تھیں۔ اسی کیفیت میں اس نے فہد کو ان بلاک کر دیا شاید اس طرح وہ خوشی کی کوئی کرن اپنی بے رنگ زندگی میں داخل کرنا چاہتی تھی۔ ابھی دو دن بھی نہیں ہوئے تھے کہ فہد کا میسج آیا وہ اس سے اسی ریسٹورنٹ میں ملنا چاہتا ہے اس نے وقت اور دن بھی بتا دیا تھا۔ ماہم نے اس میسج کا کوئی جواب تو نہیں دیا لیکن وہاں جانے سے خود کو روک نہیں سکی وہ جیسے ہی ریسٹورنٹ میں داخل ہوئی۔ کونے والی ٹیبل پر اس نے فہد کو بیٹھے دیکھا..... فہد نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ وہ پُرجوش انداز میں اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولا۔

"مجھے یقین تھا ماہم کہ تم ضرور آؤ گی....." ماہم نے کوئی جواب نہیں دیا بس اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کیسی ہو؟" وہ میٹھے، میٹھے انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہوں....." اس نے نظریں بچاتے ہوئے جواب دیا۔

"ماہم، اگر ہم کبھی کبھار مل کر پرانی باتیں دہراتے ہیں یا یونیورسٹی کے دنوں کی باتیں یاد کر لیں گے تو اس میں کوئی برائی نہیں ہے..... آخر ہم دونوں دوست رہ چکے ہیں..... پھر تم اتنی الجھی، الجھی کیوں لگ رہی ہو.....؟"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں....." وہ بولی..... پھر

Scanned with CamScanner

digest library.com

قدرے رکنے کے بعد بولی۔ "نصیر اور شاہد سے ملاقات ہوتی ہے تمہاری اور روحینہ سے؟" ماہم نے یونیورسٹی کے دوستوں کے بارے میں پوچھا تو وہ بولا۔

"کہاں یار..... سب دنیا کے بکھیڑوں میں الجھ گئے ہیں۔ نصیر کی شادی میں سب سے ملاقات ہوئی تھی..... اس کو بھی سال سے زیادہ ہونے کو آرہا ہے..... ہاں روحینہ کی شادی بھی اس کے کزن سے ہوگئی ہے..... نصیر نے بتایا تھا۔" وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"یہ بتاؤ..... آیان کیسا ہے؟ تمہارا بیٹا....."

"ٹھیک ہے....." وہ پہلی بار مسکرا کر بولی۔ "بہت شرارتی ہوگیا ہے۔"

"کس پر گیا ہے..... تم پر کہ ڈاکٹر صاحب پر....؟"

"میرا بیٹا ہے تو مجھ پر ہی گیا ہوگا....." وہ بولی تو فہد ہنس پڑا۔

"مجھے شوق ہے اس سے ملنے کا..... کیا ملواؤ گی کبھی اس سے۔"

"ہاں کیوں نہیں۔" وہ بولی پھر بات بدلتے ہوئے کہا۔

"اپنے بارے میں بھی بتاؤ..... بیوی کیسی ہے تمہاری؟"

"ٹھیک ہے، اماں کی بہو ہے..... سارا دن ان کے ساتھ گھر کے کاموں میں لگی رہتی ہے، ان کی خدمت کرتی رہتی ہے۔" اس دوران بیرا کافی میز پر رکھ چکا تھا۔ کافی کا کپ تھام کر وہ بولی۔

"اور تمہاری..... کیا تمہاری خدمت نہیں کرتی؟"

"کرتی ہے..... ہم لمل کلاس گھروں میں عورتیں..... بلکہ بیویاں گھر کے کاموں کے لیے ہی لائی جاتی ہیں..... یا اپنے شوہروں کی اور گھر کے بزرگوں کی خدمت کے لیے..... لیکن آج کل وہ بیمار ہے..... تو آرام کرنے کا ٹائم ملا ہے اسے۔"

"اچھا..... کیا ہوا ہے اسے..... کیا کوئی موسمی بخار وغیرہ ہے۔" وہ کافی کا گھونٹ لے کر بولی۔

"نہیں۔" وہ نظریں بچاتے ہوئے بولا۔ "وہ دراصل پریگننٹ ہے۔"

"اوہ....." ماہم کے اندر کچھ ٹوٹ سا گیا..... لیکن اس نے ظاہر نہیں کیا..... بس بات بدل کر یونیورسٹی کی باتیں کرنے لگی..... کافی ختم ہوچکی تھی۔ وقت بھی کافی بیت گیا تھا۔ دونوں ایک ساتھ ریسٹورنٹ سے باہر نکلے..... ماہم اپنی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔

"فہد..... تم کیسے جاؤ گے؟"

"ایک چھوٹی سی گاڑی پچھلے سال خرید لی ہے..... اسی میں آیا ہوں۔" اس نے دور کھڑی ایک نیلی سی گاڑی کی طرف اشارہ کیا..... دونوں ایک دوسرے کو خدا حافظ کہہ کر ایک دوسرے سے جدا ہوگئے۔

لیکن اس ملاقات نے جیسے کئی اور ملاقاتوں کے لیے راہ ہموار کردی..... ماہم پہلی بار جب فہد سے ملنے آرہی تھی تو دل میں دھڑکا سا تھا..... لیکن اب ایسا کچھ نہیں تھا۔ فہد کا جب بھی میسج آتا وہ اس سے ملنے پہنچ جاتی۔ کبھی کافی، کبھی ڈنر اور کبھی لنچ مل کر کھائے جاتے اور ساتھ گپ شپ..... پرانی باتیں دہرائی جاتیں..... وہ اپنے گھر کی باتیں کرتا، ماہم اپنے گھر کی باتیں کرتی..... دونوں کو ایک ساتھ بیٹھنے اور باتیں کرنے میں ایک عجیب سا سکون ملتا..... اسی طرح ایک دن جب وہ اسی ریسٹورنٹ میں کافی پی رہے تھے تو بات کرتے کرتے اچانک وہ جیسے پتھر کی بن گئی کیونکہ کونے والی میز پر عثمان چند ڈاکٹروں کے ساتھ بیٹھا تھا۔

"کیا ہوا؟" فہد اس کی بدلتی حالت پر چونک کر بولا۔

"عثمان..... وہ عثمان ہے.....؟" وہ بمشکل بول پائی۔ اس سے بات کرنی مشکل ہو رہی تھی..... اس کی رنگت پھیکی پڑ گئی تھی۔ اس دوران عثمان نے بھی اسے دیکھ لیا تھا۔ سو وہ دوستوں سے معذرت کرکے اٹھ کر ان کی ٹیبل پر آگیا۔

"ماہم..... تم.....؟" اس کی آنکھوں میں حیرانی تھی۔

"ہاں..... وہ آج اچانک فہد مل گیا..... میرے یونیورسٹی کا دوست ہے..... تو میں اسے کافی پلانے

Scanned with CamScanner

digest library.com

یہاں لے آئی۔" وہ فہد سے گرمجوشی سے ملا..... فہد نے بھی اٹھ کر اس سے ہاتھ ملایا۔

"ماہم..... اپنے دوست کو گھر لانا تھا ناں..... ڈنر یا لنچ کے لیے..... خالی کافی پر ٹرخا رہی ہو ان کو۔" عثمان بولا۔

"ضرور آؤں گا سر..... کسی دن۔" فہد جلدی سے بولا تو عثمان معذرت کرتے ہوئے بولا۔

"دراصل آج میں چند ڈاکٹروں کے ساتھ آیا ہوں کچھ ضروری ڈسکشن کرنی تھی..... اس لیے آپ لوگوں کو جوائن نہیں کرسکوں گا..... لیکن تم لوگ انجوائے کرو..... اور فہد صاحب..... آپ کو گھر ضرور آنا ہے جب ہم مل کر گپ شپ لگائیں گے۔"

وہ اپنی ٹیبل کی طرف چلا گیا اور جہاں ماہم نے اپنی سانسیں بحال کیں وہاں فہد نے بھی جیسے سکون کی سانس لی۔ اس کے بعد وہ زیادہ دیر وہاں ٹھہر... نہ سکے۔ لیکن اس بار گھر آکر بھی ماہم بے سکون رہی..... اسے کسی طور قرار نہیں تھا..... بے چین روح کی طرح سارے گھر میں گھومتی رہی لیکن... بے چین ہی رہی..... یہ سچ ہے کہ وہ اور فہد دونوں دوست کی حیثیت سے ملتے..... عام موضوعات پر بات چیت کرتے فہد تو پھر بھی اپنے دل کی بے چینی کی اپنے دکھ کی باتیں کرلیتا جو اس نے ماہم کی جدائی میں جھیلی تھیں لیکن ماہم ایسا کچھ نہ کہتی..... پھر بھی ماہم کو لگ رہا تھا کہ اس... کی یہ پشیمانی بلاسبب نہیں ہے آخر ان کا ریلیشن شپ رہ چکا تھا۔ عشق، محبت کی باتیں ہوئی تھیں۔ ایک ہونے کے عہد و پیمان ہوئے تھے۔ ہزار ملاقاتیں ہوئی تھیں..... اور اب بھی جب ان دونوں کی ملاقات ہوجاتی تو ماہم کئی، کئی دن تک اس ملاقات کے سرور میں گم رہتی۔ یہ تو اچھا تھا کہ اس کا شوہر ایک نیک بندہ تھا شک اسے چھو کر بھی نہیں گزرا تھا ورنہ اپنی بیوی کو اس طرح ایک غیر مرد کے ساتھ دیکھنا شاید اس سے برداشت نہ ہوتا لیکن اس بیچارے نے تو اس دن کے بعد کوئی بات ہی نہیں کی اور نہ ہی ماہم نے اس کے رویے سے کچھ محسوس کیا۔

ماہم الجھنوں میں گھری تھی..... بار، بار فہد کے میسجز آرہے تھے کہ فلاں دن ملو وہ اگنور کررہی تھی..... جب تیسری بار میسج آیا تو ماہم نے ایک فیصلہ کرلیا اور اس پر عمل درآمد بھی کرلیا..... اس نے فہد کو واٹس میسج کیا۔

"فہد..... میں نے اپنے آپ سے عہد کیا ہے کہ میں تم سے دوبارہ کبھی نہیں ملوں گی۔ تم بھی خود سے عہد کرلو..... ہماری شادی نہیں ہوسکی اس لیے کہ خدا کو ایسا منظور نہیں تھا..... خدا کا فیصلہ یہ تھا کہ میری شادی عثمان سے ہو اور تمہاری شادی زرین سے ہو..... اور ایسا ہی ہوا..... اب میں ایک بچے کی ماں ہوں اور تم بھی باپ بننے والے ہو..... فہد ہم دونوں اس طرح ملاقاتیں کرکے اپنی ہی نظروں میں گر رہے ہیں اور خدا کے اس فیصلے کی نفی کررہے ہیں جو خدا نے ہم دونوں کے لیے کیا ہے۔ بس خدا ہمیں معاف کردے۔ آئندہ ہم کبھی نہیں ملیں گے۔ کبھی اچانک سے ملاقات ہو بھی گئی تو ایک دوسرے کے لیے اجنبی بن جائیں گے..... سلام دعا تک نہیں کریں گے..... میں تمہارا نمبر ہمیشہ کے لیے بلاک کررہی ہوں..... پلیز تم مجھے کوئی میسج نہ کرنا....." اس میسج کے بعد ماہم کو جیسے قرار آگیا..... جیسے سکون آگیا اس نے خود سے عہد کیا کہ وہ کل ہی آیان کی آیا کو رخصت کردے گی اور آیان کا سارا کام خود کرے گی..... گھر کو بھی خصوصی توجہ دے گی اور باہر کا آنا جانا بہت کم کردے گی۔ اپنی ساس کی بھی خدمت کرے گی۔ ان تمام فیصلوں سے اس کے اندر جیسے سکون سا پھیل گیا..... اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کی زندگی میں اچانک روشنی بھر گئی ہو اندھیرے چھٹ گئے ہوں..... ایک نئی امید اور نئے عزم سے وہ آیان کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

❁❁❁

Scanned with CamScanner

ایک سوال ہزار امکان

آج کے والدین کی تربیت و نگہداشت کو للکارتی صبیحہ سید شاہ کی ایک چشم کشا تحریر

شاید کہیں پڑھا تھا..... یا شاید یہ میرے دل کی گواہی اور زندگی کا تجربہ ہے کہ کچھ حادثے یک دم نہیں ہو جاتے۔۔۔ ان کو پل، پل اپنے رویوں و عادتوں سے ہم خود جوان کرتے ہیں، خود ہی پالتے پوستے ہیں۔

میرا ذہن ایک کہانی کار کا ذہن ہے جس نے آج پھر ایک کہانی بُن لی ہے اور اب میں ہر روز دھڑکتے دل کے ساتھ اس کے کرداروں کی منتظر رہوں گی ہر چند کہ سب کچھ چند دن پہلے میں "بھاڑ" میں جھونک کر اپنے تئیں مطمئن و فارغ الذمہ ہو چکی ہوں۔

مسٹر و مسز خان نے آفس سے باہر قدم رکھا تھا اور میں نے سامنے رکھا رجسٹر بلاوجہ ہی اٹھا کر پٹخا تھا۔ دراز خواہ مخواہ ہی کھولی اور پھر دھاڑ سے بند کی تھی۔ مس ناہید نے خاموشی سے ٹھنڈے پانی کا گلاس میرے

digest library.com

Scanned with CamScanner

سامنے لا رکھا تھا۔

"میری آگ یہ پانی پی کر نہیں بجھے گی۔" دو گھونٹ پانی میں نے بے ارادہ ہی حلق میں انڈیلا۔

میری مزاج شناس ناہید کے چہرے پر ایک پھیکی سی مسکراہٹ میکانکی انداز میں چمکی اور معدوم ہوئی۔

"ہمارا اس آگ سے کیا تعلق میڈم! جن کو انگارے اور شعلے پسند ہوں ہم ان کو نہیں بجھا سکتے۔ کھیلیں وہ ان سے۔"

"ہاں کھیلیں..... وہ ضرور کھیلیں..... لیکن ہمارے آس پاس نہیں..... اور جب سب بھسم ہو جائے تو راکھ اڑا، اڑا کر واویلا بھی نہ کیا کریں جن سے ہم جیسوں کی نیندیں حرام ہو جاتی ہیں۔"

"واویلے یہ لوگ خود نہیں کرتے میڈم....." ناہید نے کہا۔

"پھونکیں مار، مار کر انگارے دہکانے والے تو کب، کب اور کیسے، کیسے شعلوں کو ہوا دیتے ہیں آپ کو پتا ہی ہے..... جو کچھ ہمیں غیر معمولی لگ رہا ہے اور لگتا ہے، ہو سکتا ان کے لیے بہت غیر اہم اور معمولی سی بات ہو، انوکھی بات تو تب ہی بنتی ہے جب خبروں کی دکان لگانے والے آوازیں لگا، لگا کر ہجوم کو متوجہ کر لیتے ہیں۔ اور..... ہم تو ہیں ہی من حیث القوم ایک فارغ ہجوم..... جو ہر آواز لگانے والے کے گرد خواہ مخواہ ہی اکٹھا ہو جاتا ہے۔"

"ہاں....." میں نے گہری سانس لے کر اپنے آپ کو کمپوز کرنے کی کوشش کی۔

وہ پیاری سی لڑکی پندرہ برس تین ماہ کی تھی جب ہمارے پاس ایک مشترکہ شناسا شخصیت کے توسط و حوالے سے آئی..... دیبا میری دوست اور ڈیزی کی ماں مسز للی روحان کی رشتے کی خالہ ہیں۔ انہوں نے ہی مسز للی روحان کو ہمارے پاس بھیجا تھا۔ معمول کے انٹرویو..... اسسمنٹ اور ٹیسٹس کے بعد اور اس کی گزشتہ رپورٹس دیکھ کر پتا چلا کہ ڈیزی کو گہری نیند میں مرگی کے دورے پڑتے ہیں۔ ہر دو چار ماہ بعد ایسا ہوتا ہے جس کا کبھی تو پتا بھی نہیں چلتا۔ بس بچی ویک ہو جاتی ہے، سلو ہو جاتی ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ بچی پر کیا گزر چکا ہے۔ ان دوروں سے مربوط جو مسائل تھے وہ تو تھے ہی لیکن ڈیزی اپنے نام کی طرح پیاری سی، صورتا نہیں عادتاً بھی ایک پیاری بچی تھی۔ معصوم سی، سادہ سی، چھوٹی، چھوٹی باتوں اور چیزوں سے خوش ہو جانے والی معصوم بچی..... دیکھنے میں وہ ماں کے قد کے برابر ایک جوانی کی سیڑھیاں چڑھتی لڑکی اندر سے معصوم سی بچی تھی اور اس کی ماں پہلی نگاہ میں طرح دار، خوب صورت مگر زمانے سے ناراض و بیزار عورت لگی..... ایسے بچوں کی بیچاری مائیں... میرا دل دکھا تھا..... رپورٹس اور پھر انٹرویو سے پتا چلا کہ ڈیزی ابتدائی کلاسوں میں اسکول گئی تھی مگر پھر بوجوہ سلسلہ جاری نہیں رہ سکا۔

"دیبا خالہ نے بہت اصرار و ہدایت کی ہے تب ہی میں یہاں آ گئی ہوں..... ورنہ میں جانتی ہوں ڈیزی..... (ماں نے بیٹی کو ایسی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا کہ میرے ذہن میں صرف ایک لفظ ہی آیا کرچی، کرچی.....) یہ کچھ نہیں کر سکتی۔"

"آپ نے یہ سوچ بھی کیسے لیا کہ یہ کچھ نہیں کر سکتی؟" میری کھسن ملائی سی گفتگو کرنے والی تھراپسٹ نے کاغذات فائل میں ترتیب سے لگاتے ہوئے یک دم سر اٹھایا۔

"یہ ڈاکٹر، انجینئر نہیں بن سکتی مگر معاشرے کا ایک مثبت و فعال فرد تو بن سکتی ہے ناں.....؟ یہ ایک خود انحصار اور ایسی لڑکی تو بن سکتی ہے ناں جو اتنا حساب کتاب اور لکھنا پڑھنا تو سیکھ جائے کہ اپنا گھر اچھے سے مینج کر سکے۔ اکیڈمک میں اگر کچھ قابلِ ذکر نہ کر سکے تو ووکیشنل میں تو کچھ نہ کچھ کر ہی سکتی ہے۔" تھراپسٹ نے نرمی سے کہا۔

"ووکیشنل.....؟" مسز روحان نے اچنبھے سے پوچھا۔

"جی میم..... پہلے پورے مہینے ہم کچھ پڑھائیں گے نہیں۔ ہم بچی کے رویے اور رجحان کا مشاہدہ کریں گے اسی کی روشنی میں اس کا (Individual Educational Plan) IEP بنے گا۔"

Scanned with CamScanner

digest library.com

"اچھا..... دیکھ لیں....." مسز لغاری روحان نے بے یقینی و بے دلی سے کہا۔ میری نگاہیں تھرا پسٹ نادیہ سے چار ہوئیں اور ہم دونوں نے اسی وقت سمجھ لیا کہ ایک ٹیڑھی کھیر ہمارے سامنے ہے اور پھر بہت سی روٹین کی کارروائی، باتیں، معاملات نمٹاتے، طے کرتے وہ خاتون بالآخر بیٹی کا داخلہ کروا کے اٹھیں تو میں نے اُن سے بھی وہی رٹے رٹائے الفاظ کہے جو ہر بچے کے والدین کے سامنے دُہرائے جاتے ہیں کہ "دیکھیں..... صرف "ہم" کچھ نہیں ہماری کاوشیں، ذمے داریاں اپنی جگہ..... لیکن یہ بار آور تب ہی ہوں گی جب والدین اور گھر والوں کا تعاون ہمارے ساتھ ہوگا..... ورنہ..... ہماری محنت بے سود ہوگی پھر بھی۔"

"I'll try my best." وہ گہرا براؤن چشم سر ہلاتے اِک ادا سے بولیں۔

اگلے دن وہ بچی اسکول آئی تو ڈھیلی سی فان کلر کی کاٹن پینٹ پر سیاہ ٹی شرٹ پہنے بڑا سا بیگ، ننھے بچوں کی طرح پانی کی بوتل گلے میں لٹکائے، لنچ باکس ہاتھ میں تھامے اور بغل میں قلمدان دبائے ہوئے تھی۔ ٹیچر نے بیگ چیک کیا تو دو کاپیوں، پینسل باکس کے ساتھ تین چار اسٹفڈ ٹوائے، ایک گڑیا سے بھرا ہوا تھا۔ (بچے عموماً ایسے ہی آتے ہیں اسکول..... خاص کر وہ بچے جو اپنے دیگر بہن، بھائیوں کی طرح اسکول نہیں جاتے پھر جب ان کا داخلہ ہو جاتا ہے تو اسکول میں تو اپنے بہن، بھائیوں کی طرح لنچ باکس اور پانی کی بوتل کے مالک بن کر ہی بے تحاشا خوش ہوتے ہیں) ڈیزی کی ٹیچر نے اس کے شانوں سے نیچے تک بکھرے بال سمیٹ کر دو پونیاں بنائیں تو اس کی آنکھیں خوشی اور تفکر سے چمک اٹھیں۔ وہ بار، بار اپنی پونیاں چھوتی، سہلاتی، جھلاتی اور ہنس دیتی۔

ہفتہ بھر میں ہی ڈیزی اسکول کے مقررہ و متعین رنگوں میں ڈھلتی نظر آئی۔ یہ ضرور تھا کہ ہفتے میں کم از کم دو اور تین دن ایسے ضرور ہوتے کہ ڈیزی لیٹ آتی..... ایسے بچوں پر عام بچوں کی طرح اصول و ضوابط نافذ نہیں کیے جا سکتے نہ ہی کرتے ہیں..... بچے لیٹ ہو جاتے ہیں، اکثر یونی فارم کی پابندی نہیں کرتے۔ ان کے ساتھ نرم رویہ رکھنا پڑتا ہے۔ ڈیزی بھی اکثر یونی فارم کے بجائے ٹراؤزر اور ٹی شرٹ میں آتی۔ پوچھنے پر بتاتی باجی میداں (ملازمہ) نے دھویا نہیں، یا استری نہیں کیا..... میں جو صبح بچوں کو ویلکم کرنے اسکول گیٹ پر کھڑی ہوتی تھی جس کا مقصد اور بھی بہت کچھ مشاہدہ کرنا ہوتا تھا۔ بچوں کا رویہ اپنے ڈرائیوروں سے، ماں، باپ یا جو بھی چھوڑنے آرہا ہے اس کا رویہ بچوں سے، وین سے اترتے بچوں کی تنظیم و ترتیب و سلیقہ بہت سی چیزیں ہوتی ہیں جن پر نظر رکھنی ہوتی ہے..... میں نے دیکھا ڈیزی کو چھوڑنے ماں آتی تھی۔ پھر وقفے، وقفے سے ماں کی جگہ بڑا بھائی آنے لگا۔ ماں آتی تو بچی سنجیدہ سی، کبھی ناراض سی اور کبھی نیم غنودہ سی ہوتی اور پچھلی نشست پر بیٹھی ہوتی۔ بڑا بھائی ساتھ ہوتا تو وہ اگلی سیٹ پر ہنستی مسکراتی بیٹھی ہوتی..... بھائی اتر کر اس کا بیگ پچھلی نشست سے اٹھا کر اس کے کاندھے پر لٹکاتا، بوتل تھماتا، اس کی وی اور بال سنوارتا اور پھر اس کی پسندیدہ قلمدان اٹھا کر اس کو تھماتا اور بائے، بائے کرتا کبھی اس کا سر سہلاتا کبھی سر پر پیار کرتا گاڑی میں بیٹھتا..... اور سارے دن میں یہ ایک منظر مجھے سب سے پیارا لگتا..... اور میں اکثر یہ سوچنے پر مجبور ہوتی کہ ایسی بیزار، مطروری سی بے نیاز سی ماں کا اتنا ذمے دار اور کیئرنگ بیٹا؟

اس روز ایک تقریب میں ڈیزی سے ملاقات ہوئی تو اس کے "ستائشی جملے" سن کر فطری طور پر میں بہت شاد ہوئی۔ اس نے بتایا کہ "ڈیزی میں بہت مثبت اور خوشگوار تبدیلیاں آرہی ہیں، وہ اپنی پھوپی کی بہت لاڈلی ہے اور پھوپی تم لوگوں سے ملنے کی بہت خواہاں ہے۔ وہ تم لوگوں کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہے۔"

"اچھا..... مثلاً کیا؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ڈونیشن کے حوالے سے کچھ بات کر رہی تھی وہ۔" دیبا نے بتایا۔

"ارے نہیں..... ہم ڈونیشن نہیں لیتے..... ہاں

Scanned with CamScanner

تم ماں، باپ کے ڈیوز بتاؤ۔'' میں نے پوچھا۔
''باپ ٹھہرا بزنس مین..... کمانے کی مشین۔'' دیبا نے کڑوا سا منہ بنایا۔ اس کے پاس گھر کے معاملات کے لیے وقت ہی کہاں اور رہ گئی ماں..... وہ ہے تو میری بھابی..... مگر اس کی اپنی بہتری مصروفیات ہیں۔''
''مثلاً.....؟'' میں نے یونہی کہا۔
''سب سے بڑی مصروفیت تو ''ڈپریشن'' ہے۔''
''ہائیں.....؟'' میں چونکی۔
''ہاں..... جب کوئی مثبت مصروفیت نہیں ہو گی..... حرانی میں قناعت و شکر گزاری نہیں ہوگی تو پھر ڈپریشن ہی رہ جاتا ہے۔ فیشن زدہ بھی ہے۔'' دیبا بہت ہی جلی ہوئی لگ رہی تھی۔
پہلا سمسٹر بہت اچھا گزرا..... ڈیزی نے ووکیشنل میں جیولری میکنگ میں اچھی کارکردگی دکھائی تھی، وہیں اس کا اکیڈمک کا رزلٹ برا نہیں تھا وہ چند ماہ ہی میں کلاس تھری کا کورس پڑھنے کے لائق بن رہی تھی۔ انگریزی اور اردو میں چھوٹے، چھوٹے جملے اچھے بنا رہی تھی پلس اور مائنس کر رہی تھی۔ فورتھ ٹیبل یاد کر لیا تھا۔ اس سب سے ہٹ کر اس کی پرسنل ہائی جین و گرومنگ کی صورت حال تسلی بخش نہیں تھی۔ ٹیچر نے اس کے سر میں جوؤں اور اس کے میلے دانتوں کی شکایت کی..... دو، تین مرتبہ ڈائری میں اس بارے میں لکھا گیا پر جواب صفر..... PTM میں ماں آئیں تو یوں جیسے مارے باندھے لائی گئی ہوں..... اس کی جوؤں اور دانتوں کی صفائی کی بات کی گئی تو انہوں نے تڑخ کر کہا۔
''برش کرنا تو سکھانا چاہیے تھا ناں آپ لوگوں کو!!''
''جی اچھا.....'' میں نے دیکھا کلاس ٹیچر لے ڈانٹ بھیج کر کہا۔
''آپ پیسٹ اور برش بھیج دیجیے گا، ہم سکھا دیں گے..... ویسے تو یہ پریکٹس بچوں کو ان کے دانت آتے ہی ان کے ہاتھ میں نرم برش تھما کر کرائی جاتی ہے۔ مگر جوؤں والا کام تو گھر میں ہی کرنا ہوگا۔''
''اوکے..... میڈیا کر دے گی..... بس آپ ڈیزی کی کونسلنگ کر دیجیے گا..... وہ اس کے ساتھ کپڑے چینج کرتے ہوئے بھی بہت پرابلم کرتی ہے۔'' انہوں نے شکایتاً کہا۔
''بچی کو چینج میڈ کراتی ہے؟'' میں نے..... بے اختیار پوچھ لیا۔
''کرنا پڑتا ہے.....'' انہوں نے جواباً کہا..... ''ورنہ اسے تو شرٹ کی فرنٹ بیک ہی پتا نہیں چلتی..... آپ لوگ کیوں نہیں ٹرینڈ کر دیتے کڈز کو ڈریس اپ ہونے کے لیے.....؟'' انہوں نے ایک نادر آئیڈیا دیا۔
''کر سکتے ہیں.....'' میں نے ذرا توقف سے کہا۔ ''بس اس کے لیے آپ کو ایک پرمیشن لیٹر اپنے سائن کے ساتھ دینا ہوگا۔''
''پرمیشن لیٹر..... وہ کیوں.....؟''
غصے کا غبار میرے سر پر چڑھنے لگا تھا۔
''مسز روحان، آپ کی بچی نے لاسٹ منتھ ہی اپنی سولھویں برتھ ڈے منائی ہے۔ ایک میچور لڑکی کو ڈریس اپ ہونے کی ٹریننگ دینے کے لیے اس کو ان ڈریس بھی ہونا پڑے گا۔ پرمیشن اسی چیز کی کہ she can put off her dress in front of teacher۔''
''اوہ.....'' بات شاید ان کی سمجھ میں آئی تھی اور پھر اس روز پہلی مرتبہ وہ قدرے ایزی یا فرینک ہو کر بات کر رہی تھیں۔ اور بات کیا کر رہی تھیں..... رونا تھا کہ..... ''دیکھیں میں بھی کیا کروں..... ہادی بھی اسٹڈیز کے بعد اپنے بابا کے ساتھ آفس جانے لگا ہے ڈیزی اسی سے اٹیچڈ ہے بہت، وہ اس کو ٹائم نہیں دے پا رہا۔ تو یہ بہت ضدی ہو جاتی ہے۔ صبح مجھے ہی خود چھوڑنے کے لیے آنا پڑتا ہے اور آفٹر نون میں بھی میری ہی دوڑ لگتی ہے۔ اسے پک کرتی ہوں پھر دوسری بیٹی کو پک کرتی ہوں، میں تو اسی میں غرق ہو رہی ہوں..... اپنے لیے تو کوئی ٹائم ہی نہیں رہتا میرے پاس.....'' اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا میرے پاس..... بہر حال، برش اور پیسٹ آ گیا تھا اور..... ڈیزی نے مزے سے کر بھی لیا۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

"گھر میں کیوں نہیں کرتی ہو؟" ٹیچر نے پوچھا۔

"باجی میداں گندی ہیں مجھے پنچ Inch کرتی ہیں....." اس نے منہ بسورا۔ "یوں، یوں۔" ڈیزی نے دوسرے ہاتھ پر چٹکی لیتے ہوئے بتایا۔

اسی طرح سال گزر گیا۔ مسز للی روحان کے مزاج آن، آف ہوتے رہے..... ڈیزی کی کارکردگی بھی اوپر نیچے ہوتی رہی..... بچی کو جب دورہ پڑتا تو دو تین دن نڈھال رہتی۔ اسکول نہیں آپاتی..... کارکردگی سلو ہو جاتی..... اور پھر دھیرے، دھیرے ٹریک پر آنے لگتی۔ وہ ایک کم گو مگر بہت مسکرانے والی بچی تھی۔ گھر میں مہمانوں کی وجہ سے میں ان دنوں ذرا دیر سے اسکول جارہی تھی۔ میں جب پہنچتی تو اسمبلی ہو چکی ہوتی اور تمام معاملات معمول کے مطابق چل رہے ہوتے..... چوکیدار گیٹ بند کر کے اندر بیٹھا ہوتا..... اب آنے والا کال بیل بجاتا تو چوکیدار چھوٹی کھڑکی سے باہر دیکھتا اور پھر گیٹ کھول دیتا۔

آج بھی گیٹ بند ہو چکا تھا..... بچے کلاسوں میں جا چکے تھے، ناہید پرنٹر کے سامنے کھڑی کچھ پرنٹ نکال رہی تھی۔ کال بیل بجی تو میں کھڑکی کے پاس ہی کھڑی تھی، چوکیدار نے کھڑکی سے باہر جھانکا اور گیٹ کھول دیا..... ڈیزی خاصی لیٹ آئی تھی، غیر معمولی بات یہ کہ اس کی آنکھوں اور چہرے سے لگ رہا تھا کہ جیسے بے تحاشا ہنستی ہوئی آئی ہو، اس کے پیچھے کوئی تھا جس کے ہاتھ سے چوکیدار نے بیگ جھپٹ کر لیا تھا اور اس کو باہر دھکیلا تھا اور غصے میں گیٹ بند کرتے ہوئے اونچی آواز میں ڈیزی کو پکارا تھا۔

"بیٹا اپنا بیگ تو لیتی جاؤ....." ڈیزی ہنستی ہوئی پلٹی اور شیر خان سے بیگ لیا..... کلاسوں کی طرف جانے والا چھوٹا گیٹ معمول کے مطابق اسمبلی کے بعد بند تھا اب آنے والے بچے کو آفس سے گزر کر ہی جانا تھا..... میں اپنی سیٹ پر آ کر بیٹھ گئی..... ڈیزی نے مجھے دیکھا تو ٹھٹک گئی اور پھر سلام کر کے اندر چلی گئی، میں نے آج اسے کئی دنوں بعد دیکھا تھا۔

"اس کی ہیر کٹنگ کب ہوئی؟" میں نے ناہید سے پوچھا۔

"جوؤں کی کمپلین کے بعد سے۔" وہ معنی خیزی سے مسکرائی۔

"ہوں۔" اس کے خوب صورت گھنے بال کانوں تک کٹے ہوئے تھے اور بے ترتیبی سے بکھرے تھے آج وہ مجھے پہلی مرتبہ مخبوط الحواس سی لگی..... اس کی یونیفارم کی چاک بغل سے ذرا نیچے تک چرا ہوا تھا۔ وی گلے میں اٹکی ہوئی تھی..... نہیں معلوم کیوں میرے اندر عجیب سی گھنٹیاں بج اٹھی تھیں۔ ذرا دیر بعد میں یونہی ٹہلتی ہوئی باہر گئی لان کا جائزہ لیا، ادھر ادھر گھومی اور جب شیر خان کے قریب پہنچی تو وہ احتراماً اٹھ کھڑا ہوا۔

"اور شیر خان کیسے ہیں آپ.....؟" میں نے برسبیلِ گفتگو یونہی پوچھا۔

"الحمدللہ میم....."

"یہ ڈیزی کو کون چھوڑنے آیا تھا آج.....؟" میں نے شیر خان کے چہرے پر نظریں جما کر پوچھا۔

"وہ..... ڈرائیور تھا جی....." شیر خان کی جھکی نظریں نہ جانے کیوں مجھے بہت کچھ کہتی لگیں۔

"کب سے آرہی ہے ڈرائیور کے ساتھ؟"

"جی چار، پانچ دن ہو گئے ہیں....." میرے سوال کے جواب میں شیر خان نے بتایا۔

"ٹھیک....." میں نے گہری سانس لی..... لیکن میرا ایک دھڑکا دھڑکا تا دل مجھے جو سگنل دے رہا تھا وہ کچھ خوشگوار نہیں تھے..... میرے مزاج کی خرابی یہ ہے کہ جو دل میں آئے کر گزرو..... اور میں نے حیرت انگیز طور پر اپنے مزاج کے برخلاف اپنے آپ کو مصروف کیا، بلاوجہ ہی ایک فون عائشہ کو کیا، ادھر ادھر کی باتیں کیں اور پھر فون بند کیا تو اپنی دراز کی صفائی شروع کر دی۔ ٹیبل پر رکھی کتابوں اور رجسٹروں کو دوبارہ ترتیب دی..... ایک کپ چائے پی اور پھر دیبا کو فون کیا۔ بیل جا رہی تھی ریسیو نہیں ہو رہی تھی..... چند منٹ بعد دوبارہ ٹرائی کیا تو ریسیو ہو گیا..... رسمی ہیلو، ہائے کے بعد بلاتمہید میں نے کہا۔

"دیبا..... میرا ایک کام کریں گی؟"

Scanned with CamScanner

''خیریت.....؟ کہو؟'' وہ ہمہ تن گوش تھی۔
''ہوں.....اچھا.....میں سمجھ گئی.....'' وہ ساری بات سن کر گہری سانس لے کر بولی۔ ''او کے، مجھے دو سے تین دن دو.....میں معاملے کی سنگینی اور تمہارا کنسرن سمجھ رہی ہوں.....''
''جزاک اللہ خیرا کثیرا دیبا.....خوش رہو.....''
میں نے فون بند کیا تو دل کسی حد تک ہلکا محسوس ہوا۔ گھٹن اور بے چینی کی کیفیت میں قدرے افاقہ محسوس ہو رہا تھا۔
تین دن گزر گئے، اس دوران ڈیزی کی ٹیچر نے ڈیزی سے اپنی دوستی یوں مزید پکی کی وہ اس کے کانوں سے ذرا نیچے تک نئے، نئے کٹے بالوں کے لیے رنگ برنگی کلپ بہت سارے لے آئی۔ لیکن ڈیزی کے ساتھ ہی گروپ میں موجود تین اور بچیوں کو بھی یہ کلپس دیں.....سب کے روز نئے، نئے اسٹائل کے بال بنتے.....لنچ آور میں ٹیچر ڈیزی کو اپنے ساتھ، ساتھ رکھتی.....عارب کی برتھ ڈے کا کیک اس کے گھر سے آیا تو برتھ ڈے سیلیبریٹ کرنے کے لیے ٹیبل ٹیچر نے ڈیزی کی مدد سے ہی ڈیکوریٹ کی اور آفٹر اسکول جو وہ رپورٹ دیتی وہ روز میری بے چینی اور گھبراہٹ کو بڑھا دیتی.....چوتھے دن دیبا کا فون نہیں آیا وہ خود اسکول آ گئیں۔ اور جب وہ گئیں تو مجھے یوں لگا کہ وہ مجھے ایک بارود کے ڈھیر کے درمیان چھوڑ گئی ہیں.....چلتے، چلتے وہ میرا ہاتھ تھام کر بولیں۔
''مجھے افسوس ہے کہ بہت خواہش کے باوجود میں تمہاری اور کوئی مدد نہیں کر سکتی.....نہ صرف میری بھانجی بلکہ میری بہن بھی ایک سر پھری خود ترس عورت ہے۔ ان کے خیال میں پوری دنیا کی سب سے محروم و مظلوم شخصیات ہیں وہ۔''
''مگر کیوں؟'' میں نے کہا تو وہ بولیں۔
''اس لیے کہ زندگی کے کوئی چیلنج ان کے سامنے نہیں ہیں۔ الحمدللہ، اللہ نے ہر نعمت سے نوازا ہے مگر قناعت اور شکر گزاری سے محروم ہیں جس کا نتیجہ ہے کہ گاہے بہ گاہے ڈپریشن کے دورے پڑتے ہیں اور پھر دوائیاں پھانک کر مدہوش پڑی رہتی ہیں۔''
''یا اللہ.....'' میں تو دنگ ہی رہ گئی اور سکتے کی کیفیت میں بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔
''میم.....اب کیا کریں گی آپ؟'' ناہید نے کچھ دیر بعد پوچھا تو میں اس کی شکل ہی تکتی رہی۔
''میم.....'' ناہید نے مجھے گویا جھنجھوڑ کر نیند سے اٹھایا۔
''ہاں.....'' میں نے گہری سانس لی۔ ''فائل میں سے ڈیزی کا ایڈمشن فارم نکالو.....اس کے فادر کا فون نمبر ہوگا، وہ دو مجھے۔''
''فادر کا؟'' ناہید نے اچنبھے سے پوچھا۔
''ہاں.....یہ معاملہ اس کے فادر کے علم میں ہونا چاہیے.....بلکہ صرف ان کے ہی علم میں آنا چاہیے۔''
ایڈمشن دیبا کے حوالے سے آیا تھا، ایڈمشن کے لیے للی، ڈیزی کی ماں آئی تھیں.....بعد میں پی ٹی ایم میں یا اور کسی بھی ایونٹ یا میٹنگ میں ماں اور کچھ مرتبہ ہادی، ڈیزی کا بھائی آیا تھا جس سے ڈیزی بہت اٹیچڈ تھی، وہ اکثر ہادی بھائی، دادا اور دادی کی باتیں کرتی تھی.....دادا کے ساتھ لوڈو کھیلتی تھی اور شاید دادا بیچارے ہر مرتبہ ڈیزی سے دانستہ ہار جاتے تھے۔ ڈیزی کے والد روحان صاحب کے بارے میں صرف اتنا پتا تھا کہ ان کا ذاتی بزنس ہے ٹائلز، باتھ روم فٹنگز وغیرہ کا.....فون پر بات ہوئی تو پتا چلا کہ بھئی وہ تو بہت مصروف بلکہ مصروف ترین شخص ہیں۔
''لیکن سر.....ہم نے آپ کو انتہائی ضروری کام سے فون کیا ہے.....مجھے آپ سے ملنا ہے اور ارجنٹ ملنا ہے۔''
''اچھا تو آپ میری بیگم سے بات.....''
''جی نہیں سر.....صرف اور صرف آپ سے ملنا ہے۔'' میں نے ان کا جملہ مکمل نہیں ہونے دیا۔ ''اور برائے مہربانی آپ ابھی بیگم صاحبہ سے کوئی ذکر نہ کریں.....''
''اچھا.....'' وہ کچھ الجھ گئے۔
''جی سر.....کل صبح گیارہ بجے۔''
اور اگلی صبح ٹھیک گیارہ بجے مسٹر روحان میرے سامنے تھے۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

ڈریس پینٹ اور شرٹ میں ملبوس وہ معقول صورت و اطوار کی شخصیت لگے..... بیٹھتے ہوئے انہوں نے دو قیمتی فون اور سیاہ چشمہ میز پر رکھا۔

"جی سر کیا لیں گے آپ چائے یا....."

"نو، نو تھینکس....." انہوں نے میری رسمی سی دعوت کا جواب ترنت دیا۔

"فرمایئے..... کیوں یاد کیا ہے آپ نے.....؟"

اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتی ان کا فون بج اٹھا۔ جو بعد میں بھی گاہے بگاہے بجتا رہا..... کبھی وہ ریسیو کر لیتے، کبھی لائن کٹ کر دیتے۔

میری انتہائی سنجیدہ اور سخت سی شکل دیکھ کر بالآخر انہوں نے دونوں فون ہی پاور ڈ آف کر دیے۔

"جی فرمایئے....." اب وہ میری طرف مکمل طور پر متوجہ تھے۔

"دیکھیے جناب....." میں نے موقع غنیمت جانا۔ "میں گزشتہ چند دنوں میں ڈیزی کی روٹین سے واقف تو ہو گئی ہوں لیکن آپ سے سننا چاہوں گی۔"

"ڈیزی کی روٹین.....؟" وہ کچھ الجھے۔

"جی....." میں نے ان کی بے چینی سے ہلتی انگلیاں دیکھیں..... ان کا ایک پیر بھی ہل رہا تھا۔ "صبح اسکول آتی ہے ناں....."

"جی آتی ہے..... آج کل اس کی ماما یا ہادی نہیں آتے۔"

"نہیں..... وہ میری مسز آج کل کچھ اچھا فیل نہیں کر رہی ہیں تو وہ صبح اٹھ نہیں پاتیں۔ ہادی بھی بزی ہے لیکن ڈرائیور ہے ناں....."

"جی..... وہ تو ہے۔" میں نے کرسی کی بیک سے ٹیک لگا لی۔

"پھر.....؟"

"پھر..... پھر۔" وہ اٹکے، رکے۔

"ہاں شام چار بجے ڈیزی ظہال کلب جاتی ہے۔"

"ڈرائیور کے ساتھ؟" میں نے ان کا جملہ اچکا۔

"جی، جی وہی..... ڈرائیور کے ساتھ۔" وہ اٹکے، بھٹکائے، حیران ہوئے۔

"اور فٹ بال کلب وہ یقیناً شارٹس اور ٹی شرٹ میں جاتی ہے؟" میں نے پوچھا۔

"جی.....؟" وہ کچھ ہونق ہوئے۔

"محترم....." میرا بلڈ پریشر ہائی ہونے لگا۔ "آپ کی بچی بہت معصوم ہے اس کا جسم سولہ، سترہ برس کا مگر ذہن چھ، سات برس کا ہے۔ ہمارے پاس تھراپسٹ میں میل اسٹاف بھی شامل ہے۔ کل کوئی حادثہ ہوتا ہے تو اس کا ذمے دار ہمیں نہیں ٹھہرایئے گا، ہمیں پتا چلا ہے کہ آپ کا ڈرائیور کئی برس سے آپ کے گھر میں آپ کے ساتھ ہے۔ ہمارے پاس تو ہر جگہ کیمرے لگے ہیں..... لیکن شاید آپ کی گاڑی میں نہ ہوں۔"

میں نے دیکھا روحان صاحب کا چہرہ یک دم متغیر ہوا۔

"جناب..... معاف کیجیے گا..... تھوڑا کہے کو بہت بلکہ "بہت کچھ" جانے میں کوئی ہوائی بات نہیں کر رہی ہوں..... بہت سوچ سمجھ کر کر رہی ہوں اور ڈیزی کو اندر تک کریدکر ہی یہ بات کر رہی ہوں....."

روحان صاحب نے یک دم ٹشو باکس سے دو تین ٹشو کھینچے اور پیشانی پر چمکتے قطرے صاف کیے۔ ہاتھ بڑھا کر پانی کا گلاس اٹھایا اور بڑے، بڑے گھونٹ بھر کر گلاس خالی کیا..... اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"شکریہ میم..... میں دیکھتا ہوں اس معاملے کو..... بہت شکریہ....." یوں لگ رہا تھا جیسے برف کی ڈلی پانی بن کر گھل رہی ہو..... ان کے قدم باہر کی جانب اٹھے تو میں نے کہا۔

"جناب چاہیں تو بیٹی کو ساتھ ہی لیتے جائیں۔"

وہ یک دم رکے میں نے دیکھا..... برف کی ڈلی واقعی پانی بن کر بہہ رہی تھی۔

"جی، جی....." جھکا سر انہوں نے لمحے بھر کو اٹھایا۔

ایک بہت بڑا معرکہ سر ہو چکا تھا۔ نتائج کیا ہوتے ہیں..... یہ سامنے آنا باقی ہے۔

"چلیے..... آپ ہی بتایئے اب ڈیزی اسکول آئے گی یا.....؟ اور اگر آئے گی بھی تو کس کے ساتھ آیا کرے گی؟ یا....."

❁❁❁

Scanned with CamScanner

کورونا کی آڑ میں کیا کچھ ہوتا گیا نازنین فردوس کی انوکھی تحریر

مریخ پر پہلا قدم

"وہاٹ..... کیا کہا آپ نے؟" اس کا مجازی خدا اس کی بات سن کر یک دم پیچھے ہوا تھا۔

"جی، آپ نے ٹھیک سنا۔" اس نے ایک چھینک ماری تھی۔ وہ بھی بالکل اس کے چہرے پر۔

"دیکھیں..... ذرا دور سے، ہاں۔" وہ اب دو قدم پیچھے ہوا تھا۔ گھبراہٹ اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہی تھی۔ حجلۂ عروسی میں اس کا یہ پہلا قدم تھا۔ اور نئی نویلی دلہن نے آتے ہی ایک ایسا میزائل نما بم پھوڑا تھا جس سے اس کے پرخچے اڑتے محسوس ہو رہے تھے۔ کمرے میں سجائے گئے پھول خوشبو کے بجائے شعلے اگلتے محسوس ہو رہے تھے۔ ماحول کی ساری لطافتیں یک دم ہی ناخوشگوار ہو گئی تھیں۔

کچھ دیر بعد وہ اندر آیا تو اس کے تاثرات الگ تھے۔ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ وہ اپنی منکوحہ کے قریب بیٹھنے لگا تھا کہ اس نے اچانک کھانسنا شروع کیا۔ وہ اس اچانک پر پریشان ہوا اور بیڈ سے فوراً اٹھا اور پانی لے کر اس کے پاس آیا تھا۔

"کیا ہو گیا آپ کو..... پانی لے لیں۔"

"مجھے لگتا ہے مجھے کورونا ہو گیا ہے۔" اس نے پانی کا گلاس لے کر نیچی نظروں سے کہا تھا اور وہ "وہاٹ" کہہ کر رہ گیا تھا۔

"جی....." دلہن نے نظریں نیچی کرتے ہوئے کہا۔ بلکہ ایک اور بار کھانسی تھی۔ اور اس کے کھانسنے پر وہ جو دو قدم پر تھا اب اپنی ڈریسنگ کی جانب بھاگا تھا جب واپس اس

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

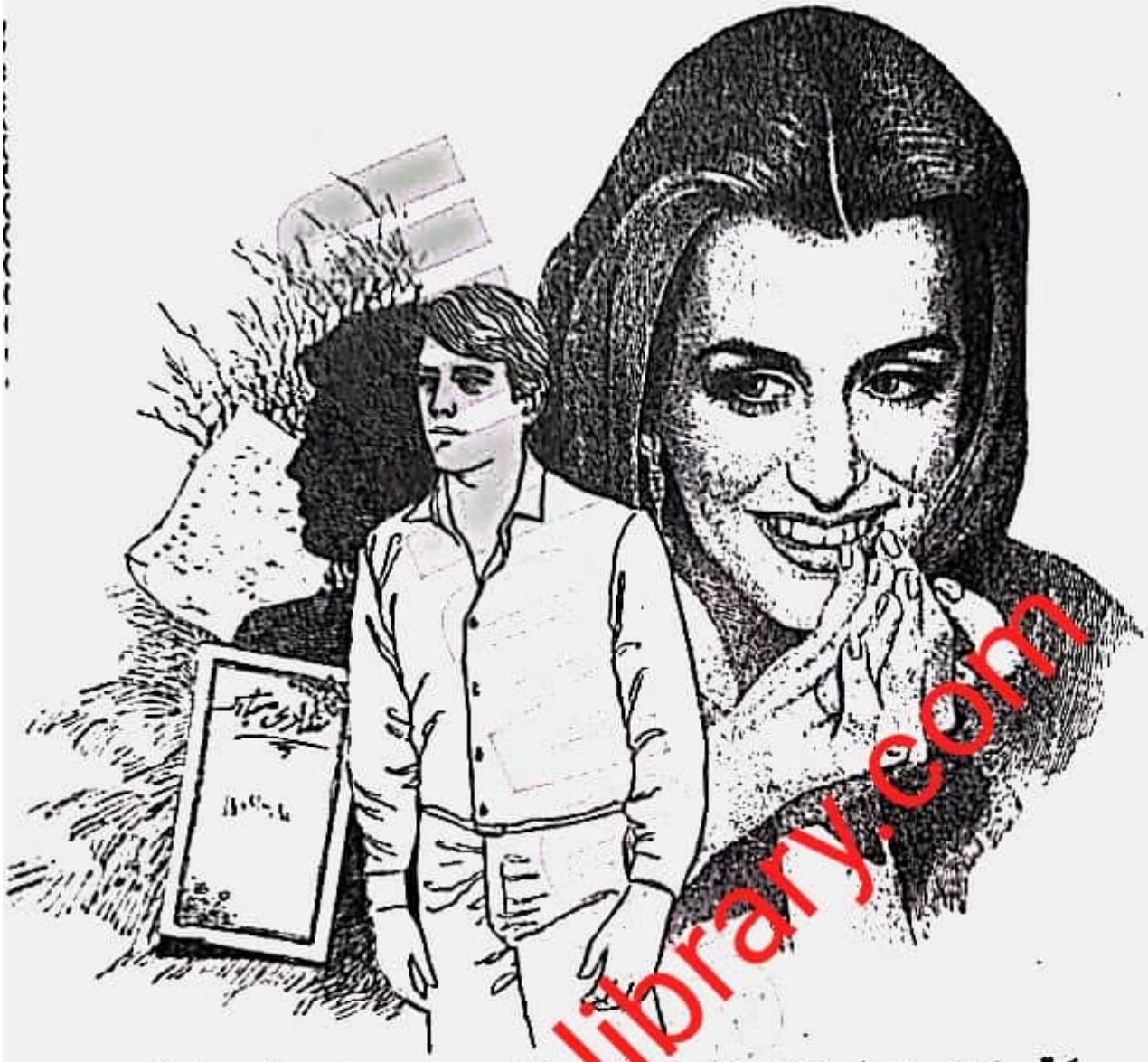

کے قریب آیا تھا تب اس کے ہاتھ میں ماسک تھے۔

"اب کہیں جو کہہ رہی تھیں۔"

"مجھے لگتا ہے مجھے کورونا ہو گیا ہے۔ دراصل میری فرینڈ کو ہوا ہے وہی فرینڈ جسے شادی سے پہلے میں ملنے گئی تھی کہ پتا نہیں شادی کے بعد ملاقات ہو کہ نہ ہو۔" وہ فلرٹ تقریر کے انداز میں سنا رہی تھی۔

"اور آج صبح سے مجھے شدید نزلہ، کھانسی شروع ہو گئی ہے تو ایسا لگ رہا ہے شاید مجھے بھی کورونا ہو گیا۔" اس نے ایک دفعہ پھر کھانس کر کہا۔ جیسے اپنی بات پر مہر لگا رہی ہو۔

"کیوں.....؟ شادی کرنے آ رہی تھیں کہ موت کے کنویں میں جا رہی تھیں کہ واپسی ممکن نہیں۔" وہ جلے کٹے انداز میں بولا۔ اس کا موڈ خراب ہو گیا تھا۔

"جی.....!"

"کچھ نہیں۔" وہ اچانک اٹھ کھڑا ہوا۔ ایک نظر اس کے جھکے سر پر ڈالی اور لب بھینچے الماری کے قریب گیا۔

الماری کھولتا وہ کمینٹ رہا تھا۔ کمرا الماری کھلنے کی عجیب آواز سے بھر گیا۔

"یہ کیا کر رہے ہیں آپ.....؟" کانپتے لہجے میں سوال ہوا تھا جبکہ جواب میں اس نے خاصے کاٹ دار انداز میں کہا۔

"سوشل ڈسٹنسنگ" (social distancing)

"اوہ....." اس نے ہونٹ گول کیے۔

وہ الماری دیوار سے ہٹا کر صوفے اور بیڈ کے

digest library.com

Scanned with CamScanner

درمیان رکھ چکا تھا۔ اب الماری ان دونوں کے بیچ حائل تھی۔

"میں یہیں ہوں۔ اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت پڑے تو بلا جھجک مجھے آواز دے سکتی ہیں۔" وہ الماری کے پیچھے سے بولا اور اس نے غائب دماغی سے سر ہلایا تھا یہ سوچے بغیر کہ وہ اسے کیسے دیکھ سکتا ہے۔

"ٹھیک ہے.....؟"

"جی بالکل، آپ مطمئن رہیں۔ میں آرام سے ہی ہوں۔" اس نے یاد آنے پر جلدی سے کہا۔

"دوسروں کا آرام حرام کر کے محترمہ آرام سے ہیں۔" وہ بڑبڑاتا صوفے پر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

آج ہی اس کی شادی ہوئی تھی۔ یہ شادی خالص ارینج میرج تھی۔ نہ کوئی عہد و پیمان ہوئے تھے نہ ہی کچھ قسمیں، وعدے..... مگر آج کی رات کے لیے تو اس کے پاس بہت کچھ تھا لیکن جب دلہن صاحبہ نے کورونا کا بم پھوڑا تو اسے سمجھ نہیں آیا کہ کیا ری ایکٹ کرے۔ اس کے علاوہ کل صبح کا سوچ کر وہ پریشان ہو رہا تھا، جب سب کو یہ بات پتا چلے گی۔

"اُف...: یہ کورونا انہیں آج ہی ہونا تھا۔" وہ کراہا۔ سب کزنز کے مذاق کا نشانہ بننے کا سوچ کر وہ زیادہ کانشس ہو رہا تھا اور اب نئی نویلی دلہن پر غصہ بھی آنے لگا تھا۔

"پہلے ٹیسٹ کروالیتی تو ہم شادی ملتوی کر دیتے۔ یہ اچانک اس طرح کہنا..... سب کو کیا کہوں کہ دلہن کو کیا ہو گیا ہے اور مجھ سمیت سب اس سے دور رہیں۔ اُف....." وہ سرخ چہرہ لیے جلتے کڑھتے بالآخر سو گیا تھا۔

اور وہ اس خوابناک ماحول سے دور اپنے گھر کے ماحول میں چلی گئی جہاں سب اپنی، اپنی کہانیاں سنا رہی تھیں۔ اپنے سسرال کی کہانیاں اور قریبی رشتے داروں میں ہوئے ان کے رشتے جس سے وہ کافی مستفید ہوئی تھیں۔ اور سب اسے اتنی ترحم بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں جیسے وہ سسرال نہیں مرنے پر جا رہی ہو۔

☆☆☆

بات اس وقت شروع ہوئی جب اس کا رشتہ غیر خاندان میں طے ہوا۔ یہ رشتہ اس کے پھوپھا لائے تھے۔ اور امی، ابا کو رشتہ بے حد پسند آیا۔

"غیر ہیں تو کیا ہوا۔ رشتہ بہت اچھا ہے اپنی زویا خوش رہے گی۔ اچھا تعلیم یافتہ گھرانا اور سلجھے ہوئے لوگ۔" لیکن اس کے اپنے خاندان میں کھلبلی سی مچ گئی۔

"ہائے چچی، یہ کیا کر رہی ہیں۔ غیر خاندان میں زویا کو بیاہ رہی ہیں۔ پتا نہیں کیسے لوگ ہیں۔ کیسی سوچ ہے۔ یونہی کیسے رشتے کی ہامی بھر لی۔" یہ اس کی یعنی زویا کی تایا زاد بہن تھیں جو خود اپنے سگے ماموں کے گھر بیاہی گئی تھیں۔

"ہیں..... کیا مطلب..... اچھے لوگ ہیں۔ تمہارے چچا نے اچھی طرح چھان پھٹک کر لی ہے۔" امی کو حیرانی ہوئی تھی اس اعتراض پر۔

"تو خالہ یہ بھی دیکھنا تھا کیا کھاتے ہیں، کیا پیتے ہیں۔" زویا کی خالہ زاد بہن جو اپنے سگے چچا کی بہو تھی بول پڑی۔

"کیا کھاتے، پیتے ہیں؟" امی نے جھٹکے سے اپنی بھانجی کو گھورا۔

"ارے انسان ہی ہیں انسانوں جیسا ہی کھاتے پیتے ہیں۔ کوئی خلائی مخلوق نہیں جو ان کے کھانے پینے کا پوچھوں۔ کیسی بے تکی بات کر رہی ہو۔" انہوں نے بھانجی کو گھورنے کے ساتھ ڈانٹنا بھی ضروری سمجھا۔

"اوہ خالہ، میرے کہنے کا مطلب تھا رہن سہن کیسا ہے۔ ہم سب تو اپنے دیکھے بھالے لوگوں میں اپنے والوں میں بیاہ کر گئے تھے مگر....." یہ زویا کی ایک اور کزن تھی جو دودھ کی جلی لگ رہی تھی۔

"ہاں، سگے چچا کے گھر بیاہی تھی میں۔ مگر شادی کے دوسرے دن ہی مجھے دن میں تارے نظر آئے تھے جب چچی نے کہا..... "بی بی، یہاں بریڈ چائے نہیں چلے گی۔ پراٹھے چلیں گے۔ اس لیے اپنی امی کے گھر کی عادت وہیں چھوڑ آؤ۔" اتنا برا لگا تھا مجھے۔ چچی کو

Scanned with CamScanner

شروع سے پتا تھا میں ناشتے میں صرف بریڈ چائے لیتی ہوں۔ مگر انہوں نے جان بوجھ کر مجھے پراٹھوں سے ناشتا کرنے پر مجبور کیا اور میں مجبور ہو بھی گئی اب مجھ سے خود ناشتے میں بریڈ نہیں کھائی جاتی۔" اس کی خالہ زاد ...نے اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے۔

"ہاں..... اور نہیں تو کیا۔ میرے تو ماموں، ممانی ہی ساس سسر ہیں مگر شادی کے بعد تو وہ بھول ہی گئی کہ میں ان کی بھانجی ہوں۔ اور میری امی ان کی بہن۔ ہمیشہ یوں کہتے ہیں تمہاری اماں نے یہ نہیں سکھایا، یہ نہیں بتایا۔ لو جیسے میری اماں ان کی کچھ لگتی ہی نہیں۔"

"سچ بڑا رحم آتا ہے ایسی بچیوں پر جو بیاہ کر بالکل غیر خاندان میں جاتی ہیں۔ کیسے جاتی ہیں اس سسرال نامی جنگل میں۔ کوئی اپنا نہ کوئی ہمراز۔ ساس تو سمجھو خواہ مخواہ کی ناگن بنی ہوتی ہے۔ بات، بات پر ڈسنے کو تیار۔ ارے ان محترمہ ساس کا تو کوئی کاٹ ہی نہیں۔ جن لڑکیوں کی ساس ہوا نہیں تو پھونک، پھونک کر قدم رکھنے پڑتے ہیں۔ جانے کب ساس نامی ناگن ڈس لے۔" یہ زویا کی تایا زاد تھی جو شروع ہو چکی تھی۔

"سسر صاحب تو بن پیندے کے لوٹے..... کبھی بیوی کی طرف لڑھکیں گے تو کبھی بہو کی جانب۔ مگر ہمیشہ اپنے آپ کو طاقتور بتانے کے چکر میں اکثر بیٹے کو ڈانٹ ڈپٹ کر کے اپنے باپ ہونے کا فرض ضرور نبھاتے ہیں۔" اس کی تایا زاد اس کی موجودگی کو یکسر فراموش کر چکی تھیں۔ جو یہ سب سن کر ہادی لگانے سے پہلے ہی پیلی پیلی ہونے لگی تھی۔

"اچھا... بچی، یہ زویا کی کتنی نندیں ہیں؟" اس کی تایا زاد نے پوچھا۔

"تین نندیں ہیں۔ دو کی شادی ہو گئی ہے۔ ایک نند کی ابھی نہیں ہوئی۔" امی کے بتانے کی دیر تھی کہ اسی تایا زاد نے ایک دلدوز چیخ ماری۔

"ہائے زویا... تو تو گئی۔"

"میں تو یہیں ہوں باجی، میں کہاں گئی؟" زویا نے ان کی چیخ سے گھبرا کر کہا۔

"ارے، میں تو تیری سلامتی کی بات کر رہی تھی بلکہ ازدواجی زندگی کی سلامتی جو کہ ایک بن بیاہی نند کے ہوتے خطرے میں پڑ گئی ہے۔" اس کی تایا زاد نے دل پر ہاتھ رکھا۔

"آئے ہائے، یہ کیا اول فول بکے جا رہی ہو نیلو۔ کچھ سوچ سمجھ کر بولا کرو۔" امی تو تڑپ گئیں ان کی اس دردناک پیش گوئی پر۔

"نیلو آپی بالکل صحیح کہہ رہی ہیں..... خالہ، آپ نے یہ نہیں بتایا کہ ساس، سسر اور نندوں کے علاوہ اور کون، کون ہیں گھر میں؟"

"کوئی نہیں، ایک جیٹھانی ہیں اور ایک دیور ہے۔"

"ہوں..... یعنی ایک عدد جیٹھانی نام کی بلا بھی ہے گھر میں۔" اس کی خالہ زاد نے بلا پر سارا زور ڈالا۔

"تو زویا، اب تو تمہیں کیل کانٹوں سے لیس ہو کر جانا چاہیے۔ کیونکہ آگے تو یوں سمجھو میدان جنگ جیسا ماحول ہوگا۔ جیٹھانی تو دوسری ساس یا چھوٹی ساس بن جاتی ہے۔ یہ کیوں کیا، وہ کیوں نہیں کیا۔ سارا رعب دیورانی پر جمائیں گی۔ سنبھل کر رہنا۔ زویا۔" اس کی خالہ زاد کی یہ باتیں زویا کے دل کے آر پار ہو گئی تھیں۔ اور جب وہ رخصت ہو رہی تھی تب اس کے ذہن میں سسرال کے نام پر کچھ ایسا تصور تھا کہ ساس، جیٹھانی تو ڈریگن جیسی لگ رہی تھیں جو بات، بات پر آگ اگلتی رہتی ہیں۔ اور نند، دیور "ایلین" جیسے لگ رہے تھے تو شوہر ساری عجیب مخلوق میں اول مقام پر جا بیٹھا جس سے جتنا وہ بچ سکتی، اتنا اس کے حق میں بہتر تھا۔ یہ ساری سوچیں لے کر اس نے اپنے سسرال میں قدم رکھا تھا یعنی مریخ پر یہ اس کا پہلا قدم تھا۔ ویسے بھی لڑکیوں کے لیے سسرال مریخ جیسا ہی تو ہوتا ہے۔ بالکل انجان سیارہ..... جہاں کی بولی سمجھ آتی ہے نہ وہاں کا کھانا، پینا۔ مریخ میں چاہے جتنے سورج ہوں لڑکیوں کو اپنا مایکا اگلوتے چاند کی طرح پسند ہوتا ہے۔ چاہے اس چاند میں کتنے ہی داغ ہوں۔ تو زویا بی بی بھی اپنے سسرال کے لیے بے حد خدشات اور واہمے دل میں لیے رخصت ہو کر آئی تھیں اور سب سے

digest library.com

Scanned with CamScanner

پہلے عتاب گرا بھی تو بیچارے دولھا وقار پر جو اس کا ہم سفر تھا۔ اور وہ واقعی ہم سفر بن کر سفر (suffer) کر رہا تھا۔

"کیا کہا۔ دلہن کو کورونا ہو گیا ہے۔"

"کس نے کہا اور کب.....؟"

"لیکن کورونا کا زور تو نہیں رہا اب۔ دو سال ہو گئے کورونا آ کر چلا بھی گیا۔" ایک نے اعتراض کیا تھا۔

"ہاں..... لیکن اِکا دُکا کیسز تو کبھی، کبھی آ جاتے ہیں۔"

"تو اب کیا کریں۔ یہ کیا عجیب صورتِ حال ہو گئی۔" غرض بھانت، بھانت کی بولیاں تھیں جو اس کے کان میں بھی پڑ رہی تھیں۔ یہ ساری آوازیں اس کے کمرے سے ملحق کمرے سے آ رہی تھیں جو شاید ہال یا ڈائننگ روم کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔

وہ منہ سر لپیٹے سن رہی تھی۔ اب خود پریشان تھی ان سب کا سامنا کیسے کرے گی۔

"وقار، ٹیسٹ تو کروالو۔" یہ شاید اس کے جیٹھ تھے۔

"نہیں، دلہن کو ابھی باہر نہیں جانا چاہیے۔ پھولوں کی خوشبو سے پور، پور مہکا وجود۔ راستے میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ایسی حالت میں دلہنیں باہر قدم نہیں رکھتیں۔ ابھی تو نکاح کے پھول بھی باسی نہیں ہوئے۔" یہ شاید اس کی ساس تھیں۔ اس کی رکی سانس بحال ہوئی تھی۔ ورنہ ٹیسٹ کا سن کر تو اس کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے۔

"تو اب کیا کریں؟" ایک اور سنجیدہ سی آواز ابھری۔

"دلہن کو کورنٹائن کر دیں چند دن کے لیے۔ یہ زیادہ بہتر ہے۔ ویسے بھی اس کے کمرے کے ساتھ اٹیچڈ باتھ روم تو ہے۔ کوئی مسئلہ نہیں..... کھانا وغیرہ وقار ہی پہنچا دے گا کسی کو اندر جانے مت دو۔" ایک سنجیدہ سی آواز آئی جو یقیناً اس کے سسر کی تھی۔

"ہائے..... بھیا کا کل ولیمہ ہے اس کا کیا؟" یہ اس کی چھوٹی نند تھی۔

"ولیمہ بھی کچھ دن کے لیے ملتوی کر دیں گے۔ بلکہ اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ اب بغیر دلہن کے ولیمہ کیسے کر سکتے ہیں۔" بھاری بھرکم سی آواز میں کہا گیا۔

"وقار..... دلہن اب تمہاری ذمے داری ہے۔ اس کے آرام کا خیال کرنا..... ٹھیک ہے۔" اس کے سسر نے اب بیٹے کی ڈیوٹی لگائی۔

"جی ابو۔"

"منزہ..... دلہن کے گھر پر بات کر لو۔ انہیں بھی ساری بات بتا دو۔"

"جی، ویسے انہیں علم ہونا چاہیے تھا اس بات کا۔ بیٹی کو کورونا ہو گیا اور انہوں نے بیٹی کا نکاح کر دیا۔ حد ہی ہو گئی بے پروائی کی۔" اس کی ساس کی ناراض آواز پر اس کا دل بیٹھ گیا۔

"اب کہیں ابا، امی کو باتیں سنائی گئیں تو....." وہ حقیقتاً پریشان ہو گئی۔

ساس اچانک ناگن جیسی لگنے لگیں جس کی زبان باہر کو آئی ہوئی ہو۔

"امی، میرے خیال میں زویا کو شاید نکاح کی صبح سے زکام کھانسی شروع ہوئی ہو۔ اور وہ گھر میں کسی کو بول نہ سکی ہو۔ اب انہیں الزام دینا بھی ٹھیک نہیں۔" یہ مہربان زنانہ آواز شاید اس کی کسی نند کی تھی۔

زویا جس کی سانس سینے میں پھر سے اٹک سی گئی تھی اب بحال ہوئی تھی۔

"ہاں، یہ بھی ہو سکتا ہے۔ خیر بات تو کر لیتی ہوں۔ باقی چیزیں ان سے ڈسکس کر لیں گے۔" وہ بولیں۔

"وقار..... تم ناشتا تو کر لو۔ پھر دلہن کا ناشتا اور چائے لے جاؤ۔ اور ہاں ماسک وغیرہ پہن کر جانا۔" امی نے اسے حکم دیا تھا۔

"جی امی، رات سے ماسک سے ہی بات ہو رہی ہے۔" شاید اس کے لہجے میں کچھ تھا کہ وہاں سب دبی، دبی ہنسی ہنسنے لگے۔

"ہاں، ٹھیک ہے۔ اب تم لوگ بھی جاؤ۔ زیادہ مذاق بنانے کی ضرورت نہیں۔" اب ابو نے سب کو ڈانٹا تھا اور یوں لگا جیسے سب جہاں تہاں چلے گئے ہوں اور پھر اسے کمرے میں کھٹر پٹر کی آوازیں آنے لگیں۔

"دیکھیں جی..... آپ منہ وغیرہ دھو لیں، میں ناشتا لا رہا ہوں کچھ دیر میں۔ آپ اٹھ گئی ہیں ناں؟"

Scanned with CamScanner

digest library.com

وہ ماسک لگائے وہیں دس قدم کی دوری پر ٹھہر کر پوچھ رہا تھا۔ وہ جھٹ سے اٹھی۔ قریب رکھا ماسک جو تکیا کے نیچے دبا رکھا تھا فوراً لگا لیا تھا۔

"جی، میں کھالوں گی۔ آپ رکھ کر چلے جائیں۔" اس نے دبی، دبی آواز میں کہا۔

وہ باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ہی وہ بیڈ سے اٹھی تھی۔ جب باتھ روم سے واپس آئی تو اس کا فون بج رہا تھا۔

"ہیلو، السلام علیکم امی۔"

"یہ کیا کہہ رہی تھیں تمہاری ساس۔ تمہیں کورونا ہو گیا۔ لیکن کیسے؟" امی کی گھبرائی آواز پر وہ بھی کچھ دیر کے لیے گھبرا گئی۔

"امی..... مجھے زکام، کھانسی نے کل سے پریشان کیا ہوا تھا۔ علامتیں تو کورونا کی ہی لگیں تو مجھے لگا کہ یہی بول دینا چاہیے۔" اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پا کر کہا۔

"خیر..... ہم آنا چاہ رہے تھے مگر تمہارے سسر نے منع کر دیا ہے۔ اب تم بتاؤ کیا تمہارے ابا کو بھیجوں؟" وہ بھی متفکر سی لگ رہی تھیں۔

"نہیں امی، ابھی تو مجھے کورنٹائن کر دیا ہے۔ میں بعد میں بتا دوں گی۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" باہر آوازوں کا شور سن کر اس نے فون رکھ دیا تھا۔

اس نے ٹی ٹیبل پر موجود کھانے کے لوازمات کو دیکھا۔ پراٹھے، ہری مرچ والا انڈا اور بھنا ہوا قیمہ۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو وہ اس ناشتے پر ٹوٹ پڑتی۔ مگر یہ سسرال تھا۔ اس کا اپنا گھر نہیں۔ وہ چھولے، چھولے نوالے بنا کر کھانے لگی۔

وہ ناشتا اچھی طرح کر کے اٹھی تو چائے بھی آ گئی وہ نہایت شرمندہ ہو گئی۔

"آپ تکلف نہ کریں پلیز۔" اس نے نظریں جھکائے ہوئے کہا تھا۔

"چائے پی لیں تو ٹیبلٹس بھی ہیں، وہ بھی کھا لیں۔ اور بخار کی چیک کریں۔" وہ الماری کے قریب کھڑا اب ٹی ٹیبل پر ٹیبلٹس رکھ رہا تھا۔ اس کی تکلف والی بات کو اس نے نظر انداز کر دیا تھا۔

"بخار تو کچھ محسوس نہیں ہو رہا۔" اس نے اپنا ہاتھ ماتھے پر چیک کرنے کے انداز میں رکھ کر کہا۔

"بخار صرف ہاتھ لگا کر چیک کرتے ہیں؟" اس کے سنجیدہ انداز پر وہ چونک کر اسے دیکھنے پر مجبور ہو گئی۔

"جی.....!"

"محترمہ وہاں تھرمامیٹر رکھا ہوا ہے۔ اس سے چیک کریں اور بتائیں کتنا ہے۔ مجھے انکل کو بتانا ہے۔" وہ اب ذرا کھل کر بولا تو وہ سمجھ کر پھر اسے حیرانی سے دیکھنے لگی۔

"انکل؟"

"یہاں قریب میں ایک ڈاکٹر انکل ہیں۔ ان کے پاس جا کر ٹیبلٹس لے آیا ہوں۔ انہوں نے بخار بھی چیک کرتے رہنے کے لیے کہا ہے۔"

"جی، میں چیک کر کے کچھ دیر میں بتاتی ہوں۔" اس نے چائے کا کپ رکھا اور تھرمامیٹر اٹھا لیا۔

"ہم.....م" کہتا وہ باہر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی اس نے چائے کے کپ میں تھرمامیٹر ڈالا اور ٹمپریچر ایک سو دو تک چلا گیا۔

اس نے تھرمامیٹر سائڈ پر رکھ دیا۔ اور چائے واش روم میں پھینک آئی۔ اب اسے یہ ڈراما کچھ دنوں تک تو کرنا تھا۔

"زویا جب اوکھلی میں سر دے ہی دیا ہے تو پھر....." وہ ایک ہاتھ سے اپنا سر کھجاتی باہر آئی تھی۔

"اگر پکڑی گئی تو.....؟" اس کے آگے وہ کچھ بھی سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

ایک ہفتہ کچھ یوں گزرا کہ وہ جڑے ہے اپنے بیڈ پر لیٹی رہتی۔ صبح کے آغاز کے ساتھ ٹھیک آٹھ بجے اس کا ناشتا وقار لے آتا، اور کچھ دیر بعد چائے اور ٹیبلٹس بھی پابندی سے دے دیتا لیکن یہ اور بات تھی کہ وہ پھینک دیتی تھی۔ بخار اب چیک کرنے کی ضرورت نہیں تھی وہ

Scanned with CamScanner

اسے نارمل کر چکی تھی۔ نزلہ، زکام کو بھی کنٹرول کر لیا تھا۔ کھانسنا اس کے موڈ پر منحصر ہوتا تھا۔ جب دل چاہتا کھانستی ورنہ خاموشی اختیار کر لیتی۔ امی، بہنوں سے بھی بات ہو رہی تھی۔ وہ اسے سچ مچ کووڈ پازیٹو مریض سمجھ کر بے شمار ہدایات دیتیں جنہیں وہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیتی۔ امی بار، بار اس کے سسرال والوں کا رویہ پوچھتیں اور وہ کیا بتاتی اس کا تو ابھی تک کسی سے سامنا ہی نہیں ہوا تھا۔ جب سے وہ دلہن بن کر آئی تھی تو کورنٹائن ہو گئی تھی۔ اب تک صرف وقار کا سامنا ہوا تھا اور وہ سامنا بھی کووڈ کی پوری احتیاطی تدابیر کے ساتھ ہوا تھا۔ اس لیے وہ اس کے بارے میں بھی کچھ سمجھ نہیں پائی تھی سوائے اس کے کہ وہ ایک خیال رکھنے والا انسان لگ رہا تھا۔ صبح سے شام تک وہ اس کی خدمت میں لگا رہتا۔ دوپہر میں تازہ کھچڑی ہو، یخنی ہو یا چار بجے کی چائے، وہ کبھی لیٹ نہیں ہوتا تھا۔ رات کا کھانا جو بھی ہوتا اس کے ساتھ سونے سے پہلے جوس یا پھر فروٹ ضرور۔ ہوتے، وہ خود کاٹ کر دیتا تھا۔ اب تک وہ دونوں بے تکلفی سے بات نہیں کر پائے تھے۔ وہ تو شرمندہ تھی اس لیے صرف سر جھکا کر ہاں یا نہ میں جواب دیتی تھی جبکہ وقار مختصر بات کرتا تھا اور ماسک لگانے کی وجہ سے وہ کبھی اس کے تاثرات جان نہیں پائی تھی۔

اب بھی وہ رات کا کھانا کھا کر لیٹ چکی تھی۔ جب وقار کی آواز آئی تھی۔ وہ الماری کے اس جانب تھا۔

"آپ کو اب کیسا لگ رہا ہے؟"

"جی..... اب بخار تو نہیں ہے، میں تینوں وقت چیک کر رہی ہوں۔ وہ نارمل ہی آ رہا ہے۔ حلق اور گلے کی خراش بھی کم ہے اور زکام تو بالکل نہیں ہے۔ بس ابھی کھانسی ہی ہے جو کبھی، کبھی آ رہی ہے۔" اس نے ماسک چہرے پر لگائے، لگائے کہا تھا۔

"چلیں، یہ تو اچھی بات ہے ہو سکتا ہے اگلے چند دنوں میں آپ اس مرض سے چھٹکارا پا لیں۔ لیکن یوں قرنٹائن ہو کر آپ بور ہو رہی ہوں گی یہاں میں کوئی ٹی وی نہیں لگا سکتا۔ اگر آپ کو میرا لیپ ٹاپ چاہیے تو میں دے سکتا ہوں۔ آج مجھے کام نہیں ہے لیپ ٹاپ پر۔" وہ فراخ دلی سے بولا تھا۔

"موویز وغیرہ دیکھتی ہوں گی تو لیپ ٹاپ پر دیکھ لیں۔" وہ بولنے کے ساتھ شاید اب اٹھ کر لیپ ٹاپ لانے جا رہا تھا۔

"نہیں، نہیں..... میں موویز نہیں دیکھتی۔ بس پاکستانی ڈرامے دیکھتی ہوں۔ وہ فون پر دیکھ لیتی ہوں۔ لیپ ٹاپ کی ضرورت نہیں۔" اس نے جلدی سے اسے جانے سے روک دیا تھا۔

"پاکستانی ڈرامے؟ صرف دیکھتی ہیں کہ کرتی بھی ہیں۔" اس کے لہجے میں مبہم سی مسکراہٹ جو اسے دل قدم پر بھی محسوس ہوئی تھی۔ اس نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔

"کہیں انہیں کوئی شک ہی نہ گزرا ہو۔"

لیکن وہاں ماسک سے ڈھکے چہرے سے اس کے تاثرات پوشیدہ سے لگ رہے تھے۔ لیکن ماسک سے جھانکتی دو آنکھیں اسے مسکراتی سی محسوس ہوئی تھیں۔

"نہیں، ڈراما نہیں پسند....." اس نے جلدی سے کہا تھا۔ اور واپس پلٹ گئی تھی۔ خود پر اس کی نظریں محسوس کرتی وہ اب نروس بھی ہو گئی تھی۔

"چلیں، اگلے ہفتے میں آپ کا ٹیسٹ کروا دوں گا۔ پھر آپ نارمل باہر جا سکتی ہیں سب سے گھل مل سکتی ہیں۔ میری بہنیں ... امی، ابو اور بھیا، بھابی سب آپ سے ملنے کو بے چین ہیں۔ اب تک تو آپ سے غائبانہ تعارف ہی ہوا ہے۔"

"جی، جی..... کیا سب سے گھل مل کر بات کرنا ضروری ہے۔"

"ہاں..... جب ایک خاندان میں سب مل کر رہتے ہیں تو گھل مل کر رہیں تو اچھا لگتا ہے۔ کیوں آپ کو پسند نہیں سب سے گھلنا ملنا۔" وہ اب کچھ حیرانی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"نہیں، بس ایسے ہی پوچھا تھا۔" اس نے جلدی بات ختم کی اور کروٹ لے کر سونے لگی۔ جانے کیوں

Scanned with CamScanner

digest library.com

اسے لگا تھا کہ وہ اس سے "نرمی" ہونے کی درخواست کر رہا ہے۔ اور وہ اب اس کی کوشش کو ناکام کرتی سو چکی تھی جبکہ وقار نے اٹھ کر لائٹ بند کرتے اسے ایک نظر دیکھا تھا۔

"یہ کچھ عجیب سی لگ رہی ہیں محترمہ۔ پتا نہیں آگے کیسے گزرے گی۔" وہ لائٹ آف کرتا اپنی سائڈ پر چلا گیا۔

☆☆☆

اس کی شادی کو دوسرا ہفتہ ہوا تھا۔ وہ اب اس ماحول کو خود کے لیے موافق سمجھ رہی تھی۔ اس دوسرے ہفتے میں اس کے اندر جو سسرالی دہشت تھی وہ کچھ کم ہو گئی تھی۔ اس لیے وہ اب مطمئن سی تھی۔ آج گھر میں شاید سب مہمان آئے ہوئے تھے۔ کان پڑی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ دن کے چار بجے تھے۔ ایسے میں اس کی دوست کا فون آ گیا۔

"ہیلو زویا، یہ تم نے میرے بارے میں کیا افواہ پھیلا رکھی ہے کہ مجھے کورونا ہو گیا وغیرہ۔ مجھے تو آج تک کورونا نہیں ہوا....." فون اٹھاتے ہی سارہ نے اس کے لتے لینے شروع کر دیے اور زویا اپنے ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔

"سارہ..... وہ میں نے یونہی کہہ دیا تھا کہ مجھے اپنی دوست سے کورونا ہو گیا ہے۔ یوں سمجھو سسرال والوں کا خوف کچھ یوں طاری ہوا کہ سمجھ ہی نہیں آیا کیا کہہ رہی ہوں۔ مجھے تو ساس ایلین جیسی لگ رہی تھیں اور سسرال مریخ..... سب نے اتنا ڈرا دیا تھا کہ سوائے تنہائی کے کوئی اور راستہ نظر نہیں آیا۔ اور میں نے جھٹ سے خود کو کوڈ پازیٹو کہہ دیا۔ اور اب سمجھ نہیں آ رہا کہ آگے کیسے سب کو کہوں کہ یہ سب جھوٹ تھا۔" وہ روہانسی ہوئے بولے چلی جا رہی تھی۔ اتنے دن کا غبار بھی تھا جو یوں اپنا راستہ بناتا نکل گیا تھا۔

"کیا..... تم نے یہ سب کیسے کیا۔ کچھ بھی کہتیں۔ سر درد، بخار کچھ بھی کہتیں۔ کورونا کہنے کی کیا ضرورت تھی۔" سارہ اپنا سر پکڑے بیٹھی تھی۔

"مجھے اس وقت جو سمجھ آیا وہ میں نے کیا۔ اب بہت جلد اس ڈرامے کا ڈراپ سین ہو جائے گا۔ بس مجھ سے اب یہ سب نہیں ہو رہا۔ اکیلے کمرے میں بند رہ کر تو میں پاگل ہی ہو جاؤں گی۔" اس نے کہا۔

"تو اب تم کب آؤ گی؟" سارہ نے فکر مندی سے پوچھا۔

"جب مجھے اس قید تنہائی سے نجات ملے گی۔" اس نے کہہ کر یک دم نظریں الماری کی جانب کی تھیں۔ جہاں وقار چائے اور بسکٹ ایک ٹرے میں لیے کھڑا تھا۔ اس نے فون کاٹ دیا۔ وقار کے چہرے کے تاثرات سے واضح تھا کہ اس نے سب سن لیا تھا۔

ٹرے میز پر پٹخ کر وہ دروازہ زور سے بند کر کے اس کے سر پر آ پہنچا تھا۔

"تو یہ ڈراما تھا۔" وہ پھنکارا تھا۔ وہ سفید پڑ گئی۔

"جی، مجھے معاف کر دیں۔ آپ غلط سمجھ رہے ہیں..... میرا آپ کو پریشان کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ میں بس گھبرا گئی تھی۔" وہ گھگیائی تھی۔

"یہ جھوٹ اور دھوکے میں شمار ہو گا۔ اگر گہرائی میں جائیں تو..." وہ اپنے لب بھینچے انتہائی غصے میں نظر آ رہا تھا۔

"مجھے سب نے ڈرایا تھا۔ سسرال اور اس کے رشتوں کے بارے میں ورنہ میں یوں جھوٹ نہیں بولتی۔" اسے اب رونا آنے لگا تھا۔

"لیکن آپ نے جھوٹ بولا ضرور ہے۔ اور مجھے جھوٹ سے نفرت ہے اور اتنا بڑا جھوٹ بول کر اپنی زندگی کا تماشا بنا کر..... بلکہ اپنی اور میری ہم دونوں کی زندگی کا تماشا بنا کر اگر آپ کو لگ رہا ہے کہ یہ معمولی سی غلطی ہے اور معافی سے جان چھوٹ جائے گی تو آپ بہت غلط ہیں۔ آپ یہاں کورنٹائن تھیں لیکن میں نہیں تھا۔ وہاں باہر سب کی باتوں کا میں نے سامنا کیا۔ دوستوں سے لے کر خاندان والوں کی الٹی سیدھی باتیں..... اچانک دلہن کو کورونا کیوں ہوا اور ولیمہ کینسل کیوں ہوا، یہ سب باتیں میں نے اور میرے خاندان والوں نے برداشت کی ہیں۔ یہ معمولی سی

Scanned with CamScanner

بات ہے آپ کے نزدیک..... آپ اپنے گھر ابھی فون کریں اور بتائیں کہ آپ نے کیا غلطی کی ہے۔ آخر انہیں بھی پتا چلنا چاہیے کہ ان کی بیٹی نے کیا، کیا ہے۔"
وہ جیسے پھٹ پڑا تھا اور اس کی کیفیت اور غصے کو دیکھ کر تو وہ بالکل ہی زرد ہو گئی تھی۔
"نہیں، پلیز کسی کو کچھ مت کہیں۔ سب مجھ پر غصہ کریں گے۔ میں آپ کو بتا رہی ہوں کہ یہ سب کیوں ہوا۔" اس نے اب روتے، روتے کہا تھا اور اپنی ساری کیفیات بتانی شروع کی تھیں۔ شادی اور سسرال سے جڑے رشتوں اور غیروں میں شادی اور گھر میں... ہونے والی گفتگو۔ ان کی اور اپنی پریشانی..... اس نے کچھ نہیں چھپایا اور اپنی ساری کزنز کی باتیں اس کے گوش گزار کر دیں۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ سنتا رہا یہاں تک کہ وہ بول کر تھک گئی تھی۔
"آپ کو ہم سب کیا جنگلی، گنوار، اجڈ اور جاہل نظر آئے تھے یا آپ کی بہنوں کو۔ جو یہ سب کہا گیا۔"
وہ بددل ہو گیا تھا۔ وہ خود بھی غیر لوگوں میں شادی کو پسند نہیں کرتا تھا۔ اور اب اس کی بات نے اس کی سوچ کو اور پختہ کر دیا تھا کہ شادی اپنوں میں ہی ہونی چاہیے، غیروں میں نہیں۔
اس نے پھر کچھ نہیں کہا۔ بس آنکھیں پونچھتی جا رہی تھی۔ چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ لیکن اب اسے پینے کا بالکل ہوش نہیں تھا۔
"آپ بس کسی کو مت بتائیں۔ یہ بہت بڑا احسان ہوگا۔" اس نے عاجزی اختیار کر لی۔
"ایک شرط پر۔" وہ کچھ دیر بعد بولا۔
اس نے صرف اسے دیکھنے پر اکتفا کیا اب منہ سے کچھ بولنے کی سکت نہیں رہی تھی۔
"آپ ایک سال تک اپنے مائیکے نہیں جائیں گی۔" اس کی آواز میں جو کٹھور پن تھا وہ صاف محسوس ہو رہا تھا۔ اور زویا کو لگا اس کی سانس بند ہو رہی ہے۔ ان چند منٹوں میں اسے اس کمرے میں اپنا دم گھٹتا محسوس ہونے لگا۔

وہ اب دل ہی دل میں اس ایک سال کا حساب لگا رہی تھی۔
ایک سال یعنی بارہ مہینے۔ اور ہر ماہ کے تیس دن۔ اور ہر دن میں چوبیس گھنٹے۔ کہاں تو وہ ایک، ایک پل گن رہی تھی اپنے لوگوں سے ملنے کے لیے اور اب اتنی بڑی جدائی۔ اسے اب سوائے سر جھکانے کے کچھ سمجھ نہیں آیا۔
"آپ کو اپنے آپ کو ثابت کرنا پڑے گا کہ آپ کتنی اچھی بہو ہیں۔ سسرال مرتع نہیں ہوتا۔ لیکن پھر مائیکا بھی نہیں ہوتا۔ آپ کو سسرال میں اپنی حیثیت منوانی ہوگی۔ اور..... رہی بات میری تو مجھے آپ کی یہ بچکانہ حرکت اتنی ناگوار گزری ہے کہ فی الحال مجھے آپ کی صورت بھی نہیں دیکھنی۔" وہ اس کا جواب سنے بغیر اٹھا اور دروازہ دھاڑ سے بند کر کے جا بھی چکا تھا۔ اور وہ لب بستہ بیٹھی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

آٹھ بجے تک وہ جا کر واپس بھی آ گیا اور وہ ویسے ہی بیٹھی رہی تھی۔ فون بیڈ کے قریب ویسے ہی پڑا تھا۔ اس کی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ سارہ کو فون کرتی یا امی سے ہی بات کر لیتی۔ اب اچانک وقار کے مزاج سے ڈر لگنے لگا تھا اسے۔
"امی نے کھانا بھیجا ہے، کھا لیں۔" وہ ٹرے اس کے بیڈ کے قریب رکھ کر اب وہیں ٹھہرا رہا۔ اس نے سر نہیں اٹھایا تھا۔ سر اٹھا کر دیکھنا بھی، کبھی کتنا مشکل لگتا ہے..... اس کی آنکھوں سے پھر سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی تھی۔
"کل صبح میرے ساتھ باہر چلیں۔ میں آپ کو ٹیسٹ کے لیے لے جاؤں گا۔ اور وہاں سے پھر سب کو یہی بتا کر دانا ہوگا کہ آپ اب بالکل صحت مند ہیں۔"
اسے اس کے آنسوؤں سے کوئی فرق ہی نہیں پڑا تھا۔
"آخر اس ڈرامے کا ڈراپ سین تو کرنا پڑے گا۔ کب تک یوں بیٹھ کر نوالے توڑتی رہیں گی۔" آخر میں اس کے لہجے کی کاٹ نے زویا کو بے حد رنج پہنچایا

digest library.com

تھا۔ مگر اس نے کچھ نہیں کہا۔

"کل صبح آٹھ بجے تک تیار ہو جایئے گا، ٹھیک ہے۔" وہ اب ماسک کے بنا ہی اس سے بات کر رہا تھا۔

"جی۔" اس نے سب سن کر بس اتنا ہی کہا۔

دوسرے دن وہ دونوں ساڑھے آٹھ تک نکل گئے تھے ٹیسٹ کروانے کے لیے۔ اِدھر اُدھر سڑکیں ناپتے وہ واپس گھر آ گئے تھے۔ "رپورٹ شام تک آجائے گی۔" کہتے وہ دونوں اپنے کمرے کی طرف بڑھے تھے۔ شام تک وقار نے "رپورٹ نارمل آگئی" کہہ کر اس ڈرامے کو ختم کر دیا تھا۔ اور وہ سب خوش ہو گئے تھے۔ وہ اب بھی کمرے میں ہی تھی۔ وقار نے روم صاف کرنے کا بہانہ کر کے کسی کو روم میں جانے نہیں دیا تھا۔ گو کہ کمرا سٹیریلائز کر دیا تھا۔ لیکن الماری جوں کی توں ہی تھی۔ وقار اب بھی اس سے ناراض ہی تھا۔

شام میں امی کا فون آیا اور اس کے ساتھ ساری بہنیں وقفے، وقفے سے فون کرتی رہیں۔ وہ سب کو مطمئن کرتی رہی حالانکہ وہ خود عجیب ہی صورتِ حال میں گھر چکی تھی۔ جس کے حوالے سے وہ سسرال میں تھی وہ بات تک کرنے کا روادار نہیں تھا۔ امی نے اسے بلانے کی بات کی تو وہ خاموش ہو گئی اور ابھی کچھ دن بعد کا کہہ کر ٹال دیا تھا اور خود اسی ادھیڑ بن میں تھی کہ وہ سب کو کیا بتائے گی۔ نئی نویلی دلہن ایک سال تک مائیکے نہ جائے تو ہنگامہ ہو جاتا ہے۔ اور وہ آنے والے اس ہنگامے سے خوفزدہ تھی۔

دوسرے دن وہ ابھی سو رہی تھی کہ الماری کی کھٹ پٹ آوازوں سے اٹھ گئی۔ وہ پتا نہیں کیا کر رہا تھا..... الماری کے پٹ کھول بند کرتا وہ اسے بہت عجیب ہی لگا۔

"اتنے دن آپ نے بیماری کا بہانہ بنایا اور دس بجے تک سوتی رہیں لیکن اب آپ نارمل ہو چکی ہیں۔ آپ کو ناشتے میں بھابی کی مدد کرنی چاہیے وہ اکیلی لگی ہوئی ہیں کچن میں۔" وہ اب الماری کا پٹ بند کر چکا تھا۔

کیا یہ اسے اٹھانے کا طریقہ تھا؟

وہ جلدی سے اٹھی تھی۔ اور باہر کی طرف بھاگنے والی تھی کہ وقار سامنے آ گیا۔ اس طرح کہ اگر وہ بھاگنے کی رفتار کو قابو میں نہ کرتی تو وہ اس سے بری طرح ٹکرا سکتی تھی۔

"پہلے فریش ہو کر جائیں۔ کہا تھا ناں سسرال ہے، ہر چیز کا دھیان رکھنا پڑتا ہے۔" وہ باتھ روم کی جانب اشارہ کرتے اب اس کے سامنے سے ہٹا تو وہ مرے، مرے قدموں سے واش روم کی جانب بڑھ گئی۔

وہ سیدھا کچن میں آ گئی تھی۔ جہاں بھابی روٹی بنا رہی تھیں جبکہ ساس نے پیاز کی ٹوکری سنبھالی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولیں۔

"ارے زویا، تم کیوں آئیں۔ ہم دونوں کر لیں گے۔ تم آرام کرو بیٹی۔"

"نہیں، میں کچھ ہیلپ کر دوں آپ کی۔" وہ جلدی سے آگے بڑھی تھی۔

"امی، ویسے بھی زویا اتنے دن سے آرام ہی تو کر رہی تھی۔ اب تو کچھ کرنے دیں۔" اس کی جیٹھانی ہنستے ہوئے روٹی توے پر ڈالتے بولی تھیں۔ زویا کے قدم وہیں رک گئے۔ ایک لمحے میں وہ اس طرح ساکت سی ہو گئی تھی۔

"تو آرام کرنے کے ہی تو دن تھے اس کے۔ ایسا بھی کیا ہوا۔ جاؤ بیٹی، ایسا کرو تم ٹیبل لگا دو۔ بشریٰ سب کو آواز دے، دے گی۔" انہوں نے بیٹی کا نام لیا تھا اور اسے روٹی کی ڈلیا دے کر باہر بھیجا تھا۔

وہ باہر لاؤنج میں آئی اور ٹیبل پر برتن لگانے لگی۔ ایک، ایک کر کے سب آنے لگے تھے۔ اس کے سسر، جیٹھ، دیور اور نند۔ وہ مسکرا کر سب کے لیے پلیٹ لگانے لگی۔

"وقار نہیں آیا۔ کہاں ہے؟" اس کے سسر نے اسے دیکھا۔

"وہ ....." وہ کچھ کہتی اس سے پہلے ہی کمرے سے وقار بھی آ گیا تھا۔

"میں یہیں ہوں ابو۔" وہ اس پر ایک نظر ڈالتا کرسی کھینچ کر بیٹھا تھا۔

Scanned with CamScanner

وہ واپس کچن میں آئی اور اب روٹی بنانے میں جیٹھانی کی مدد کرنے لگی تھی ساس باہر ٹیبل پر سب کے پاس چلی گئی تھیں۔

☆☆☆

اس دن سب کے جانے کے بعد وہ خواتین کھانے بیٹھی تھیں۔ بھابی نے کوفتے بنائے تھے اور آلو مٹر کی سبزی اور چاول رکھے تھے۔ اس کی نند اور دیور دونوں ابھی پڑھ رہے تھے۔ اس لیے وہ کالج چلے جاتے۔ سسر اور جیٹھ کا اپنا کاروبار تھا۔ جبکہ وقار کی اپنی پرائیویٹ نوکری تھی۔

ساس اور جیٹھانی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کا اس کا یہ پہلا تجربہ تھا اور نہایت خوشگوار رہا۔ اور وہ پرسکون ہی رہی تھی۔

تیسری صبح امی نے فون کیا تھا کہ وہ آرہی ہیں اور وہ خوش ہوگئی تھی۔ امی، ابو کے آنے کی خبر نے اس پر خوشگوار اثر ڈالا تھا۔ وہ صبح ناشتا بنا کر ہٹی تھی۔ دوپہر کو منزہ بھابی بریانی بنا کر اس کے کمرے میں آئی تھیں۔ پہلے تو الماری دیکھ کر وہ حیران ہوگئیں۔

"ارے زویا، یہ الماری ایسے کیوں رکھی ہے؟"

"بھابی، انہیں فرصت نہیں تھی تو بعد میں ہٹانے کے لیے کہا تھا۔" اس نے جھوک لگتے ہوئے کہا تھا۔

"اچھا..... مگر آپ کی امی آئیں گی۔ ایسے اچھا نہیں لگ رہا۔ اب وقار آئے تو اسے کہوں گی کہ فوراً دیوار سے لگا دے۔ کتنی عجیب لگ رہی ہے اس طرح کمرے کے بیچوں بیچ۔" انہوں نے الماری اور سارے کمرے پر ایک نظر ڈالی تھی۔

"اچھا..... ایسا کرو کوئی اچھی ساڑی نکال لو۔ ہم تمہیں تیار کرنے آئے ہیں امی اور بہن آرہی ہیں ناں تو تھوڑا اہتمام سے تیار ہو جاؤ۔" انہوں نے اپنے ساتھ کھڑی بشریٰ کو اشارہ کیا۔ جو جب سے بے پروائی سے کھڑی تھی۔ بشریٰ عام کالج گرل جیسی بے پروا قسم کی لڑکی تھی۔ وہ زیادہ گھریلو کاموں اور گھریلو سیاست سے دور ہی رہتی تھی۔ اب بھی فون میں انسٹا اسکرول کر رہی تھی۔

اس نے اپنے لیے ہلکے نارنجی رنگ کی ساڑی نکالی مگر بھابی نے اسے ناپسند کر کے دوسری گہرے میرون رنگ کی پیور سلک کی ساڑی نکالی۔ اور اسے تیار کرنے لگیں۔ وہ اسے ساڑی پہنا کر اب ہلکا پھلکا میک اپ کر رہی تھیں جب وقار اندر آیا تھا۔

"یہ میرے کمرے میں اکنامکس کا دھاوا کیوں ہوا ہے....." وہ اپنا آفس بیگ بیڈ کے ایک سائڈ پر رکھتا اب اپنے جوتے نکال رہا تھا۔

"زویا کی امی آرہی ہیں۔ اس لیے آپ کی بیگم کو تیار کر رہے ہیں روز تو باسی دلہنوں والا حلیہ بنائے رکھتی ہے۔ تم کچھ کہتے نہیں ہو کیا؟" بھابی اب اس کی آنکھوں پر آئی لائنر لگا رہی تھیں۔

"کیا کہوں..... بیوٹی پارلر سے تازہ، تازہ دلہن بن کر آئی تھیں تب کچھ نہیں کہہ پایا تھا..... اب کیا کہوں گا۔" اس نے جوتے اتارے اور اب ان بند آنکھوں کو دیکھنے لگا تھا۔ بند آنکھیں کھلی آنکھوں سے زیادہ سحر انگیز لگ رہی تھیں۔ دل میں باوجود ناراضی کے وہ اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ وہ بلاشبہ ان بند آنکھوں، بندلبوں اور شانوں سے نیچے جاتے بالوں اور ان پر سجے موتیوں کے کلپ کے ساتھ ساحرہ لگ رہی تھی۔

"اب لگ رہی ہو نئی نویلی دلہن۔" بھابی نے اسے آنکھیں کھولنے کو کہا تھا۔ اور وقار اس کے آنکھیں کھولنے سے پہلے ہی پلٹ گیا تھا۔

"میں ابو کے پاس جا رہا ہوں بھابی۔" وہ کمرے سے نکل گیا اور زویا اپنے سجے سنورے دلکش سراپا پر ایک اداس نظر ڈالتی ہٹ گئی تھی۔

چار بجے تک امی ابو اور اس کی خالہ زاد بہن آگئی تھیں۔ شام کا کھانا بھابی نے پورے اہتمام سے بنایا تھا۔ نہایت خوش دلی سے یہ محفل اختتام پزیر ہوئی تھی۔

امی اسے یوں بھی سنوری دیکھ کر نہال ہوگئی تھیں۔ اب وہ اس کے کمرے میں آئی تھیں۔ کمرے میں جاتے ہی الماری پر ہی نظر جاتی تھی۔ زویا نے کہہ دیا کہ "ابھی اس الماری کا کچھ کام ہے۔ اس لیے اسے

digest library.com

ہٹایا نہیں گیا۔" امی بھی مطمئن ہو گئی تھیں۔ کچھ دیر بعد وقار اندر آیا تھا بشریٰ اور منزہ بھی ساتھ تھیں۔

"وقار بھائی، اب جلد ہی ہمارے یہاں بھی آجائیں۔ سب شدت سے منتظر ہیں کہ آپ سب کب آئیں گے اور دعوتوں کا سلسلہ شروع ہو۔ پہلے ہی کافی لیٹ ہو گئے ہیں آپ لوگ۔ ایک تو زویا کو کورونا ہوا اور اب شادی ہال نہیں ملا۔ اور ولیمہ تین مہینے لیٹ ہو گیا۔ اب پہلے ہمارے یہاں کی دعوتیں ہوں گی پھر ولیمہ ہوگا۔" اس کی خالہ زاد بہن ہنس کر کہہ رہی تھی۔ جبکہ وقار کے چہرے کے رنگ بدلنے لگے تھے۔ وہ لب بھینچے ان سب کو دیکھ رہا تھا۔

"آپ صحیح کہہ رہی ہیں۔ اس کورونا کی وجہ سے کافی کچھ لیٹ ہو گیا ہے۔ جس میں ہمارا ولیمہ بھی ہے۔ اور میں نے سوچ لیا ہے جب تک ولیمہ نہ ہو میں بھی کسی اور کی دعوت کو قبول نہیں کروں گا کیونکہ یہ مجھے بھی عجیب ہی لگتا ہے۔ اس لیے ساری دعوتیں کینسل ہی سمجھیں۔" وہ بظاہر ہنس کر بول رہا تھا مگر اس کے لہجے کی تلخی زویا کو بہت شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔

امی اور کزن حیران سی ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں آیا وہ سچ کہہ رہا تھا یا مذاق۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ اس طرح تو نہ کریں وقار بھائی۔ زندگی کا حسن تو ملنے ملانے میں ہے۔ آپ کیوں دعوتیں کینسل کرنے کی بات کر رہے ہیں۔"

"ابھی انہیں سسرال کی دعوتیں اٹینڈ کرنی ہیں، وہ کرنے دیں ویسے بھی محترمہ کے دل میں سسرال کے لیے کافی دہشت بیٹھی ہوئی ہے۔ ذرا وہ دہشت تو دور ہو جائے۔" اب وہ براہِ راست زویا کو دیکھ کر بولا تھا۔ جس کا چہرہ اس بات پر اتر گیا تھا۔

"سسرال کی دہشت..... ارے نہیں آپ لوگ تو کافی ملنسار اور محبت والے لوگ ہیں۔ ماشاء اللہ ہماری زویا تو خوش نصیب لگ رہی ہے۔" بہن نے پھر ہنس کر بات سنبھالی تھی۔

"اگر یہ بات زویا صاحبہ کہیں گی تو سرٹیفائیڈ ہو گی۔ ورنہ نہیں..... ہیں نا؟" وہ اب زویا پر نظریں جمائے بولا۔

"باجی، آپ کے لیے چائے لاؤں۔" زویا جلدی سے اٹھی تھی۔ اس کا دل یوں بھی یہاں سے بھاگ جانے کو چاہ رہا تھا۔

"وقار بیٹے، مذاق ایک طرف..... مگر اتنے دن ہو گئے آپ لوگ ہمارے گھر بھی تشریف لے آئیں۔ بلکہ سب ہی..... تاکہ مل بیٹھنے کا موقع ملے۔ اگلے ہفتے کچھ پلان بنائیں اور آجائیں۔ باقی دعوتیں تو چلتی رہیں گی۔" امی نے نرمی سے کہا تھا شاید ان کی نرمی ہی کا اثر تھا کہ وقار اب کوئی تلخ بات نہیں کر پایا تھا۔

امی، ابو اور بہن چلی گئی تھی۔ وہ کسی حد تک مطمئن ہو کر ہی گئی تھیں۔ ساس کی محبت، جیٹھانی کا اخلاق اور گھر کے ماحول اور وقار کے رویے نے ان کے دل کے سارے شکوک دور کر دیے تھے۔ لیکن پھر بھی جاتے ہوئے بہن نے کانا پھوسی ضرور کی۔ کچھ مشورے دیے اور ان پر سختی سے عمل پیرا ہونے کی تاکید کی۔ اور وہ یہ بھی نہیں کہہ سکی کہ دراصل مسئلہ ان لوگوں کی سسرال والوں کو لے کر بے جا بیان بازی ہی تھی جس کی وجہ سے وہ آج کل اس صورتِ حال سے گزر رہی تھی۔ اس کے بولنے، بتانے سے پہلے ہی وہ لوگ چلی گئیں۔ اور وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں آ گئی۔ وقار ابھی نہیں آیا تھا۔ وہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے اس کا شکریہ ادا کرنا تھا۔ کچھ دیر بعد جب اسے اس کے قدموں کی آہٹ سے پتا لگا کہ وہ آ گیا ہے تو وہ سیدھی ہو کر بیٹھی تھی رات میں برش وغیرہ کرنا اس کی عادت تھی۔ اتنے دن میں اسے اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ باتھ روم سے باہر آیا اور اب دروازہ بند کرتا وہ سونے کے لیے لیٹنے والا تھا۔ جب اس نے اسے گلا کھنکھار کر کہا تھا۔

"آپ کا بہت شکریہ۔" بڑی مشکل سے اس کے حلق سے آواز نکلی تھی۔

"شکریہ لیکن کس بات کا؟" اس کی خشک سی

Scanned with CamScanner

آواز آئی تھی۔

"آپ نے امی ابو کے ساتھ کوئی غلط رویہ نہیں اپنایا۔ سب کے ساتھ بہت خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ اور..... اور..... کچھ بتایا بھی نہیں۔" وہ اٹک، اٹک کر بول رہی تھی۔

"جب رشتہ ہوتا ہے تو وہ صرف میاں بیوی کا رشتہ نہیں رہتا۔ پورے خاندان کے ساتھ رشتہ جڑ جاتا ہے۔ تو ایک دوسرے کے ساتھ محبت و خلوص سے ہی پیش آنا چاہیے۔ نا کہ انہیں جلاد سمجھ لیا جائے۔" اتنی دور سے بھی اسے اس کے لہجے کی تپش محسوس ہوئی تھی۔

"اس کے لیے مجھے معاف کر دیں۔ مجھے اس طرح نہیں کرنا چاہیے تھا۔" اس کی آواز پھر بھرائی تھی۔

"ہوں..... اب سونے کی اجازت ہے؟" وہ شاید اب لیٹ گیا تھا۔ اور اب اس سے اجازت لے رہا تھا۔

"جی۔" وہ اس کی بات پر یک دم خاموش ہوئی۔ اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا اس نے اپنے بیڈ کی سائڈ کا بلب آف کیا تھا۔ وہ بالکل بھی نہیں چاہتی تھی کہ وہ یہ سمجھے کہ وہ اس سے فری ہونے کی کوشش کر رہی ہے۔

☆☆☆

آج اتوار تھا۔ آج اس کی دونوں نندیں مع بچوں کے آ گئی تھیں۔ گھر میں چہل پہل سی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بھی سب کے پاس باہر آ کر بیٹھ گئی۔ ان دونوں سے پہلی بار اس کی تفصیلی ملاقات ہوئی تھی۔ بڑی نند کے چار بچے تھے جبکہ چھوٹی نند تین بچوں کی ماں تھی۔ ان کے بچوں نے سارے گھر میں دھمال مچایا ہوا تھا۔ جس میں جیٹھانی کے تین چھوٹے بچے بھی شامل تھے۔

"سسرال کیسا لگا زویا؟" اس کی بڑی نند اسے دیکھ کر مسکرا کر پوچھ رہی تھیں۔

"جی باجی، آپ سب بہت اچھے ہیں۔" وہ سچے دل سے آج بولی تھی۔ ابھی تک اسے کسی قسم کی تلخ، ترش باتیں سننے کو نہیں ملی تھیں۔ اس لیے وہ کچھ غلط تاثر قائم نہیں کر پائی تھی۔

"زویا، ہمارے یہاں شروع سے ہی ایک دوسرے کے ساتھ بہت پیار بھرا متوازن رویہ رکھنے کی عادت ہے۔ ہم سب کو ایک موتی کی مالا طرح رہنے کی عادت ہوگئی ہے۔ اس میں ساری محنت امی کی ہے۔ ان کی تربیت سے ہی ہم سب اپنے، اپنے گھروں میں بھی خوش ہیں اس کے علاوہ جب بھی میکے آتے ہیں ہمارے بھائی بے انتہا قدر و عزت دیتے ہیں۔" اس کی چھوٹی نند اسے اپنے پاس بٹھائے بول رہی تھی اور وہ سر جھکائے سن رہی تھی۔

"لیکن آپ اتنی خاموش رہتی ہیں بھابی۔" بشریٰ نے شکوہ کیا تھا۔ "میں تو سوچ رہی تھی، آپ سے میری خوب جمے گی۔ ڈھیر ساری گپ شپ لگاؤں گی۔ کچھ بھابیاں کتنی خوش مزاج ہوتی ہیں۔ آپ بہت ہی ریزرو لگتی ہیں۔" بشریٰ اپنے بہنوں کے بیچ گھسی بیٹھی تھی۔

"ہاں، کافی سنجیدہ طبیعت کی ہے۔ میں کہتی رہتی ہوں کہ سب کے ساتھ گھل مل کر رہو۔ لیکن ابھی وہ ہم سے مکس اپ نہیں ہوئی۔" اس کی جیٹھانی نے اس کے ہاتھ میں چائے کی ٹرے دی تھی۔ اور سب کو چائے دینے کا کہا تھا۔

اس نے ٹرے اٹھائی تھی اور سب کو چائے دینے لگی۔ پہلے سر کو دے کر جیٹھ اور نندوئیوں کو دے کر وہ وقار کے پاس آئی تھی۔ اس کے سامنے اس کے ہاتھ یونہی کانپتے تھے وقار بہن کے بچے کو گود میں لیے بیٹھا تھا۔ اس نے جب چائے کا کپ اس کی طرف بڑھایا تھا تبھی اس بچے نے اپنا ہاتھ سامنے کر دیا۔ دو سیکنڈ کے فرق سے وہ چائے اس بچے کے ہاتھ پر گر گئی۔ اور گرم، گرم چائے گرتے ہی بچے نے چیخ مار کر رونا شروع کر دیا تھا..... وہ یک دم حواس باختہ سی ہو کر وقار کو دیکھ رہی تھی جو اس پر ایک قہر بھری نظر ڈالتا اب بچے کو لے کر واش بیسن کی جانب چلا گیا تھا۔

"ارے یہ کیا ہوا..... یہ کیا کر دیا۔" اس کی ساس، نند بیک وقت بول پڑی تھیں جبکہ اس کا چہرہ زرد

Scanned with CamScanner

digest library.co

پڑ گیا تھا۔

"کس قدر بے پروائی ہے۔ گرم چائے تھی میری گود میں چھوٹا بچہ تھا..... بجائے ہاتھ میں دینے کے ٹیبل پر رکھ دینا چاہیے تھا۔ ایک تو معصوم ہے اور اپنی دادی کا لاڈلا۔ چھالا آ گیا ہے بچے کے ہاتھ پر۔ اب پتا نہیں دادی کیا کہیں گی۔" وہ اسے سب کے سامنے باتیں سنا رہا تھا اور وہ مجرموں کی طرح خاموش کھڑی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو یوں گرنے لگے جیسے جھڑی لگ گئی ہو۔

ساس اور نند اب بچے کو سنبھالنے میں لگی تھیں۔ اس کی چھوٹی نند چپ چاپ اسے روتے دیکھ رہی تھی۔ جبکہ جیٹھانی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر گویا تسلی دی تھی۔

"زویا بیٹی، کوئی بات نہیں۔ ایسا ہو جاتا ہے۔ روؤ مت بیٹا۔" یہ اس کے سسر تھے جو اس کے رونے سے پریشان ہو گئے تھے اور اب تسلی دے رہے تھے۔

اس کے رونے میں شدت آ گئی تھی۔ اب وہ وہاں رکنے کے بجائے بھاگ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

شام تک بھی وہ اپنے کمرے سے باہر نہیں نکلی۔ یہاں تک کہ کھانے کا وقت ہو گیا۔ بشریٰ اسے بلانے آئی تو اس نے "بھوک نہیں" کہہ کر منع کر دیا۔ وہ تکیہ میں منہ چھپائے رونے میں مصروف تھی۔ جب وقار کھنکھارتا کمرے میں داخل ہوا تھا۔

"کھانے پر کیوں نہیں آئیں؟" وہ الماری سے ٹیک لگائے اس سے پوچھ رہا تھا۔

"بھوک نہیں ہے۔" اس نے پھر وہی بہانہ کیا۔ روتے رہنے سے آواز بھی بھاری ہو گئی تھی۔

"اپنی غلطی پر میرا ڈانٹنا اچھا نہیں لگا۔" وہ اس کے روئے، روئے چہرے پر ایک سرسری سی نظر ڈال کر گویا ہوا تھا۔ وہ چپ رہی۔

"چلیں کوئی بات نہیں۔ آئندہ سے خیال رکھوں گا۔ چلیں کھانے آ جائیں۔" وہ نرمی سے بولا۔ مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں پھر سے نمی آنے لگی۔ ماں باپ بہنیں سب شدت سے یاد آ رہی تھیں۔ کہاں وہ یہاں وہاں چھلانگیں مارتی پھرتی تھی۔ کبھی کملا ٹوٹ جاتا کبھی ابو کا پسندیدہ مگ اور یونہی چلتے پھرتے تو وہ نہ جانے کتنے چینی کے برتن توڑ چکی تھی۔ وہاں کسی کا ڈر نہیں ہوتا تھا۔ امی ڈانٹتی تھیں تب بھی برا نہیں لگتا تھا۔ امی اس پر چلاتیں اور وہ ہنستی جاتی۔ کتنا عجیب تضاد تھا میکے اور سسرال میں رویوں کا۔ وہ یہاں یوں بھی پھونک، پھونک کر قدم رکھ رہی تھی پھر بھی..... وہ اپنے خیالات کی رو میں اتنی مگن تھی کہ آنسو بہہ رہے تھے اور اسے انہیں صاف کرنے کا بھی خیال نہیں رہا تھا۔ اور روتی زویا، وقار کا صبر آزما رہی تھی۔ کہاں وہ اسے ایک چالاک قسم کی بولڈ لڑکی سمجھ رہا تھا جس نے جان بوجھ کر شوہر کو ایک ذہنی اذیت دینے کی کوشش کی

خوشیوں کی کنجی

ہم اکثر خوشیوں کو اپنی ذات کے باہر تلاش کرتے ہیں حالانکہ مادی اشیا ہماری خوشیوں کا حقیقی ذریعہ نہیں ہیں۔ ملکہ کی خوشی کے حصول کے لیے اپنے اندر موجود خاصیتی کرداروں کو اجاگر کرنا ہوگا۔ خوشی کی کنجی، ہماری اندرونی صلاحیتوں اور کرداری قوتوں کو ظاہر کرتی ہے۔ ہم ان خصوصیات کو استعمال کر سکتے ہیں، ان کے ساتھ کام کر سکتے ہیں اور انہیں بڑھا سکتے ہیں۔ زیادہ عرصے تک خوش رہنے کے لیے اگر ہم زندگیوں میں خوشیوں کے ذرائع کی شناخت کریں اور اس کی رجائیت میں کوشش کریں تو ہم اکثر زندگی سے مطمئن ہونے کی اوسط شرح کو بڑھا سکتے ہیں۔ ہمارے پاس خوشیوں کا بے پناہ خزانہ موجود ہے اور اس کے لیے انتخاب کی ایک بڑی تعداد ہے۔ انسان ایک سماجی مخلوق ہے وہ سارا دن "کی بورڈ" کے آگے تنہا بیٹھنے کے لیے تخلیق نہیں کیا گیا، دیگر لوگوں کے ساتھ تعلقات ہمیں خوش رکھتے ہیں۔ مثلاً دوست، والدین، بچوں کے ساتھ قریبی تعلق اور جب ہم ان سے نسبت اور میل ملاپ رکھتے ہیں تو خوش رہتے ہیں۔ زندگی کو بامقصد بنائیں۔ نئے موضوعات اور معلومات میں مہارت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ خود کو دوسروں کو دانش مندانہ مشورہ مہیا کرنے کے قابل بنائیں۔ ہمیشہ سچ بولیں، بہادری سے چیلنجوں، مشکلات اور تکالیف سے مقابلہ کرنا سیکھیں۔ مہربانی اور انسانیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دوسروں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آئیں۔ اپنے اور دوسروں کے احساسات و جذبات کے بارے میں باشعور رہیں۔

از: آسیہ عامر، کراچی

Scanned with CamScanner

تھی اور کہاں یہ روتی دھوتی معصوم سی زویا۔ وہ اس کی شخصیت کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے لگا تھا وہ پلٹ کر ترکی بہ ترکی جواب دے گی۔ اس کی غلطی کو بھی پوائنٹ آؤٹ کرے گی۔ آخر اس کی بھی تو غلطی تھی اسے بھی تو بچے کا خیال رکھنا تھا..... اپنے ڈانٹنے پر روتی ہوئی زویا کے لیے اس کے دل میں ایسے نرم احساس پیدا ہوئے کہ وہ خود حیران رہ گیا۔

''اب چل رہی ہیں کہ ایک اور سال مائیکا نہ جانے کی سزا سنا دوں۔'' وہ اب مصنوعی سختی سے بولا تھا جسے سچ سمجھ کر زویا جھٹ اٹھ بیٹھی تھی۔

''نہیں، میں آ رہی ہوں..... پلیز۔'' اس نے جلدی سے آنسو پونچھے تھے۔ ایک سال میکے سے دور رہنے کی سزا ہی بہت تھی پھر وہ اپنے میکے کو شدت سے مس کر رہی تھی۔ اب ایک اور بار وہ یہ رسک نہیں لے سکتی تھی۔

''جلدی کریں پھر۔'' بے ساختہ آتی مسکراہٹ کو اپنے ہونٹوں میں دباتا وہ ہنوز سخت انداز میں بول کر باہر آ گیا تھا۔ زویا اس کے پیچھے، پیچھے آئی تھی۔ جہاں سب اس کے منتظر تھے اور ہاتھ روک کر بیٹھے تھے۔ وہ بے حد شرمندہ ہوئی تھی۔ اور دل ہی دل میں شکر بھی ادا کیا تھا کہ وہ آ گئی تھی۔ اگر نہ آتی تو خواہ مخواہ میں کشیدگی پیدا ہوتی۔

اس کی ساس اس کی پلیٹ میں چاول ڈالنے لگیں جبکہ بشریٰ نے جلدی سے پانی کا گلاس اس کے سامنے رکھا تھا۔

''چلیں سب بسم اللہ کریں۔'' منزہ بھابی مسکرا کر بولیں اور وہ سب معمول کے انداز میں ہنستے، مسکراتے کھانا کھانے لگے۔

اس کی نندوں کا رویہ بھی اسے نارمل ہی لگا اور وہ مطمئن سی اپنے کمرے میں واپس آئی تھی۔

''شکریہ تو آپ کا بھی بنتا ہے۔ بہت جلدی میری بات مان لی۔ زیادہ نخرا نہیں کیا۔'' وہ اس سے پہلے کمرے میں موجود تھا۔

''آپ کی شرط ہی ایسی تھی۔'' وہ معصوم سی بولی۔

''لیکن ایک بات تو آپ کو سمجھ آ گئی ہوگی کہ ایک چھوٹے سے عمل نے سب کے دلوں میں آپ کے لیے جو عزت اس وقت پیدا کی وہ کتنی اہم ہے۔ اگر آپ یونہی روٹھ کر خفا ہو کر یہیں بیٹھی رہتیں تب سب کا ردعمل بہت مختلف ہوتا۔ سب کو آپ مغرور لگتیں۔ اپنی غلطی نہ تسلیم کرنے والی..... لیکن آپ کے آ جانے سے جو سب کے چہروں پر اطمینان آیا تھا وہ بہت اہم ہوتا ہے۔'' وہ بول رہا تھا اور وہ سر جھکائے سن رہی تھی۔ اس کی باتیں غلط بھی نہیں لگ رہی تھیں۔ ہاں وہ سمجھ گئی تھی کہ کبھی، کبھی چھوٹی بات بتنگڑ بن جاتی ہے اور کبھی ایک بڑی بات حکمت سے ٹالی جا سکتی ہے۔

اس دن کے بعد اس کے رویے میں کافی تبدیلی آئی تھی۔ اسے یہ بھی احساس ہو گیا تھا کہ ہر جگہ محبت دو اور محبت لو پر عمل پیرا ہوا جائے تو زندگی سہل لگتی ہے۔ اس نے بھی محبت کو اپنا نصب العین بنا لیا تھا اور اسے سب سے محبت مل بھی رہی تھی وہ سرشار سی تھی اسے اب وقار کی فطرت سے بھی واقفیت ہو رہی تھی اور اسے وہ رشتے نبھانے والا لگا تھا۔ ہر رشتے کی اہمیت سمجھنے والا۔ ہر رشتے کی حدود کا خیال رکھنے والا۔

☆☆☆

اس کی اچھی بھلی جیٹھانی منزہ اچانک بیمار پڑ گئیں اور کچن کی ذمے داری زویا اور ساس کے ذمے لگی۔ بشریٰ کے ایگزام چل رہے تھے اس لیے اب وہی تھی جسے اس صورتِ حال سے اچھی طرح نمٹنا تھا۔ اور نہ جانے کیوں اسے لگا تھا کہ یہ اس کے لیے ایک بہترین موقع ہے اپنے آپ کو اچھی بہو ثابت کرنے کا۔ سو وہ دل جمعی سے ہر کام کر رہی تھی۔ اس کی سسرال میں دو طرح کے سالن، روٹی اور چاول بنتے تھے جبکہ بچوں کا فرمائشی کھانا بھی ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ سسر کے لیے تین وقت چائے اور جوس وغیرہ بنانا یہ اضافی تھا۔ بچے بڑے ٹفن لے جاتے تھے۔ اس کا بھی دھیان رکھنا پڑتا تھا۔ منزہ بھابی کی بیماری ایک ہفتے سے اوپر ہو گئی تھی۔ اسپتال کے بھی چکر لگ رہے تھے۔ اور ان کا پرہیزی کھانا بنانے کی ذمے داری بھی زویا کے سر پر

Scanned with CamScanner

digest library.com

آپڑی تھی۔ منزہ وائرل انفیکشن کا شکار ہو گئی تھیں۔ بخار اور کمزوری بھی شدید ہو گئی تھی۔

ایک ہفتے تک زویا بھاگ، بھاگ کر سب کے کام نمٹا رہی تھی۔ اور ان بھاگتے لمحوں میں اسے کبھی وقار کا سامنا ہوتا تو اسے اس کی آنکھوں میں کچھ ستائشی جذبہ نظر آتا تو کبھی کوئی نوخیزی محبت نظر آنے لگتی اور وہ نظر چرا کر اپنے کاموں کی طرف دوڑتی۔

اس دن بھی وہ صبح کچن میں تھی۔ دو ہاتھوں سے چار ہاتھوں کا کام کرتے وہ مسلسل ہنڈیا اور ڈائننگ ٹیبل بھی دیکھ رہی تھی۔ تب منزہ بھابی اس کے پاس آئی تھیں۔

"زویا، یہ شافعہ کے لنچ میں میکرونی کیوں دی ہے۔ وہ تو اوٹس oats کہہ رہی تھی۔"

"اوہ، بھول گئی بھابی۔ آج میکرونی ہی لے جاؤ شافعہ..... ہاں۔" اس نے شافعہ کو دیکھ کر سالن کی دیگچی دیکھی۔

"نہیں، مجھے اوٹس ہی چاہیے۔" شافعہ ضدی لہجہ میں بولی تھی۔ اور اسے یک دم غصہ آ گیا تھا۔

"کیا ہو گا شافعہ..... اگر ایک بار میکرونی لے گئیں تو۔ ایک ہی بار لے جاؤ ناں۔" اس کے تیز لہجے پر منزہ بھابی نے اس پر تیز نظریں ڈالی تھیں۔

"زویا، وہ میکرونی نہیں کھاتی۔ تمہیں آج تک یہ بات پتا نہیں چلی..... اتنے دن سے تمہیں اتنا بھی پتا نہیں چل سکا۔"

پتا نہیں منزہ بھابی کا لہجہ تلخ تھا یا وہ مسلسل کام کے بوجھ تلے چڑچڑی ہو گئی تھی کہ فوراً بول پڑی۔

"اتنے دن سے کچن میں میں کام..... کر رہی ہوں، آپ نہیں۔ اگر شافعہ میکرونی نہیں کھاتی تو آپ مجھے پہلے بتا سکتی تھیں بجائے اب مجھ پر طنز کرنے کے۔" اس نے بولتے ہوئے چمچ گیس برنر پر پٹخ دیا اور غصے سے کچن سے باہر آ گئی۔

روم میں آئی تو وقار ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا ٹائی باندھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ آئینہ میں نظر آ رہا تھا۔ سرخ، سرخ بھرا بھرا سا۔ وہ یک دم پلٹا۔ بیڈ پر دھم سے بیٹھنے کا انداز بہت چونکانے والا تھا۔

"کیا ہوا؟" اسے پوچھنا ہی پڑا۔

"وہ منزہ بھابی....." وہ اپنی پھولی سانس قابو میں کرتے بولنے لگی۔

"مجھے کہہ رہی ہیں کہ میں اتنے دن سے کچن سنبھال رہی ہوں اور کون کیا کھاتا ہے یہ تک مجھے پتا نہیں چلا۔ حد ہے، میں پندرہ دن سے انہیں، ان کے بچوں کو، گھر کو سنبھال رہی ہوں اور وہ مجھے ہی طعنے دے رہی ہیں۔"

"اگر کہا بھی تو جواب میں اتنا سخت ردِعمل..... یہ کہاں اور کس حد تک صحیح ہے۔" وقار کی اس بات نے اس کے اندر آگ سی لگا دی تھی۔

"کیوں نہیں دوں یہ ردِعمل۔ انہیں میرے احساسات کا بھی تو خیال کرنا چاہیے ناں۔ کیا صرف میری ذمے داری ہے کہ میں سب کا خیال رکھوں اور وہ سب بے حس بنے رہیں۔ کسی نے اتنے دن سے مجھ سے نہیں پوچھا۔ میں تھک تو نہیں گئی۔ اور آپ کہہ رہے ہیں کہ مجھے ایسا ردِعمل نہیں دینا چاہیے۔" وہ پھٹ پڑی تھی۔

"میں نے آپ کو کہا تھا آپ کو اچھی بہو بن کر دکھانا ہے۔ کیا اچھی بہو ایسی ہوتی ہے؟" وہ اسے آئینہ میں دیکھ کر پوچھ رہا تھا۔

"مجھے نہیں پتا اچھی بہو کیسی ہوتی ہے۔ اور کیا صرف مجھے ہی اچھی بہو بننا ہے اور کسی کی کوئی ذمے داری نہیں۔" اس نے برجستہ کہا تھا۔

"آپ کا اعتراض سر آنکھوں پر۔ لیکن ایک بات میں آپ کو بتا دوں۔ جب آپ دلہن بن کر آئی تھیں ناں۔ یعنی ہماری شادی ہو رہی تھی اس کے ایک مہینہ قبل اور بعد میں بھی شادی کے گھر کا سارا انتظام منزہ بھابی ہی سنبھال رہی تھیں۔ میری بہنیں بھی مہینہ بھر سے آئی ہوئی تھیں اور ان کے بچے۔ ان سب کے کھانے پینے کو دیکھنا پھر شادی ہو گئی اور آپ کا فرضی کو رونا..... ان پر پھر سے دوہری ذمے داری پڑی تھی۔ اور صرف یہی نہیں پھر آپ کے لیے مخصوص پکوان۔ جوس سے لے کر ہر قسم کی دیکھ بھال۔ بستر کی چادریں اپنی نگرانی میں دھلوانا۔ یہ سب امور وہ خندہ پیشانی سے انجام دے رہی تھیں کہ میں شرمندہ، شرمندہ ہو جاتا۔ ان کے احسان ایسے ہیں کہ میں آپ کو بتا نہیں

Scanned with CamScanner

سکتا۔ ماں کے بعد اگر کسی اور خاتون کو ماں کہنے کے لیے کہا جائے تو میں منزہ بھابی کا نام لوں گا۔" وہ اب ٹائی کی ناٹ باندھ چکا تھا۔

"لیکن اگر انہوں نے ایسا آپ کو کہا بھی تو اس طرح برا نہیں منانا چاہیے تھا لیکن خیر۔ میں نے آپ کو اچھی بہو بننے کے لیے کہا تھا آپ صرف بہو بننا چاہتی ہیں تو کوئی بات نہیں۔" وہ اب اپنے آفس نکلنے کی تیاری کر رہا تھا تبھی دروازے پر منزہ بھابی نے دستک دی تھی۔

"سسرال میں ایسی باتوں کو ہنس کر سہنا پڑتا ہے۔ جتنا بات کو ہنسی میں ٹالیں گی..... اتنا کامیاب رہیں گی۔ بجائے جلنے کڑھنے کے۔ سب آپ سے محبت کرتے ہیں اور آپ کی قدر بھی۔ اپنی عزت کم نہ کریں اس طرح کا ردعمل دے کر۔" وہ اپنی بات مکمل کرتا آئینے سے ہٹ گیا تھا۔ اب منزہ بھابی اندر آ گئی تھیں۔

"آیئے بھابی۔" وقار دروازہ سے تھوڑا ہٹ گیا اور انہیں اندر آنے کے لیے جگہ فراہم کی۔

"زویا، دراصل کبھی میں اتنے دن بیمار نہیں پڑی۔ طبیعت میں اتنا بوجھل پن ہے کہ کیا بتاؤں۔ اس طرح میں اور میری فیملی کسی پر بوجھ نہیں بنی۔ شاید اسی لیے میں نے تم سے ایسا برتاؤ کیا۔ یقین جانو، میں شرمندہ ہوں، اپنی حرکت پر۔" وہ شرمساری اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھیں۔ اور وہ جو ابھی وقار کی باتوں کے زیر اثر تھی۔ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اب کیا کہے۔ سارا غصہ تو یوں بھی وقار کی بات پر جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا اور اب منزہ بھابی کے شرمندگی سے بھرے انداز پر وہ چپ سی ہو گئی تھی۔

"بھابی، آپ تو مجھے شرمندہ ہی کر رہی ہیں۔" وہ جلدی سے آگے بڑھی اور منزہ کے ہاتھ تھام لیے۔ وقار نے اس پر ایک نظر ڈالی اور مسکراتا ہوا باہر نکل گیا۔

شام کی چائے پر وہ سب اکٹھے بیٹھے تھے۔ اس کے سسر اور ساس دونوں بڑے تخت پر بیٹھے تھے جبکہ جیٹھ ان کے تخت کے قریب رکھی کرسی پر بیٹھے تھے۔ آج بشریٰ اور دیور روحیل بھی ان کی محفل میں شریک تھے۔ منزہ اپنے شوہر کے قریب کی کرسی سنبھالے تھیں۔ بچے اوپر چھت پر کھیل رہے تھے۔ زویا سب کو اسنیکس دے رہی تھی۔ وقار کے قریب آئی تو اس نے اپنے قریب کے صوفے پر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ زویا کو چار و ناچار بیٹھنا پڑا۔

"وقار، ولیمے کے لیے میرج ہال لے لیا تھا۔ اس کی تیاری ہو گئی؟" اس کے جیٹھ نے وقار کو دیکھ کر پوچھا۔

"جی بھیا۔ تقریباً مکمل ہے۔ وہاں سب تیاریاں دیکھ آیا ہوں۔" ان کے ولیمے کی تقریب اگلے ہفتے تھی۔

"وقار بھیا شاید آپ دونوں پہلے کپل ہوں گے جن کا ولیمہ شادی کے تین مہینے بعد رکھا جا رہا ہے۔" اس کے دیور نے ہنس کر کہا تھا۔

"ہم کیا کہہ سکتے ہیں۔ اس کے لیے زویا کا شکریہ ادا کرنا پڑے گا۔" اس نے زویا کی طرف شوخی سے دیکھ کر کہا۔ زویا بس پہلو بدل کر رہ گئی۔

"مگر دھیان سے..... کہیں آپ دو سے تین....." اس کے دیور کی ذومعنی بات پر وقار نے اپنی مسکراہٹ دبائی تھی۔

"بے فکر رہو۔"

"آپ لوگ کہیں گھومنے کا پلان نہیں کر رہے بھیا۔ کتنے بورنگ سے ہیں آپ دونوں۔" بشریٰ کو قلق ہوا تھا۔

"منزہ بھابی کی طبیعت ٹھیک ہو جائے۔ پھر نکلتے ہیں کہیں۔"

"ارے تم لوگ چلے جاؤ۔ میں تو اب الحمدللہ ٹھیک ہوں۔" منزہ بھابی جلدی سے بول پڑیں تھیں۔

"بھابی گھومنے ہم کبھی بھی جا سکتے ہیں۔ اس کے لیے تو زندگی پڑی ہے۔" زویا کے منہ سے نکلا تھا۔

"جی، واقعی زندگی پڑی ہے۔ محترمہ زویا کا کیا ہے ساٹھ سال کی عمر میں مجھ سے کہیں گی کہ چلیں اب گھومنے چلیں۔ ہم شادی کے وقت نہیں جا سکے تھے اور میں لاٹھی ٹیکتا رہ جاؤں گا۔" وقار کی بات پر سب ہی ہنسنے لگے تھے۔ زویا بالکل جھینپ گئی تھی۔ اس کے ساس سسر بس سب کو مسکراتا دیکھ رہے تھے۔

"زویا بیٹے، فنکشن ختم ہوتے ہی اپنی امی کے

Scanned with CamScanner

digest library.com

ہاں ہوآئیں۔ وہ کئی بار پوچھ چکی ہیں۔ ان کے ہاں کی دعوتیں بھی رہ گئی ہیں۔ اس لیے پہلے آپ دونوں وہاں چلے جائیں اس کے بعد جہاں جانا ہو۔ وہاں چلے جانا۔" اس کی ساس نے اسے دیکھ کر کہا تھا۔ زویا کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اس کی نظریں بے ساختہ وقار کی جانب اٹھی تھیں جہاں بے نیازی تھی۔

"پتا نہیں، میں ابھی امی کے پاس جاپاؤں گی کہ نہیں۔ اور ان کے دل میں کیا ہے۔ کیا انہوں نے مجھے معاف کیا ہوگا۔" وہ بیٹھے، بیٹھے سوچوں میں گھر گئی۔ اس کا دل اچانک اس محفل سے اچاٹ ہوگیا۔ اور وہ یک دم اٹھ گئی۔

"کیا ہوا زویا بیٹھو۔ بشریٰ چائے لا رہی ہے۔" منزہ بھابی نے اسے اٹھتے دیکھ کر روکا۔

"بھابی ابھی چائے پینے کا دل نہیں کر رہا۔ بعد میں پی لوں گی۔" وہ اپنے بھرائے لہجے پر قابو پاتی اٹھ گئی تھی۔

روم میں آکر وہ خاموش سی بیڈ پر لیٹ گئی تھی۔ اپنی نادانیاں نظر آرہی تھیں اور وقار کی شرائط۔

"میں کسی کو بھی نہیں بتا سکتی کہ میں نے انجانے میں کیا کر دیا ہے۔ اور وقار نے کیسی شرط رکھی ہے۔ میں ایک سال تک....." وہ سوچتے، سوچتے رونے لگی تھی۔

دل تھا کہ بھر بھر آرہا تھا۔ کسی پل چین نہیں تھا۔

تبھی اس کی ساس اس کے کمرے میں آئی تھیں۔

"زویا..... مصروف ہو کیا؟" انہوں نے اس کے روئے، روئے چہرے پر نظر ڈالی تھی۔ وہ اپنے آنسو پونچھتے اٹھی تھی۔ اس کی ساس پہلی بار اس کے کمرے میں آئی تھیں..... اس نے جلدی سے کرسی ان کے آگے رکھی۔

"تم رو رہی تھیں۔" انہوں نے ایک اور بار اس پر گہری نظر ڈالی تھی۔ اس نے سر جھکا لیا تھا۔ پھر یک دم پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی تھی۔ اور اس کے منہ سے وہ سب نکلنے لگا جسے اس نے اپنی سگی ماں سے بھی شیئر نہیں کیا تھا۔

"آنٹی، میں بہت شرمندہ ہوں لیکن میں اب کیا کروں مجھے کچھ بھی سمجھ نہیں آرہا۔" اپنے آنسو کو روکتی وہ بہت معصوم لگ رہی تھی۔ اس کی ساس اٹھ کر اس کے پاس آئی تھیں۔ اور اس کا سر اپنے سینے سے لگایا تھا۔

"زویا سب سے پہلے میں آنٹی نہیں آپ کی ماں ہوں۔ اور آپ نے جو کچھ ابھی کہا۔ وقار نے مجھے بہت پہلے بتا دیا تھا۔" اس بات پر اس نے حیرانی سے سر اٹھا کر دیکھا تھا۔

"ہاں..... بس مجھے بتایا تھا کسی اور کو نہیں۔ دیکھو، اب تم نے جو کیا وہ کیا۔ مجھے کچھ اعتراض نہیں۔ شادی کو لے کر لڑکیوں کے بہت نازک سے احساسات ہوتے ہیں اور جب اپنے ہی بچیوں کے دل میں اس طرح ڈر و خوف پیدا کریں گے تو بچیاں کیا کریں گی۔ شاید تمہارے سامنے بھی ایسے احساسات تھے کہ تم نے سوچا سب ایسے ہی ہوں گے۔ ہم سب نے سسرالی رشتوں کو ہوا بنا دیا ہے۔ اس طرح سسرال میں پہلے قدم کے ساتھ ہی لڑکی ہر رشتہ کے ساتھ بدگمانی لے کر ہی قدم رکھتی ہے اور اگر وہ اچھے ہوں بھی تب بھی وہ برے ہی لگتے ہیں۔ ہمارے گھر میں تو میری ساس نے ایک ہی روایت ڈالی تھی بہو کو بیٹی بنانے کی روایت۔ انہوں نے مجھے ہمیشہ بیٹیوں پر فوقیت دی۔ عقلمندی کا تقاضا یہی ہوتا ہے کہ بہو کے ساتھ محبت سے رہ لیں۔ اس میں اپنی بھی اور اپنے بہو کی اور اپنے خاندان کی بھی عزت ہوتی ہے۔ میں نے اپنی عمر کے تیس، چالیس سال ان کے ساتھ گزارے اور انہوں نے میری کبھی تذلیل نہیں کی۔ ہمیشہ محبت سے سمجھاتی تھیں اور وہی روایت میں نے اپنائی۔ میری بڑی بہو منزہ سے پوچھ لو۔ اتنے سالوں میں ہم ساس، بہو کا کبھی جھگڑا نہیں ہوا الحمدللہ۔" وہ رک کر مسکرائی تھیں۔ زویا جو چپ چاپ انہیں سن رہی تھی۔ بے ساختہ بول پڑی۔

"لیکن آپ کے بیٹے نے شرط رکھی ہے کہ میں اچھی بہو بن کر دکھاؤں گی تب وہ مجھے مائیکے جانے دیں گے ورنہ نہیں اور میں اچھی بہو نہیں بن سکی۔" اتنا کہتی وہ پھر سے رونا شروع ہوگئی تھی۔

"ارے، کس نے کہا تمہیں اچھی بہو بننے کا۔ بہو

Scanned with CamScanner

نہ جانے بڑے پہلے خود ہی رشتے ناتے طے کرنے کے بعد ان میں توڑ پھوڑ اور اختلافات کے بہانے کیوں ڈھونڈنے لگتے ہیں۔ ندیم اور عطیہ کا رشتہ باہمی رضا مندی سے طے کیا گیا تھا' دونوں اطراف کے والدین اس رشتے کے حق میں تھے اور سوچ بچار کے بعد اس رشتے کو مضبوطی عطا ہوئی تھی مگر بعد میں جیٹھانی، دیورانی نے اپنی ازلی چپقلش کا خمیازہ ندیم اور عطیہ سے لینے کا فیصلہ کر ڈالا۔ اگرچہ نکاح جیسا مقدس اور مضبوط بندھن تھا اور

دل کا رشتہ

نسرین سکندر

digest library.com

Scanned with CamScanner

اس میں دونوں فریقین راضی تھے' جہاں آرا بیگم کی خوشی میں سب نے ہی خوشی کا اظہار کیا تھا..... یوں نکاح ہوگیا' بعد ازاں نمود و نمائش اور دکھاوے کے لالچ میں ایک سے بڑھ کر ایک شے ہوشاری میں اس چیز نے اس رشتے کو مخمصے میں ڈال دیا تھا۔ اب ندیم اور عطیہ اپنی، اپنی جگہ بے حد پریشان تھے۔

نکاح کو تین سال کا عرصہ بیت چکا تھا مگر آئے دن کے تنازعات نے ان کی زندگی کے پھولوں کو مرجھا دیا تھا' اب وہ اس دن کے منتظر تھے جب بڑے ان دونوں کو باقاعدہ رشتۂ ازدواج میں باندھ دیں۔ پھر عطیہ نے تو دل کی خالی تختی پر ندیم کا نام آویزاں کر رکھا تھا' اب واپسی کا کوئی راستہ ہی نہیں تھا۔

دوسری جانب ندیم بھی عطیہ کو شدتوں سے اپنانے کا متمنی تھا' اس نے من موہنی صورت والی عطیہ کو دل سے چاہا تھا' جب اس کی والدہ آسیہ بیگم نے عطیہ کی بابت اس کا عندیہ لیا تھا تو ندیم کو اپنی خوش قسمتی پر یقین ہی نہیں آرہا تھا۔ بچپن سے ایک ہی گھر میں پل کر بڑے ہونے والے اب جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اپنے محسوسات کو کوئی نام دینے سے قاصر تھے مگر ایک بات تو طے تھی کہ عطیہ اور ندیم ایک دوسرے کے لیے ہی بنائے گئے تھے مگر آسیہ اور مدیحہ کے جھگڑوں میں ندیم اور عطیہ پس رہے تھے۔ تب تو جہاں آرا بیگم (ساس) کے کہتے ہی دونوں راضی ہوگئی تھیں اور باقاعدہ دھوم دھام سے نکاح کی تقریب کی گئی تھی مگر اب دونوں جانب سے ہنوز خاموشی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ جب گھر میں واویلا ہوتا تو عطیہ کی حالت دگرگوں ہوجاتی وہ کتنی مرتبہ والدہ کو سمجھا چکی تھی۔

''امی آپ کیوں جھگڑتی رہتی ہیں تائی اماں سے' آپ ایک مرتبہ بھی اتنی سخت زبان درازی کے بعد نہیں سوچتیں کہ میری زندگی کتنی متاثر ہورہی ہے۔ مائیں تو بیٹیوں کی ہونے والی سسرال میں ہمیشہ سوچ کر، ناپ تول کر بولتی ہیں اور آپ ان کو طنزیہ باتیں اور جلی کٹی سناتی رہتی ہیں' کل کلاں کو میرا ہی جینا دوبھر ہوگا۔''

عطیہ روہانسی ہوجاتی۔

''یہ تم کس لہجے میں مجھ سے بات کررہی ہو' میں خوب جانتی ہوں کہ تمہارے منہ میں کس کی زبان ہے۔ جب دوبدو آسیہ کچھ نہ کرسکیں تو اپنے بیٹے کے ذریعے تمہارے منہ سے یہ سب کہلوا رہی ہیں اور تمہیں کس بات کا ڈر ہے۔ ابھی تمہاری ماں زندہ ہے مر نہیں گئی اور اگر یہی حال رہا تو یہ رشتہ شاید اختتام پزیر ہی ہو جائے۔'' آخری جملہ ادا کرتے ہوئے مدیحہ بیگم کا لہجہ خود کھوکھلا سا تھا شاید جہاں آرا کے ہوتے اتنا آسان نہیں تھا اس وقت تو مدیحہ کو عطیہ کی رخصتی سے بڑھ کر اسے کسی کھونٹے سے باندھنے کی جلدی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ وہ چاہتی تھیں کہ عطیہ کا مستقبل محفوظ ہوجائے جب خاندان میں کئی لڑکیوں کو ندیم کے اردگرد منڈلاتے دیکھتی تو سوچتی تھیں کہ جب آسیہ بیگم نے ازخود ان کی اکلوتی بیٹی کے لیے ہاتھ بڑھایا تو انکار کرنا اچھا نہیں لگتا اس لیے اس وقت راضی خوشی نکاح کے لیے آمادہ ہوگئی تھیں مگر پھر چند ماہ بعد وہی جیٹھانی، دیورانی کی روایتی چپقلش عود کر آئی تھی۔ آسیہ اور مدیحہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھیں۔

''اماں' دادی جان نے آپ کو بلایا ہے۔'' عطیہ نے آکر مدیحہ کو اطلاع دی تو انہوں نے بھی برا سا منہ بنایا۔

''اب کیا کہنا ہے..... ضرور کوئی نئی آفت مسلط ہونے والی ہوگی۔'' مدیحہ نے خود کلامی کی۔

''امی آپ کیسی باتیں کررہی ہیں بڑوں کے بارے میں' آپ کے اس طرح کے نادر خیالات ہیں۔ مجھے تو افسوس ہورہا ہے آپ کی سوچ پر اب بتا بھی دیں کہ آرہی ہیں یا نہیں کیونکہ تائی جان بھی آپ کا انتظار کررہی ہیں۔'' جیٹھانی کی آمد کی اطلاع نے انہیں بری طرح چونکایا۔

''اچھا، تم چلو میں آرہی ہوں۔'' ان گنت خیالات کی آماجگاہ بنا دماغ لیے وہ نیچے آگئی تھیں' جہاں آرا بیگم اور آسیہ بیگم خاموش بیٹھی تھیں۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

"آجاؤ مدیحہ..... وہاں دروازے میں ہی کیوں رک گئیں' ایک تو تم کو اطلاع دی جائے پھر بھی تم اتنی دیر کر کے آتی ہو۔ میں نے وظائف اور تسبیحات بھی کرنی تھیں۔ خیر چھوڑو اب آ ہی گئی ہو تو بیٹھ بھی جاؤ تاکہ تسلی سے آمنے سامنے بیٹھ کر بات کی جا سکے....." انہوں نے گلا کھنکھارا۔

"دیکھو تم بخوبی جانتی ہو کہ اب کافی عرصہ گزر چکا ہے ندیم اور عطیہ کے نکاح کو اور ندیم کا تو باقاعدہ جاب کا بھی مسئلہ حل ہو چکا ہے' ماشاء اللہ برسرِ روزگار ہے' کھاتے پیتے لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔ اب اس کے بعد یہ بھی نہیں ہے کہ عطیہ کو معاشی تنگی ہو گی کیونکہ یہی عذر تراشا تھا ناں تم نے چند ماہ پہلے..... تو میں نے یہ طے کیا ہے کہ اب یہ شادی اگلے ماہ ہو کر رہے گی' تم دونوں اپنے، اپنے حساب سے تیاری کر لینا۔" اس نئی افتاد پر دونوں بری طرح بوکھلا گئیں۔ آسیہ نے... کن انکھیوں سے مدیحہ کی جانب دیکھا جن کے چہرے پر ناگواری کی واضح تحریر موجود تھی جیسے ان کو بھی اس فیصلے پر اعتراض ہو۔

"اماں اتنی جلدی یہ سب کیسے ہو گا؟ ایک ماہ میں شادی کی تیاری کیسے ہو گی؟" مدیحہ نے مداخلت کی۔

"بھئی جو اتنے ماہ و سال میں نہ جڑ سکا' اب بھی تم سے بنے سے رہا..... پھر عطیہ کون سا دوسرے شہر یا انجان لوگوں میں جا رہی ہے' سب اپنے ہی لوگ ہیں۔ تم جتنا بھی جوڑ سکو ٹھیک' نہ بھی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں' کیوں بھئی آسیہ' ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں میں؟" آسیہ، جہاں آرا بیگم کی بات پر بوکھلائیں۔ اس لیے اثبات میں گردن ہلا دی' ساس کی سختی اور تندی کا دونوں بہوؤں کو احساس تھا اگرچہ اس طرح کی نوبت کم ہی آتی تھی کہ جہاں آرا بیگم ان کو ڈانٹ ڈپٹ کر کے کوئی کام کرواتیں مگر ان کا انداز ہی اتنا حتمی اور دوٹوک ہوا کرتا تھا کہ مزید بات کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی تھی۔

دونوں بہوؤں نے مصلحتاً خاموشی اختیار کر لی تھی اور سر جھکائے ساس کے سامنے سے اٹھ آئی تھیں مگر ان کی مسلسل خاموشی کسی آنے والے طوفان کا پیش خیمہ لگتی تھی۔

"میری خاموشی کو میری کمزوری نہ سمجھ لینا' تم جیسی ظالم عورت کے گھر میں ہرگز اپنی نازک سی بیٹی کو نہیں بھیجنا چاہتی۔" مدیحہ نے باہر آتے ہی گل فشانی کی۔

"ہونہہ..... جیسے میں تو مری جا رہی ہوں تمہاری بیٹی کو بہو بنانے کے لیے۔ نہ جانے میرے بیٹے پر کیا جادو کر دیا ہے کہ اس کا ہی نام لیتا ہے ورنہ میرے تو بہت ارمان تھے کسی سلجھی ہوئی لڑکی سے شادی کرتی اس کی۔" آسیہ بیگم نے بھی دو بدو جواب دیا۔

دنیا کے کسی بھی گوشے میں اور ملک بھر میں گھر بیٹھے حاصل کریں

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ

ماہنامہ پاکیزہ، ماہنامہ سرگزشت

ایک رسالے کے لیے 12 ماہ کا زرِ سالانہ بشمول رجسٹرڈ ڈاک خرچ

پاکستان کے کسی بھی شہر یا گاؤں کے لیے 3000 روپے

بیرونِ ممالک کے لیے زرِ سالانہ 50,000 روپے

بیرون ملک سے قارئین صرف ویسٹرن یونین یا منی گرام کے ذریعے رقم ارسال کریں

رابطہ

مرزا انور عباس بیگ

0301-2454188

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز

63-C فیز III ایکسٹینشن ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی

مین کورنگی روڈ۔ کراچی

Scanned with CamScanner

"مجھے افسوس ہو رہا ہے آپ ایسا سوچتی ہیں جب میری بیٹی کے لیے آپ کے دل میں ہی جگہ نہیں تو گھر میں کیا ہوگی۔" مدیحہ نے غصیلے انداز میں قدرے تاسف سے کہا۔

"جو بھی سمجھ لو مگر تمہاری دال نہیں گلنے والی۔" آسیہ بیگم نے منہ بنایا اور رکھائی سے کہتے ہوئے وہاں سے چل دیں۔

پھر آئے دن کے جھگڑے طول پکڑنے لگے اب تو جہاں آرا کے کانوں تک بھی ان کے ڈھٹائی سے ادا کیے گئے جملے پہنچنے لگے تھے مگر انہوں نے اس معاملے میں اب چپ سادھ لی تھی۔ جہاں آرا بیگم نے اس لیے خاموشی اختیار کرلی تھی کیونکہ وہ دونوں کے دلوں کے تمام بغض اور کینے کو زبان سے نکلنے کا موقع دینا چاہتی تھیں تاکہ دونوں کے دل مکمل طور پر صاف ہوسکیں، کسی قسم کی رنجش اور گلہ باقی نہ رہے۔

جہاں آرا بیگم کی خاموشی پر اگرچہ وہ دونوں حیران بھی تھیں مگر اس سے ان کے حوصلے اور بھی بلند ہو رہے تھے کہ کھل کر مخالفت کرسکیں۔ ایک شام آسیہ بیگم سیڑھیوں سے نیچے اتر رہی تھیں کہ توازن بگڑ گیا اور وہ بری طرح چکرا کر سیڑھیوں سے پھسلتی چلی گئیں، انہیں خاصی چوٹیں لگی تھیں، فوری طور پر ایمبولینس بلوائی گئی تھی۔

ان کے ٹخنے کی ہڈی فریکچر ہوگئی تھی اور چلنے پھرنے سے وقتی طور پر معذور ہوگئی تھیں۔ گھر کی فضا اچانک بوجھل سی ہوگئی تھی ایسے میں عطیہ نے بڑھ چڑھ کر ان کے سارے کام خود بخود اپنے ذمے لے لیے تھے۔ صبح سویرے تایا اور ندیم کو آفس روانہ کرنا ان کے لیے ناشتے کا اہتمام کرنا پھر اس سے فراغت کے بعد تائی جان کو ناشتا کرواتی، وقت کے حساب سے دوا کھلاتی، اتنے دن سے آسیہ بیگم بیڈ پر تھیں، میلے کپڑوں کا ایک انبار تھا جسے عطیہ نے ملازمہ کے ساتھ مل کر دھونا شروع کردیا تھا۔ پھر اگلے دن پورے گھر کی تفصیلی صفائی کی۔ نیچے کا پورشن ان کے تصرف میں تھا جبکہ اوپر تائی اماں وغیرہ رہائش پزیر تھے۔

آسیہ بیگم گہری نظروں سے عطیہ کو اس طرح تندہی سے... اپنی خدمت کرتے اور گھر کے کام کاج انجام دیتے دیکھ رہی تھیں۔ عطیہ کے چہرے پر ایک بھی شکن نہیں ہوتی تھی، خلوص کی چاشنی سمیٹے وہ سارے کام کرتی رہتی، اس پر گاہے بگاہے اس کا اس طرح پوچھنا۔

"تائی اماں طبیعت کیسی ہے، درد تو نہیں ہو رہا۔" وہ متفکر سی رہتی۔

رفتہ رفتہ آسیہ بیگم کا پاؤں ٹھیک ہوگیا اور وہ چلنے پھرنے لگی تھیں البتہ اب بھی احتیاط بہت ضروری تھی۔ حتیٰ کہ جہاں آرا بیگم کے حکم کے مطابق شادی کا دن بھی آکر گزر گیا تھا چونکہ آسیہ بیگم خود ہی معذوری میں جی رہی تھیں اس لیے شادی کو فی الحال مؤخر کردیا گیا تھا۔ آسیہ بیگم ہر لحظہ عطیہ کو جانچتی تولتی نظروں سے دیکھتی رہتی تھیں مگر اس کی اتنی خدمت گزاری پر ایک لفظ بھی شکریہ کا نہیں بولا تھا پھر ایسا ہوا کہ انہوں نے ساس کے کمرے میں مدیحہ اور عطیہ کو بلایا دونوں کے سوالیہ چہروں پر خاموشی کا راج تھا۔

"مدیحہ مجھے تم سے کہنا ہے کہ میں اگلے ہفتے ہی عطیہ کو اپنی بہو بنانے کے لیے بے تاب ہوں۔ یہ میری خوش نصیبی ہوگی اور اس کے لیے شرمندہ بھی ہوں کہ میں عطیہ کو پہچان نہیں سکی۔ وہ ہر کام اپنی خوشی سے کرتی ہے بنا کسی لالچ اور دکھاوے کی تمنا کے۔ ایک اعتراف میں یہ بھی کرنا چاہتی ہوں کہ اگرچہ میں نے پاؤں کا بہانہ محض شادی سے بچنے کے لیے بنانا چاہا تھا مگر کیا معلوم تھا کہ مجھے حقیقت میں خود ہی نصیحت مل جائے گی۔ عطیہ نے میرا دل جیت لیا اپنی غمخواری اور خدمت گزاری سے۔ ویسے تو میں عطیہ کو اپنی بہو بنا لیتی مگر کبھی دل سے قبول نہیں کرتی جبکہ اس کی اتنی خدمت کے بعد میں نے دل سے اس کی تمنا کی ہے۔" عطیہ نے شرما کر سر جھکا لیا جبکہ ندیم بھی ماں کے اس مثبت رویے پر خوش تھا۔ واقعی ندیم اور عطیہ کی محبت میں اتنی طاقت تھی کہ یہ محبت نفرت پر حاوی رہی اور محبت تو ہمیشہ جیت ہی جاتی ہے۔

❁❁❁

Scanned with CamScanner

اس کی گاڑی گاؤں کے کچے پکے رستے پر ڈگمگاتی خراماں، خراماں آگے بڑھ رہی تھی۔ رفتار قدرے آہستہ ہونے کے باوجود دھول مسلسل اڑ رہی تھی، کبھی تو ایسا بگولا اڑتا کہ سامنے کا منظر بھی دھندلا جاتا۔ اس نے اکتا کر آنکھوں پر سے کالا چشمہ اتار کر برابر کی نشست پر اچھال دیا۔

آج برسوں بعد بھی گاؤں کی حالت نہیں بدلی تھی۔ وہی کچا، مٹی دھول سے اٹا راستہ، وہی دور، دور تک پھیلے ہرے بھرے کھیت، وہی کچے پکے مکان، اس کچے رستے پر کچے کھیلتے نیم برہنہ بچے۔ ہاں! بس وہ پانی کے گھڑے سر پر اٹھائے پگڈنڈیوں پر چلتی عورتیں دور، دور تک دکھائی نہیں دے رہی تھیں المختصر حالات کچھ خاص نہیں بدلے تھے۔

تنگ راستہ شروع ہوا تو اس نے بقیہ سفر پیدل

رب کی لاٹھی

مہوش اسد شیخ

سالِ رواں کی ایک بہترین تحریر، شاید اب ایسی کہانیاں جنم نہ لیں

digest library.com

Scanned with CamScanner

چلنے کو ترجیح دی۔

گاڑی ایک طرف گھنے درخت کے سائے میں کھڑی کر کے وہ نیچے اتر آیا۔ گاڑی لاک کر کے وہ گردونواح کا جائزہ لینے لگا۔ دور کھیتوں میں کسان کچھ دیر رک کر اسے دیکھتے رہے پھر اپنے کام میں جت گئے، کچھ ہنوز اسی پر نگاہیں گاڑے کھڑے تھے۔ گاؤں میں اجنبیوں کو ایسے ہی گھورے جانے کا رواج ہے، اس نے مڑ کر دیکھا تو اب کچے کھیلتے بچے اس کی چمچماتی گاڑی کے آس پاس کھڑے للچائی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ ہنس دیا اور آنکھوں پر کالا چشمہ چڑھا کر کچھ جھکے کبڑے بنا آگے بڑھ گیا۔ تنگ گلیوں سے ہوتا ہوا، ہر مکان کا بغور جائزہ لیتے ہوئے وہ اپنے مکان کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ آج برسوں بعد بھی اسے رستہ ازبر تھا۔ چند نئے مکان بننے کے باوجود اسے گھر تلاش کرنے میں کچھ زیادہ وقت نہیں پیش آئی تھی۔

"الو کے.... تیرے باپ کا مال تھا کیا جو برباد کر دیا۔"

"چاچا معاف کردو، غلطی ہوگئی۔"

قدرے فاصلے پر دس، بارہ سال کا بچہ ہاتھ جوڑے مسلسل روتے ہوئے معافی مانگ رہا تھا مگر اس کے مقابل شخص کو بالکل ترس نہیں آرہا تھا۔ وہ اس کے سر اور پشت پر تھپڑ برسائے جا رہا تھا۔ ہاتھوں کے ساتھ اس کی زبان بھی مسلسل مغلظات بکے جا رہی تھی۔

"اونہہ! سب چاچے ظالم ہوتے ہیں۔" وہ تنفر سے زیرلب کہتا، کسی اور دنیا میں پہنچ چکا تھا۔

☆☆☆

باہر غیر معمولی شور بلند ہوا تو اس نے سر اٹھا کر آوازوں پر غور کیا، جب کچھ سمجھ نہ آئی تو پریشانی کے عالم میں اپنا اسکول کا کام ادھورا چھوڑ کر باہر بھاگا۔ سامنے صحن میں خون میں لت پت دو نعشیں پڑی تھیں۔ اس کے قدم ٹھٹک گئے۔ وہ سہم کر دیوار سے جا لگا۔

"اماں میں آپ کے ساتھ جاؤں گا۔" وہ ماں سے لپٹ گیا تھا۔

"نہ میری جان پریشان نہ ہو، دیکھ گھر پر تیری چاچی بھی ہے اور چاچا بھی ابھی تھوڑی دیر تک آجائے گا۔ تیری اماں کو ڈاکٹرنی کو دکھا کر ہم شام تک واپس آجائیں گے۔" لبانے اس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے رسانیت سے سمجھانا چاہا۔

"نہیں! مجھے ساتھ ہی جانا ہے۔" وہ ان کے ہاتھوں میں مچلے جا رہا تھا۔

"چل ٹھیک ہے۔ میں بھی نہیں جاتی۔ بیمار پڑی رہتی ہوں اس چارپائی پر۔" اماں اپنی چادر سنبھالتی صحن میں بچھی چارپائی پر جا بیٹھی اور جوتی اتارتے ہوئے لیٹنے کی تیاری کرنے لگی۔

"اچھا ٹھیک ہے چلی جاؤ ڈاکٹر کے پاس لیکن جلدی آجانا۔ اماں تم مجھے بیمار اچھی نہیں لگتی۔ مجھے تو تب اچھی لگتی ہو جب لال رنگ کا جوڑا پہنتی ہو اور صحن میں ادھر سے ادھر بھاگتی پھرتی ہو۔" اس نے فوراً سے بیشتر ہتھیار ڈال دیے اور لاڈ سے کہتے ہوئے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

وہ کھلکھلا کر ہنسی اور پے در پے اس کی پیشانی کے کتنے ہی بوسے لے ڈالے۔ وہ پھٹی، پھٹی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا، اماں نے لال جوڑا تو نہیں پہنا تھا لیکن خون نے اسے لال کر ڈالا تھا۔ چچی بین ڈالنے اور سینہ کوبی میں مصروف تھی، چچا کی نظر اس پر پڑی تو بھاگ کر اسے اپنی آغوش میں بھر لیا۔ وہ چچا کے سینے سے لگا تھا مگر پتھرائی ہوئی آنکھیں ہنوز نعشوں پر مرکوز تھیں۔

"کہا تھا ناں! مجھے بھی ساتھ لے جاؤ۔ کیوں نہیں لے کر گئے۔ اب میں تنہا کیسے جیوں گا۔" آنکھیں سراپا سوال تھیں اور ضبط کی شدت سے سرخ ہوئی جا رہی تھیں۔ وہ چیخ، چیخ کر رونا چاہتا تھا لیکن خود پر اختیار کھو چکا تھا۔ چچا اسے گود میں بھر کر آگے لے گیا۔ وہ چارپائی کے قریب کھڑا بے تاثر آنکھوں سے ماں، باپ کی صورتیں دیکھے جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر میں ہی سارا گاؤں وہاں اکٹھا ہو چکا تھا۔

"اللہ پوچھے ان بڑی گاڑیوں والوں سے، خود کو خدا ہی سمجھ بیٹھے ہیں۔ گاڑیوں میں سوار ہو جائیں تو

Scanned with CamScanner

digest library.com

کچھ دکھائی نہیں دیتا انہیں۔ ہنستا بستا گھر اجاڑ ڈالا۔ اِک معصوم کو یتیم کر ڈالا۔" کسی نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

"یتیم نہیں ہے میرا بچہ، میں سلامت ہوں اس کے سر پر۔" چچا نے اسے ایک بار پھر خود سے لپٹا کر گلوگیر لہجے میں کہا۔

"اسے ہوش دلاؤ، ارے کوئی اسے رُلا دے۔" ہجوم میں سے آواز آئی تھی۔ کتنی کوشش کی گئی مگر اس کا سکتہ نہ ٹوٹا۔ یہ سکتہ تو چند دنوں کے بعد اس وقت ٹوٹا جب چچی کے الفاظ اس کے کانوں میں پڑے۔ چچی اس کی موجودگی سے بے خبر چچا کو ورغلانے میں مصروف تھیں۔

"دیکھ ساری زمینیں جتنی جلدی ہو سکتا ہے اپنے نام کروا لے۔ ذرا جو لڑکا سمجھدار ہو گیا، مشکل پیدا ہو جائے گی۔"

"کیسی مشکل؟" چچا نے ناسمجھی کے عالم میں پوچھا۔

"ابھی تو اسے ان زمینوں کا کچھ پتا نہیں، تو دے دلا کر اپنے نام منتقل کروا لے، اسکول جاتا ہے جلد ہی اسے سب سمجھ آنے لگے گا، تب زمین ہتھیانا مشکل ہو جائے گا۔"

"ایسے کیسے مشکل ہو جائے گا۔ زمینیں میری ہی ہیں۔" چچا کرم دین آگ بگولہ ہو گیا۔

"پاگل مت بن، یہ تو، تو بھی جانتا ہے کہ زمینیں اس کے باپ کی ہیں، جوان ہوتے ہی وہ مطالبہ کر دے گا۔ میں تو کہتی ہوں کہ اس بچے کو موقع پاتے ہی ادھر اُدھر کر دیتے ہیں، مار ڈال اسے، لوگوں سے کہہ دیں گے کہ ماں، باپ کے بعد اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا تھا، وہ گھر چھوڑ کر چلا گیا ہے، کچھ دن ڈھونڈنے کا ڈھونگ رچائیں گے، روئیں دھوئیں گے۔ جب سب کو یقین آ جائے گا، ہاتھ جھاڑ ڈالیں گے۔" سکینہ داد طلب نگاہوں سے کرم دین کی طرف دیکھنے لگی۔

"واہ! تو، تو پوری کی پوری داستان گو ہے، کیسی بہترین کہانی بنائی ہے۔ چل سوچ بچار کرتے ہیں۔"

"زیادہ سوچنے کا وقت نہیں ہے ہمارے پاس، جلد از جلد کچھ کرنا ہے۔" سکینہ کے کہنے پر وہ پُرسوچ انداز میں سر ہلانے لگا۔

وہ سہم گیا، خوف سے سانس سینے میں اٹکتی محسوس ہونے لگی، بمشکل خود کو سنبھالتے ہوئے اپنے کمرے میں جا گھسا۔ اِدھر سے اُدھر چکر کاٹنے لگا، چھوٹا سا ذہن فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے، یہاں رہنا اب کسی طور ٹھیک نہ تھا اور باہر کی دنیا سے بھی خوفزدہ تھا۔ حالات آگے کنواں پیچھے کھائی کے مترادف تھے۔ بہت سوچنے کے بعد اس نے بھاگ جانے میں عافیت جانی۔ اپنے اسکول کے بستے میں کتابوں کے ساتھ کچھ ضروری سامان رکھا، احتیاطاً جیب خرچ کے نام پر ملنے والی جمع پونجی بھی رکھ لی۔ اب وہ رات ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

"پتر میرے پیارے پتر! کہاں ہے تو؟ تیری طبیعت تو ٹھیک ہے ناں؟ آج سارا دن باہر نہیں نکلا۔ دیکھ تیرا بھائی بھی تیرے بغیر اداس، اداس سا پھر رہا ہے۔" چاچے نے باہر صحن میں بچہ گاڑی چلاتے بچے کی طرف اشارہ کیا۔

"بس سر میں درد ہے۔" اسے اس وقت یہی بہانہ سوجھا۔

"اوہو دوا تو نے پہلے کیوں نہیں بتایا، چل تجھے ڈاکٹر کے پاس لے چلوں۔"

"یہ ضرور مجھے ڈاکٹر کے بہانے لے جا کر بڑے نالے میں مار کر پھینک آئیں گے۔" اس خیال کے آتے ہی اسے جھرجھری سی آ گئی۔

"نہیں چاچا میں ٹھیک ہوں، سو جاؤں گا تو سر درد بھی ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ جھٹ سے بستر میں گھس گیا۔

"ہونہہ، یہ سر درد بھوک کی وجہ سے ہو رہا ہے، دوپہر کو بھی ٹھیک سے کھانا نہیں کھایا تھا۔ آ میرا بچہ تجھے اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلا دوں پھر سو جانا۔" چچی سکینہ دونوں کی گفتگو سن کر کمرے میں چلی آئی تھیں اور اب اس کے بالوں میں پیار سے انگلیاں چلاتے ہوئے

Scanned with CamScanner

کھانے پر اصرار کر رہی تھی۔
"ضرور کھانے میں زہر ہے۔ مت کھانا۔" دل و دماغ نے خبردار کیا۔
"نہیں چچی میرا بالکل دل نہیں چاہ رہا، میں بس سونا چاہتا ہوں۔" کہہ کر اس نے آنکھیں موند لیں۔
"چل جیسے تیری مرضی، اگر طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو مجھے بتا دینا پتر۔" چچا کرم دین اس کے شانے تھپتھپا کر چارپائی سے اٹھ گیا۔
"میں تو کہتی ہوں اسے اپنے کمرے میں سلا لو منے کے ساتھ ہی۔ بچے بیچارے کی طبیعت زیادہ خراب لگ رہی ہے۔" چچی سکینہ نے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر معائنہ کرتے ہوئے کہا۔
"ن۔۔۔ نہی۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ میں یہیں سوؤں گا، دوسرے کمرے میں مجھے نیند نہیں آئے گی۔" اس نے پرزور احتجاج کیا۔
"چل غصہ نہ کر، جیسے تیری مرضی۔" چاچے نے فوراً سے بیشتر اس کی مان لی۔ چاچی کے منہ کا زاویہ تھوڑا بگڑا لیکن خود پر ضبط کرتے ہوئے بنا کچھ کہے باہر نکل گئی۔ باہر سے آنے والی آوازوں پر کان لگائے، خاموشی سے بستر پر لیٹا، سویا بنا رہا۔ جب مکمل خاموشی چھا گئی تو وہ بستر سے اٹھا اور دبے پاؤں باہر نکل گیا، صحن اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے چاچی کے کمرے کی طرف جھانکا، اس کمرے کی روشنی بھی گل ہو چکی تھی۔
"اس کا مطلب سب سو چکے ہیں۔"
وہ خود کلامی کرتا اپنے کمرے کی طرف بڑھا، بستہ کندھے پر ڈالے، در و دیوار پر الوداعی نگاہ ڈالی اور قدم باہر کی طرف بڑھا دیے۔ بدن مارے خوف کے ہولے، ہولے کانپ رہا تھا۔ وہ تو کبھی تنہا باہر نہیں نکلا تھا اور آج نامعلوم منزل کی جانب چل پڑا تھا۔ منزل سے لاعلم ہونے کے باوجود وہ تیز رفتاری سے آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا اگرچہ کچے رستے پر اندھیرے کی وجہ سے چلنا دوبھر ہو رہا تھا مگر اک عزم تھا جو اس کی قوت بنا ہوا تھا۔

دور کہیں گاہے بگاہے آوارہ کتوں کے بھونکنے کی آواز پر بدن میں سنسنی دوڑ جاتی، وہ لمحہ بھر کو رکا، جھک کر مٹی کا ڈھیلا ہاتھ میں اٹھا لیا اور پھر سے بھاگنا شروع کر دیا۔ گھر سے نکلتے ہی وہ کتنا بہادر ہو گیا تھا یا شاید بہادری کی وجہ سے ہی قدم گھر سے باہر نکال پایا تھا۔ اسے یاد آیا کیسے وہ گھر کی چار دیواری میں بھی کتے بھونکنے کی آواز سن کر ماں سے لپٹ جایا کرتا تھا۔ وہ ہنسا کرتی تھی کہ "تو مرد ہے اور مرد اتنا بزدل نہیں ہوتا۔" ماں ٹھیک ہی تو کہتی تھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو لڑی کی صورت بہنے لگے۔
بھاگتے، بھاگتے وہ کچی سڑک پر نکل آیا تھا۔ دائیں بائیں بغور دیکھا۔
"ہاں یہی تھی شہر کو جانے والی سڑک۔" اس نے خود کو یقین دلایا۔
ایک دو بار ابا کے ساتھ شہر گیا۔ کچھ، کچھ راستے ذہن نشین ہو چکے تھے۔ ابا اسی سڑک سے شہر جانے والی بس میں بیٹھتے تھے مگر رات ہونے کی وجہ سے دور، دور تک کوئی ذی روح دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ سینے میں دھڑکتے دل کی آواز کانوں تک سنائی دے رہی تھی۔ مسلسل بھاگنے کی وجہ سے سانس پھول رہی تھی لیکن اس نے ہمت نہیں ہاری، بس چلتا جا رہا تھا۔ آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے۔ اماں، ابا کے بچھڑنے کا اور اپنوں کی اصلیت ظاہر ہونے کا سوگ وہ آج ہی منا لینا چاہتا تھا۔ آگے جانے حالات کیا روپ دھارنے والے تھے۔ چلتے، چلتے پاؤں شل ہونے لگے تھے مگر کوئی غیر محسوس طاقت اسے چلتے رہنے کا حوصلہ دے رہی تھی۔ شاید والدین کی دعائیں تھیں، رب کا سہارا تھا۔ اذان کی آواز فضا میں بلند ہوئی تو وہ غیر ارادی طور پر سڑک پر ہی بچھے میں گر گیا اور پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگا اتنا رویا کہ ہچکی بندھ گئی۔ وجود ہولے، ہولے کانپ رہا تھا۔ دور سے گاڑی کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ وہ جھٹکے سے سیدھا ہوا اور بھاگ کر سڑک کنارے کھڑا ہو گیا۔ بچے کو سڑک پر تنہا دیکھ کر ڈرائیور نے بس روک دی۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

"کدھر جانا ہے لڑکے.....!" کنڈیکٹر نے نرم لہجے میں پوچھا۔

جواب ندارد..... آنسوؤں سے تر چہرہ دیکھ کر بنا کوئی دوسرا سوال کیے بیٹھا لیا گیا۔ اپنی، اپنی منزل پر سب مسافر اترتے چلے گئے، وہ پیچھے تنہا رہ گیا۔

"تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو کہاں جانا ہے؟" ڈرائیور نے ایک ہی دفعہ میں کئی سوال کر ڈالے۔

"میں یتیم ہوں۔ ماں، باپ دونوں ایک حادثے میں چل بسے۔ اپنے ہی گھر میں محفوظ نہ تھا اس لیے بھاگ آیا ہوں، کہاں جانا ہے کچھ معلوم نہیں۔" رندھی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

ڈرائیور اسے وہیں بس میں بیٹھنے کا کہہ کر کنڈیکٹر کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتا بس سے اتر گیا۔

وہ کھوجتی نگاہوں سے ان کے انداز دیکھ رہا تھا، خطرے کی بُو محسوس ہوئی تو آنکھ بچا کر وہاں سے بھاگ نکلا۔ اگرچہ ابھی کی عمر تھی مگر ماں، باپ کو کھونے کے بعد اور چچا، چچی کا اصل روپ دیکھ لینے کے بعد وہ قدرے ہوشیار ہو گیا تھا۔ بھاگتا، بھاگتا وہ کسی بازار میں جا پہنچا تھا، اگرچہ کندھے پر لٹکا بستہ تیز بھاگنے میں رکاوٹ پیدا کر رہا تھا لیکن اس میں اس کا کل اثاثہ تھا، وہ مر کر بھی اس بستے سے جدا ہو سکتا تھا۔ اپنی پیاری کتابوں کے ساتھ اس میں امی ابا کی واحد تصویر بھی تھی جو اس کی پہلی سالگرہ پر بنائی گئی تھی اور وہ ابا کی گود میں تھا لیکن نگاہیں ماں پر جمی ہوئی تھیں۔ بازار میں ہر طرح کی دکان موجود تھی۔ کھانے کی خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرا کر اس کی بھوک کو جگا گئی۔ پیٹ میں اک ہنگامہ سا برپا ہو گیا تھا۔ اسے یاد آیا کہ اس نے تو گزشتہ روز صرف صبح کا ناشتا کیا تھا، بھوکے پیٹ تقریباً چوبیس گھنٹے بیت چکے تھے۔

کھانے کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ دال چاول کی ریڑھی دکھائی دے گئی، کسی دکان پر جانے سے ریڑھی سے لے کر کھانا بہتر سمجھا اور دال چاول تو اس کا پسندیدہ کھانا تھا۔ اماں کے ہاتھ کی لہسن کے تڑکے والی دال یاد آتے ہی وہ تیزی سے آگے بڑھا۔

"چاچا ایک پلیٹ دال چاول دینا۔" وہ کہہ کر قریب رکھے بنچ پر بیٹھنے ہی لگا تھا کہ دھکا دے کر فرش پر گرا دیا گیا۔

"پتا نہیں کہاں سے منہ اٹھا کر آ جاتے ہیں یہ مانگنے والے۔ کام کاج کرتے موت پڑتی ہے۔ مانگتے ہوئے شرم نہیں آتی، دیکھو مانگنے بھی کیسے ڈھنائی سے ہیں۔"

وہ گرانے والے کا چہرہ نہیں دیکھ پایا تھا، آنکھیں نمکین پانی سے لبالب بھر گئی تھیں۔ وہ آستین سے آنکھیں صاف کرتا بنا اک لفظ منہ سے نکالے سڑک کے ایک طرف چلنے لگا۔ بھوک کا احساس بھی یک دم مٹ گیا۔ وہ بلا مقصد چلتا رہا، آنسو بہتے رہے۔ چلتے، چلتے کسی رہائشی علاقے میں نکل آیا تھا یہاں بڑے، بڑے گھر تھے۔ وہ سر اٹھائے حسرت سے ان محلوں کو دیکھ رہا تھا۔

"کام کرتے موت پڑتی ہے۔"

ریڑھی والے کے الفاظ کانوں میں گونجتے ہوئے سوچ کا نیا در وا کر گئے۔ کچھ دیر وہیں کھڑا سوچوں سے لڑتا رہا، خود کو مضبوط کرتا رہا۔ گہری سانس خارج کی گویا سب خدشات کو اگل کر آگے بڑھ گیا اور جھجکتے ہوئے ایک گھر کی اطلاعی گھنٹی بجا دی۔

"کون.....؟" مختصر سوال کے ساتھ دروازہ کھول دیا گیا۔

"یتیم۔" اس نے بھی مختصر جواب دیا۔

"کیا کام ہے؟" ابرو چڑھا کر پوچھا گیا۔

"کام کی تلاش ہے۔ جو کہو گے کروں گا بس دو وقت کی روٹی دے دینا۔" لعاب نگلتے ہوئے بمشکل کہہ پایا۔

"چل لڑکے نکل یہاں سے۔ کوئی کام وام نہیں ہے۔ یہ معصوم صورت دکھا کر کسی اور کو بیوقوف بنانا، میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ کام تو اک بہانہ ہے، سیدھی طرح کہو چور ہو تم۔"

یوں بری طرح دھتکار کر دروازہ آواز کے ساتھ

Scanned with CamScanner

دروازہ بند کر دیا گیا۔ دل دہل سا گیا، اک لمحے کو ایسا لگا کہ دنیا کا ہر در اس پر بند ہو گیا ہے وہ تنہا ویرانے میں کھڑا ہے جہاں وحشی درندے اسے نوچ کھانے کو طاق میں بیٹھے ہیں۔ اس ہتک آمیز سلوک پر آنسو ایک بار پھر رواں ہو گئے۔ دل کسی انجانے خوف سے لرزنے لگا تھا۔ سورج ڈوبنے کی تیاری کر رہا تھا۔ کچھ ہی دیر میں اندھیرا پھیلنے کو تھا۔ رات کے اندھیرے کا خوف اس کی رگوں میں ابھی سے سرایت کرنے لگا تھا۔ ماں کے سینے سے لپٹ کر سونے والے نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ ایسی رات بھی آئے گی جب ماں کی آغوش کجا سر پر چھت بھی نہ ہوگی۔ مزید کسی گھر کے دروازے پر دستک دینے کی جسارت نہ کر سکا۔ آنسوؤں کو روکنے کی سعی کرتا، وہ رات گزارنے کے لیے مناسب جگہ تلاش کرنے لگا۔ آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں اور پاؤں مزید چلنے سے انکاری۔ وہ بمشکل خود کو گھسیٹے جا رہا تھا۔ ایک بنگلے کے باہر باڑ کی دیواروں والا باغیچہ اسے رات ٹھہرنے کے لیے مناسب لگا۔ اِدھر اُدھر دیکھ کر کچھ دیر تسلی کر لینے کے بعد وہ باڑ کے اندر کود گیا۔ بستہ سر کے نیچے رکھا اور لیٹ گیا، نرم نرم گھاس پر لیٹتے ہی وادیٔ نوم میں اتر گیا۔

شانہ تھپتھپائے جانے پر اس کی آنکھ کھلی، سامنے اس کے ہم عمر دو بچے کھڑے تھے۔ کچھ دیر وہ غائب دماغی سے انہیں دیکھتا رہا۔

"کون ہو تم، کہاں سے آئے ہو، یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ سنجیدگی سے پوچھ رہے تھے۔

"م..... میں..... میں یتیم ہوں۔" اس نے زبان کی لڑکھڑاہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"رہنے کے لیے ٹھکانا چاہیے۔ اپنا نوکر بنا لیں مجھے، میں آپ کی بہت خدمت کروں گا۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر کہتا بے اختیار ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

چھوٹا لڑکا اس کی بات سن کر گھر کے اندر بھاگ گیا جبکہ بڑا اس کے پاس کھڑا پرکھتی نگاہوں سے اس کا جائزہ لیتا رہا۔ تھوڑی دیر میں چھوٹے لڑکے کے ساتھ ایک آدمی گھر سے باہر نکلا۔

سر تا پا اسے بغور دیکھا پھر اندر آنے کا اشارہ کر کے اندر کی طرف قدم بڑھا دیے، بچوں نے بھی ان کی پیروی کی، وہ بھی فرمانبرداری سے ان کے پیچھے چلنے لگا۔ یہ ایک عالی شان بنگلا تھا۔ وسیع و عریض گیراج جہاں بڑی سی کالے رنگ کی گاڑی کھڑی تھی، گیراج کے داہنی ہاتھ خوب صورت سا لان تھا جہاں میز کے ساتھ چار کرسیاں سجی ہوئی تھیں، رنگ برنگے پھول کیاریوں میں بہار دکھا رہے تھے۔ وہ پھٹی، پھٹی آنکھوں سے ہر شے کو دیکھ رہا تھا۔ ایسی آرائش پہلے بھلا کہاں دیکھی تھی۔ سب سے زیادہ جس چیز نے اس کی توجہ کھینچی تھی وہ ایک طرف دیوار کے ساتھ کھڑے سائیکل تھے۔ ایسے دیدہ زیب سائیکل اس نے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔

"ابا مجھے سائیکل چاہیے، میں سائیکل پر اسکول جاؤں گا۔"

"جب میرا پتر جوان ہو جائے گا ناں، ابا کی سائیکل لے لینا۔"

"پھر ابا کیا کرے گا؟"

"وہ تو بوڑھا ہو جائے گا اس سے بھلا کہاں چلائی جائے گی بڑھاپے میں سائیکل۔" الفاظ کانوں میں گونجتے ہوئے دل کو مچلنی کیے جا رہے تھے۔ وہ سر کو زور سے جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔ لکڑی کے دروازے سے اندر داخل ہوا تو اک الگ دنیا بسی دکھائی دی۔ ٹھنڈی اور خوشبو دار فضا، خوب صورت فرنیچر، صاف شفاف، چمکتے فرش، مٹی کا نام و نشان نہیں۔

"بیٹھو.....!" ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا گیا۔

وہ اپنے میلے لباس کے باعث کرسی گندی ہو جانے کے خیال سے فرش پر بیٹھ گیا۔

نعیم زمان اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے۔

"کون ہو کہاں سے آئے ہو؟ سچ، سچ بتانا۔ اک لفظ بھی جھوٹ نہیں برداشت کروں گا۔" انگلی اٹھا کر تنبیہی انداز میں کہا۔

اس نے اپنی مختصر داستان ان کے گوش گزار کر

Scanned with CamScanner

digest library.com

دی۔ معصوم صورت، بہتے آنسو اس کے الفاظ کے صدق کی گواہی دے رہے تھے۔

"ٹھیک ہے آج سے تم یہیں رہو گے ہمارے ساتھ۔ گھر کے چھوٹے موٹے کام کر دیا کرنا۔ دو وقت کا کھانا بھی ملے گا اور تنخواہ بھی۔"

مسز فہیم نے اپنی آنکھوں کے گوشے صاف کرتے ہوئے جھٹ سے فیصلہ سنا دیا۔

فہیم صاحب اور بچے اس فیصلے پر خندہ پیشانی سے مسکرا دیے اور وہ..... وہ تو چہک ہی اٹھا تھا۔

اتنے بڑے گھر میں دو میاں، بیوی اور ان کے دو بچے رہتے تھے۔ قریبی بازار سے سودا سلف لانا، اطلاعی گھنٹی بجنے پر دروازہ کھولنا، کچن کے کاموں میں مسز فہیم کا ہاتھ بٹانا اس کی ذمے داریوں میں شامل تھا۔ شام کو جب بچے باہر کھیلنے چلے جاتے اور وہ فارغ ہوتا تو اپنی کرسی میں گھول کر بیٹھ جاتا۔

"لگتا ہے تمہیں پڑھنے کا بہت شوق ہے۔" مسز فہیم اپنا چائے کا کپ لیے باہر لان میں چلی آئیں تو اسے کتابوں کے ساتھ مصروف دیکھا۔

"جی ـــ!" اس نے زور سے سر اثبات میں ہلایا۔ اس کی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے وہ کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئیں۔

حسن اور حسین واپس آئے، سائیکل اپنی مخصوص جگہ پر کھڑی کی اور تھکے ہوئے انداز میں ماں کے قریب آ بیٹھے۔

"امی آج میں نے بھیا کو ریس میں ہرا دیا۔" حسن نے پھولی ہوئی سانسوں کے درمیان پرجوش لہجے میں بتایا۔

"اس نے چیٹنگ کی ہے، شارٹ کٹ سے نکل گیا اور جیت گیا۔" حسین نے اپنا دفاع کیا۔

"نہیں جی ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔"

"ایسا ہی کیا تھا تم نے وہیں اتنی جلدی کوئی نہیں پہنچ سکتا۔" حسین نے اسے چڑانے کے لیے پرزور لہجہ اپنایا۔

"امی دیکھیے ابھیا مجھے تنگ کر رہا ہے۔" وہ

پاکیزہ کی دیرینہ ساتھی اور تبصرہ نگار فہمیدہ جاوید، ملتان کے ہونہار بچے جنید علی کی شاندار تعلیمی کامیابی کو سراہا گیا۔ جنید علی کا تعلق شعبۂ درس و تدریس سے ہے اور وہ NCBA &E الحمرا ایجوکیشن سٹی، ملتان کیمپس میں ایم فل ایجوکیشن کے فرسٹ سمسٹر میں نمایاں کارکردگی پر سند اعزاز حاصل کرنے میں کامیاب رہے۔ یہ سند انہیں شعبۂ تعلیم ایچ او ڈی ڈاکٹر حفیظ کوثر اور ڈاکٹر شکیل رضا گردیزی کے ہاتھوں دی گئی۔ ان کی یہ کامیابی دیگر طلبہ کے لیے محنت، لگن اور مستقل مزاجی کی روشن مثال ہے۔

از: فہمیدہ جاوید، ملتان

مکین

میں خوش قسمت ہوں
میں خوش بخت ہوں
کہ تم
دل میں میرے
رہتے ہو

توہین

انسان اپنی توہین معاف کر سکتا ہے
بھول نہیں سکتا

Scanned with CamScanner

روہانسا ہوگیا۔

"نہ تنگ کرو بھیا! میرے بیٹے کو۔" ممی نے مصنوعی خفگی دکھائی۔

وہ بھی سر اٹھائے اس نوک جھونک سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

اچانک یاد آیا کہ وہ ریاضی کا سوال حل کرنے کی کوشش کر رہا تھا، وہ ایک بار پھر اپنی کاپی پر جھک گیا، جب بہت کوشش کے باوجود حل نہ کر سکا تو اپنی جگہ سے اٹھ کر حسین کے قریب چلا آیا۔

"صاحب جی کیا آپ یہ سوال حل کر سکتے ہیں؟"

حسین نے اس کے ہاتھ میں کتاب دیکھی تو پہلے اسے خوشگوار جھٹکا لگا۔

"اچھا تو تم پڑھتے بھی ہو۔ کس جماعت میں ہو؟" حسین نے کتاب اس کے ہاتھ سے لیتے ہوئے استفسار کیا۔

"چوتھی جماعت میں۔" اس نے مختصر جواب دیا۔

"ارے ہمارا حسن بھی فورتھ کا ہی طالب علم ہے۔" حسین چہکا۔

حسن بھی تیزی سے قریب آ کر اس کی کتاب الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔

"ہاں! میری کتاب بھی بالکل ایسی ہی ہے۔"

"چلو پھر یہ سوال تم حل کر کے دکھاؤ۔"

"میں نے ابھی تک یہ باب نہیں پڑھا۔" اس نے منہ بسورا۔

"ہونہہ! چلو آؤ میں دونوں کو سمجھاتا ہوں۔"

اب دونوں انہماک سے سوال سمجھنے لگے۔

"حسین اور حسن آپ جب پڑھنے بیٹھو تو اسے بھی ساتھ بیٹھا لیا کرو۔" مسز نہیم نے کچھ توقف کے بعد نرم لہجے میں کہا۔

اب دونوں بھائی، پڑھائی میں اس کی مدد کرنے لگے۔ وقت پر لگا کر اڑنے لگا۔ حسن کے ساتھ اس نے بھی پرائیویٹ میٹرک کا امتحان دے ڈالا۔ اچھے نمبروں سے پاس ہوا۔ اس کی محنت اور لگن سے متاثر ہو کر نہیم صاحب نے اس کا گورنمنٹ کالج میں داخلہ کروا دیا۔ وہ بہت خوش تھا، دل جمعی سے پڑھنے لگا لیکن اپنے فرائض سے بھی کبھی کوتاہی نہ برتی کالج سے واپسی پر اپنے ذمے لگے کام احسن طریقے سے انجام دیتا۔ کئی بار مسز نہیم نے اسے منع بھی کیا کہ وہ اب گھر کا فرد ہے، نوکروں والے کام نہ کیا کرے مگر خودداری اسے آرام سے بیٹھنے نہ دیتی تھی۔ نہیم صاحب نے اسے حسن اور حسین کے ساتھ ٹیوشن سینٹر جانے کو کہا تو اس نے سہولت سے انکار کر دیا۔ اپنی محنت کے بل بوتے پر پاس ہونا چاہتا تھا اور مزید احسانات تلے نہیں دبنا چاہتا تھا۔ یونہی دل لگا کر پڑھتے ایف اے بھی کر لیا۔

"آگے کیا کرنا چاہتے ہو؟" نہیم صاحب نے پیار سے پوچھا تھا۔

"وکالت۔" اس مختصر جواب کے ساتھ اس نے اپنا گلک بھی ان کے سامنے رکھ دیا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" اچنبھے سے پوچھا گیا تھا۔

"اس میں میری آج تک ملنے والی تنخواہ محفوظ ہے جو کہ میں نے اسی دن کے لیے سنبھال رکھی تھی۔ مجھے وکالت کرنی ہے۔ میں چچا کے خلاف اپنا مقدمہ خود لڑوں گا۔ ان کے لیے فرار کی کوئی راہ نہیں چھوڑوں گا۔ اپنا حق کسی طور ہڑپ نہیں کرنے دوں گا، اپنا حق ہر صورت وصول کر کے رہوں گا۔"

اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اس کا عزم، اس کا جذبہ وہاں موجود ہر فرد کو بھایا تھا۔

☆☆☆

ٹریکٹر کی تیز آواز اسے ماضی کے گرداب سے کھینچ لائی۔ منظر بدل چکا تھا، کچھ دیر پہلے سامنے موجود چاچا، بھتیجا آس پاس کہیں بھی دکھائی نہیں دے رہے تھے، جانے کب وہ منظر سے کھسک گئے اسے خبر بھی نہ ہو سکی۔ اطراف میں نگاہ دوڑاتے ہوئے گہری سانس کھینچی تو اس فضا میں اپنے مرحوم والدین کی خوشبو محسوس ہوئی۔ ماں، باپ مر کر بھی ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اور ان کی دعاؤں کا سایہ ساری زندگی آپ اپنے ساتھ محسوس کرتے ہیں۔ منتشر دھڑکنوں کو بمشکل سنبھالتے ہوئے

Scanned with CamScanner

digest library.com

دروازے پر دستک دینے کے لیے ہاتھ اٹھایا، ہاتھ کپکپا رہا تھا۔ پیشانی پر بل ڈالے کتنی ہی دیر دروازے کو گھورتا رہا، ہاتھ بڑھا کر دروازے پر دستک دینے میں کافی وقت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے ہاتھ جھٹکا، گلا کھنکھارا۔

"میں اب کمزور سا بچہ نہیں رہ گیا۔ اِک مضبوط مرد بن چکا ہوں۔ میں کیوں ڈر رہا ہوں، اب ڈرنے کی باری ان کی ہے۔" اس سوچ کے ساتھ اس نے زوردار دستک دے ڈالی۔

دستک دینے کے تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا، چچی کا چہرہ دکھائی دیا۔ چہرے پر پڑی جھریوں کے باوجود وہ پہلی نظر میں ہی پہچان گیا مگر چچی کی آنکھوں میں شناسائی نہیں ابھری۔ وہ پہچانتی بھی تو کیسے؟ جب یہاں سے گیا تھا تو بارہ، تیرہ سال کا کمزور سا لڑکا تھا اور آج وہ ایک کڑیل، خوبرو جوان معروف ایڈووکیٹ تھا۔ جس کا ڈنکا پورے شہر میں بجتا تھا۔

"کون ہو؟ کس سے ملنا ہے؟" چچی نے دوپٹے سے چہرہ ڈھانپتے ہوئے پوچھا۔

"عبدالکریم سے ملنا ہے۔ انہیں باہر بھیج دیجیے۔" وہ سپاٹ لہجے میں کہتا ہوا رخ پھیر گیا تھا۔

"وہ تو باہر نہیں آسکتا، صاحب آپ ہی اندر آجاؤ۔" چچی نے کمزور لہجے میں کہہ کر اندر آنے کا رستہ دیا۔

"وہ باہر کیوں نہیں آسکتے؟" وہ استفسار کرنا چاہتا تھا لیکن چپ چاپ اندر داخل ہو گیا۔ گھر کی اندرونی حالت بھی ویسی ہی تھی جیسی وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ آنکھوں میں اترتی نمی پر ضبط کا پل باندھے وہ چچی کی قیادت میں آگے بڑھ گیا۔

کمرے میں داخل ہوا تو سامنے بستر پر فالج زدہ چچا کو دیکھ کر دھچکا لگا تھا۔

"یہ کب سے بستر پر ہیں؟" وہ بے اختیار پوچھ بیٹھا۔

"تین سال ہو گئے۔"

چچی کی آواز میں نمی گھلتی محسوس ہوئی تھی۔

"آپ کا بیٹا کہاں ہے، اسے بلا دیں میں بہت ضروری کام کے سلسلے میں آیا ہوں۔"

"جی وہ تو بیرون ملک چلا گیا۔ اسی کی وجہ سے تو اس کے باپ کی یہ حالت ہوئی ہے۔ وہ ادنے پونے ساری زمینیں بیچ کر پیسہ بٹور کر باہر نکل گیا۔ اس نامراد نے اِک پل کے لیے بھی نہ سوچا کہ اس کے بعد ہمارا کیا ہوگا۔" سسکیوں کے دوران بتایا گیا۔

"عبدالقدوس کے بیٹے کا حق بیچ کر کھا گیا؟" اس کا لہجہ کرخت ہوا۔

"جی وہ بچہ تو مر گیا تھا اس کا کیسا حق؟" چچی نے جلدی سنبھلتے ہوئے بات سنبھالی۔

"اوہ..... اچھا تو اس کی موت کا اعلان کر دیا گیا۔ زندہ انسان کے متعلق یہ افواہ پھیلاتے رب کا خوف نہیں آیا۔" اس نے تیز آواز میں پوچھا۔

"میں سچ کہہ رہی ہوں صاحب جی! وہ بچہ ماں، باپ کا دکھ جھیل نہ سکا اور پاگل ہو گیا، ایک دن گھر سے نکل گیا اور بس کے نیچے آگیا۔ عبدالکریم اسے شہر میں ہی دفن کر آیا، اس کی لاش اس قابل نہ تھی کہ گاؤں لائی جاتی۔" اس کہانی پر اس کا خون کھول گیا تھا۔

"جو بویا تھا وہی کاٹ رہے ہیں آپ لوگ۔ جو دولت جیسے حاصل کی گئی تھی ویسے ہی کھو بھی گئی۔ بھتیجے کو لوٹنا تھا، بیٹا آپ لوگوں کو لوٹ کر چلتا بنا۔" وہ استہزائیہ ہنسا۔

تھوڑی دیر پہلے چچا کی حالت دیکھ کر دل میں اٹھنے والے جذبات اڑن چھو ہو چکے تھے۔ چچی آنکھیں پھاڑے اس کا منہ تکے جا رہی تھی۔

"وہ بس کے نیچے آکر مرنے والا لڑکا، آپ کے سامنے کھڑا ہے چاچی۔ میں ہی ہوں وہ شبیر۔ شہر کا ایک نامور وکیل شبیر ملک۔ چاہوں تو سارے گاؤں والوں کو آپ کی اصلیت بتا کر آپ کی رہی سہی عزت کی بھی دھجیاں بکھیر دوں۔ جس چھت تلے منہ چھپا کر بیٹھے ہیں ناں آپ وہ بھی چھین لوں۔ میں یہاں اپنا حق وصول کرنے آیا تھا۔ آپ لوگوں کو سزا دلوا کر انصاف کا پرچم لہرانے آیا تھا مگر بھول گیا تھا کہ رب سے بڑا منصف کوئی نہیں، اس کی لاٹھی بے آواز ہے، جب برستی ہے تو ظالم کہیں کا نہیں رہتا۔" یہ کہہ کر وہ رکا نہیں تھا۔

❁❁❁

Scanned with CamScanner

سلسلے وار ناول

کون خوابوں کے پار رہتا ہے

انشاں آفریدی کے مشّاق طرزِ بیان کی آئینہ دار ایک دلکش تحریر

خواب خواہ جاگتی آنکھوں کے ہوں یا سوئی آنکھوں کے، تعبیر پانا چاہتے ہیں۔ خواب سے حقیقت تک کا یہ سفر کبھی مسافر کو منزل سے ہم کنار کر دیتا ہے تو کبھی بھٹکا بھی دیتا ہے۔ خوابوں کی وادی، خیالات کی سرزمین اور تخیّلات کا جہان ہمیشہ ہی انسان کو اپنی سحر انگیز کشش سے گھیر لیتا ہے۔ سورج کی سنہری کرنوں کی مانند خواب بھی ایسے ہوتے ہیں جن پر کوئی پابندی عائد نہیں کر سکتا۔ تمناؤں اور آرزوؤں کی تکمیل میں یہ خیالی جہان کبھی رہنمائی کا چراغ بن کر روشن ہوتا ہے اور کبھی مایوسی کی دھند میں گم ہو جاتا ہے۔ اگر انسان ان خوابوں کو جستجو کا اشارہ سمجھے، تو ان کی تعبیر کے حصول کا سفر راہوں کو ہموار کر دیتا ہے اور منزل قریب تر ہو جاتی ہے۔ انجام خواہ کچھ بھی ہو خواب بننا اور ان کو حقیقت کا روپ دینے کی خواہش کرنا آدم کی فطرت اور اس کا حق ہے۔ خواب سے تعبیر تک کے سفر پر گامزن کچھ ایسے مسافروں کا قصّہ جنہیں آنکھوں سے زیادہ خواب پیارے تھے۔

آنکھ کو انتظار رہتا ہے ..... کون خوابوں کے پار رہتا ہے

قسط ۵

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

digest library.com

سب کچھ ویسا ہی تھا مگر..... بس ایک کمی تھی۔ آج Amelia کاؤنٹر پر موجود نہیں تھی۔

اس کے قدم ایک لمحے کے لیے ٹھٹک گئے۔ کاؤنٹر کی خالی جگہ نے یکا یک ریسٹورنٹ کے شور کو مدھم کر دیا۔ جیسے میوزک سے کوئی اہم نوٹ اچانک غائب ہو گیا ہو۔

اس کی نظریں بے اختیار ایمیلیا کی تلاش میں بھٹکی تھیں۔ وہ جگہ جہاں ہر شام ایمیلیا اپنے سنہرے بالوں کو جوڑے میں لپیٹے، barista مشین کے قریب تیزی سے ہاتھ چلاتی، ریسٹورنٹ میں آتے جاتے ہر کسٹمر کو مسکراتے ہوئے "hl therel" کہتی تھی، وہ کاؤنٹر آج خالی تھا۔

سنہری روشنی میں وہ خالی جگہ اور بھی بے رونق لگ رہی تھی۔ مصعب غیر ارادی طور پر چند لمحوں کے لیے وہیں ٹھہرا رہا۔ پھر آگے بڑھ کر ایک مرتبہ اور آنکھیں سکوڑ کر کاؤنٹر کے پیچھے جھانکا۔

وہاں کوئی نہیں تھا۔

نہ ایمیلیا..... نہ اس کے کپ اسٹیکرز اور نہ اس کا چھوٹا سا ڈائری کور جو وہ ہمیشہ ساتھ رکھتی تھی۔ اس کی حیرانی آہستہ، آہستہ بے چینی میں بدلنے لگی۔

"ارے صوب بیٹا! تم کب آئے۔" کاؤنٹر کے پیچھے سے نمودار ہونے والے چودھری صاحب کی مسرت بھری آواز نے اسے یک دم متوجہ کیا تو وہ انہیں سامنے پا کر مسکرا دیا۔

"السلام علیکم چچا..... میں بس ابھی ابھی پہنچا ہوں۔" آگے بڑھ کر مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا تو انہوں نے جسب سابق بڑھ کر اسے گلے سے لگا لیا۔ "کیسے ہیں آپ؟"

"وعلیکم السلام پتر۔ رب کے کرم سے اچھا ہوں اور اتنے عرصے بعد تمہیں دیکھ کر تو اور بھی اچھا محسوس کر رہا ہوں خود کو۔" چودھری صاحب نے الگ ہوتے ہوئے اس کا شانہ تھپکا اور ہنس کر بولے۔

چودھری رشید ساٹھ کے پیٹے میں داخل ہوتا ایک باوقار آدمی تھا جس کے چہرے پر زندگی کی تھکاوٹ سے بنی ہوئی ہلکی، ہلکی جھریاں واضح تھیں مگر پھر بھی اس کی آنکھوں میں شفقت اور کشادگی جھلکتی تھی۔ تراشی ہوئی مونچھوں اور داڑھی میں سفید بالوں کا غلبہ اس کی سنجیدگی میں اضافہ کرتا تھا۔

اس کا لباس ہمیشہ سادہ مگر پُروقار ہوتا۔ اکثر سفید کرتے شلوار پر بھوری یا سیاہ واسکٹ زیب تن کیے رہتا جس کی جیب میں سنہری فریم کا چشمہ ہوتا۔ دیہات کا بھرپور مزاج لیے اس کی آواز بھاری مگر محبت بھری تھی جو سامنے والے کو دل میں اترتی محسوس ہوتی۔

"محبت ہے آپ کی۔" وہ دلنواز طریقے سے متبسم ہو کر بولا تھا۔ لہجے میں ان کے لیے احترام کے ساتھ، ساتھ گرم جوشی بھی تھی۔

"تم میرے لیے میری ایمی سے کم نہیں ہو پتر صوب۔ بہت یاد کرتا ہوں میں تمہیں۔ مگر اب تم بہت مصروف ہو گئے ہو اس لیے اپنے چچا رشید سے ملنے کا وقت نہیں ہوتا تمہارے پاس۔" چودھری صاحب نے اپنائیت بھرا شکوہ کیا تو وہ نادم سا ہو گیا۔

"نہیں چچا، ایسی بات نہیں ہے۔"

"ایسی ہی بات ہے۔ اب دیکھو ناں، آج بھی تم میرے بلانے سے آئے ہو۔ جبکہ ہماری آخری ملاقات ہوئے کتنے ماہ گزر چکے ہیں۔" انہوں نے دوستانہ لہجے میں گلہ کرتے ہوئے شفقت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا جیسے دیر سے لوٹے مسافر کو خوش آمدید کہنا چاہ رہے ہوں۔ تو وہ دل ہی دل میں اپنی کوتاہی پر شرمندہ ہوئے بنا نہ رہ سکا۔

"چلو خیر ہے..... اب جانے دو اس بات کو۔ تم میرے اپنے ہو اور اپنوں سے شکوہ کرنا تو بنتا ہے ناں باؤ۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

مصعب۔" ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہتے ہوئے انہوں نے اس کی ندامت رفع کرنا چاہی اور اپنے ایک خاص انداز میں اسے "ہاؤ مصعب" کہہ کر پکارا تو وہ بے اختیار مسکرا دیا۔

"ادھر آؤ، ہم وی آئی پی ٹیبل پر بیٹھتے ہیں۔ آج تمہارے لیے خاص تمہاری پسند کی گرلفش آلیو آئل میرینیڈ تیار کروائی ہے۔" وہ اسے ساتھ لیے ریسٹورنٹ کے وی آئی پی کارنر کی طرف آ گئے۔ اس نے غور کیا تو اندازہ ہوا کہ گزرے سالوں میں چودھری صاحب نے ریسٹورنٹ کو کافی جدید طرز پر آراستہ کر لیا تھا۔

"اس سب کی ضرورت نہیں تھی چچا رشید، میں یہاں صرف آپ سے ملنے آیا ہوں۔ یوں بھی آپ جانتے ہیں، میں رات کو ہیوی میل نہیں لیتا۔" اس نے شائستگی سے کہا۔

"میں جانتا ہوں پتر۔ کہا ناں کہ خاص تمہارے ذوق کے مطابق کھانا بنوایا ہے۔ بہت لائٹ سا ہے۔ ساتھ میں اسٹرابری مکسڈ وجیٹیبلز بھی ہیں رائتے کے ساتھ۔" چودھری رشید نے بے فکری سے کہہ کر ویٹر کو بلایا اور اسے کھانا لانے کو کہا۔ وہ مزید انکار نہ کر سکا اور اخلاقاً مسکرا دیا۔ تاہم اس کے دل میں ایمیلیا کی غیر موجودگی سوال بن کر ابھر رہی تھی۔

کھانا حسب سابق بہت لذیذ تھا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی ہاتھ نہ روک سکا۔

کھانے کے دوران چودھری رشید اسے ریسٹورنٹ کی ریزویشن سے متعلق بتاتے رہے، کچھ دیر پاکستان کی سیاست بھی زیر بحث رہی اور اس کے بعد رشید صاحب نے اس کے لاکھ منع کرنے کے باوجود میٹھے میں گڑ کے چاول منگوائے تو وہ بس مسکرا کر رہ گیا۔ خواہ ریسٹورنٹ میں کھانے کسی بھی cuisine کے بنتے، تاہم چودھری صاحب کی پسند کے گڑ والے چاول روز کے میلو کا حصہ ہوتے تھے۔

"کافی منگواؤں یا ہمیشہ کی طرح chai latte؟" میٹھا ختم ہوتے ہی انہوں نے مسکرا کر پوچھا۔

"آپ جانتے ہیں چچا، عادتیں پختہ ہیں میری۔ ان میں تبدیلی لانا آسان نہیں ہے۔" اس نے خوش دلی سے ہنس کر جواباً کہا تو رشید صاحب بھی ہنس پڑے۔

"اور سناؤ۔۔۔ کیا کر رہے ہو آج کل؟" ویٹر کو چائے latte لانے کی ہدایات دینے کے بعد اب وہ مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ جس کی متلاشی نظریں ایک بار پھر کاؤنٹر کے اطراف میں گھوم گئی تھیں۔

"جیسے کہ آپ جانتے ہیں، میں نے طے کر رکھا تھا کہ فارم ڈی مکمل کرنے کے بعد جب تک مجھے کسی renowned اسپتال میں جاب نہیں ملتی تب تک کے لیے کہیں انٹرن شپ کر لوں گا سو پچھلے چھ ماہ سے میں نے ویسٹ لندن کے ہاسپٹل کو ایز اے انٹرن جوائن کیا ہوا ہے جس کی مدت اگلے ویک ختم ہو رہی ہے۔" اس نے مختصر سا جواب دیا۔

"ہوں، جانتا ہوں۔ تو پھر اب آگے کیا کرنا ہے؟"

"آگے کے لیے آپ کو یہ جان کر خوشی ہو گی کہ مجھے سینٹ جورجز میں کلینکل فارماسسٹ کی جاب مل گئی ہے۔ اگلے تین ماہ میں جوائن کرنا ہے۔" اس نے ایک معنی خیز وقفے کے بعد یہ خوشخبری سنائی تو چودھری رشید نے یک دم خوشی سے اسے دیکھا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اس جگہ جاب ملنا اس کا برسوں کا خواب تھا۔ اس کے چہرے پر مسرت بھری مسکراہٹ تھی۔

"بہت خوب، بھئی بہت خوب۔ بہت مبارک ہو پتر، بالآخر تم نے اپنا گول حاصل کر ہی لیا۔ سچ کہتے ہیں بزرگ، نیت اور کوشش خالص ہو تو انسان اپنی منزل پا ہی لیتا ہے۔" چودھری رشید نے محبت سے اس کا ہاتھ تھپک کر مرعوبیت سے اونچے قد اور مضبوط کندھوں والے مصعب کو دیکھا۔

اس کے سیاہ گھنے بال ترتیب سے سجے ہوئے تھے، جن پر ذرا دیر پہلے ہوئی بارش کی نمی اب بھی موجود تھی، ہلکی

Scanned with CamScanner

سی جیل کی چمک انہیں سلیک بنا رہی تھی۔ چہرے پر ہلکی stubble داڑھی اس کے چہرے کی مجبوری میں اضافہ کرنے کا سبب تھی۔ اور ہونٹوں پر ٹھہری مسکراہٹ اس کے وقار میں۔

"یہ سب اللہ کا کرم اور آپ جیسے پُرخلوص لوگوں کی دعاؤں کا ثمر ہے چاچا رشید۔" اسے چودھری رشید کو اپنے لیے یوں مسرور دیکھ کر بہت اچھا لگا۔ اس کے دوستوں اور اسمتھ کی طرح وہ بھی اس کی کامیابی پر دل سے خوش تھے۔ وہ رشتوں کے لحاظ سے خالی ہاتھ ضرور تھا مگر پُرخلوص لوگوں کے ساتھ کے معاملے میں اسے خوش نصیب مانا جا سکتا تھا۔ جواب میں رشید صاحب شفیق انداز میں مسکرا دیے۔

"ویسے آپ کو ایک اطلاع اور بھی دینا تھی..... میں چند دنوں میں پاکستان جا رہا ہوں۔" اس نے ایک معنی خیز وقفے کے بعد بتایا۔ یہ خبر پہلی سے زیادہ حیران کن تھی۔ چودھری رشید چند لمحے بے یقینی سے اسے دیکھتے رہے اور جب یقین آیا تو بے اختیار جوش سے اس کا شانہ تھپکا۔

"ہم..... م..... تو گویا کفر ٹوٹا خدا، خدا کرکے۔" وہ خوش طبعی سے کہہ رہے تھے۔ "بالآخر وطن کی مٹی تمہیں اپنے پاس بلانے میں کامیاب ہو ہی گئی۔ سچ ہے کہ انسان اپنے اصل سے کٹ کر زیادہ دن نہیں رہ سکتا۔"

"اگر ایسی ہی بات ہے تو آپ اتنے سالوں سے پاکستان کیوں نہیں گئے؟" ان کی بات کے نتیجے میں اس کے لبوں سے بے ساختہ سوال نکلا تھا۔ انداز البتہ تجسس سے خالی تھا۔ وہ انہیں محض چھیڑ رہا تھا۔ ورنہ دوسروں کی ذاتی زندگی سے متعلق سوال کرنا اس کی عادت کے خلاف تھا۔

"ہاہ ہائے..... کیا بتاؤں پتر اپنے پاس تو لیگل ویزا نہ ہونے کی وجہ سے میں لندن کو چھوڑ کر کہیں جا نہیں سکتا تھا اور بعد میں ایمی اور اس کی ماں کی وجہ سے لندن نے مجھے کہیں جانے نہیں دیا۔ اور یوں اپنا گھر اور اپنا پنڈ کہیں دور ہی رہ گیا اور اس کے لوگ بھی۔" چودھری رشید کے ہلکی، ہلکی لکیروں والے چہرے پر اداسی کی ایک لہر سی ابھر کر ڈوب گئی۔

"تم جانتے ہو وہ کون لوگ تھے؟" چودھری رشید مشکل یادوں کے جم غفیر سے ہاتھ چھڑا کر اس کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ اتر آئی جس میں حزن تھا کچھ رنج تھے۔ انہوں نے اس سے خود ہی یہ سوال پوچھا جیسے وہ اس سے کچھ کہنا چاہتے ہوں۔

"وہی لوگ جن کا مستقبل بنانے کی خاطر میں یہاں آیا تھا اور پھر وہی میرا ماضی بن گئے۔" ان کے بظاہر مسکراتے چہرے پر اداس آنکھیں کوئی اور فسانہ سنا رہی تھیں۔ اس دوران چائے latte سرو کر دی گئی۔

مصعب نے ویٹر کے جانے کے بعد کچھ سوچتے ہوئے گہرے لہجے میں انہیں مخاطب کیا۔

"اور آپ کا حال؟ آپ کے اس ماضی اور ان لوگوں کے مستقبل کے بیچ میں یہ گزرتا حال بھی تو ہے چاچا۔ کبھی اسے بدلنے کی کوشش نہیں کی آپ نے؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ انداز کچھ کھویا، کھویا سا تھا۔

"اس حال کا بھی تم نے خوب ہی پوچھا پتر صوب۔ جس کا کوئی حال نہیں۔" جواب میں چودھری رشید نے ایک بھرپور قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو وہ لب بھینچ کر ان کی آنکھوں میں اترتی نمی دیکھنے لگا۔

"اس بارے میں کبھی فرصت سے بات کریں گے پتر۔ فی الحال تو تمہاری دونوں خوش خبریوں نے دل خوش کر دیا ہے۔ اور اس پر تو مٹھائی بنتی ہے۔" وہ بے تکلفی سے اس کا ہاتھ تھپتھپا کر بولے۔ چند سیکنڈز میں ان کے چہرے کا تاثر بدل گیا تھا۔ وہ بھی سنبھل کر مسکرا دیا۔

"مٹھائی بعد میں چاچا..... کھانا کھائیں گے ہم ساتھ۔ اس سنڈے آپ اور ایمی میری طرف آ جائیں۔" اس نے محبت سے کہا تھا۔ پھر کاؤنٹر پر نظر ڈال کر ان کی طرف دیکھا۔

"ہائی واوے چاچا! ایمی ہے کہاں؟ آج ریسٹورنٹ نہیں آئی وہ؟"

digest library.com

Scanned with CamScanner

digest library.com

وہ پوچھ رہا تھا۔ جواب میں مصعب نے ان کے ہنستے چہرے پر بجھی آنکھوں میں یک دم سنجیدہ تاثر ابھرتا دیکھا تو ٹھٹک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"ایکی اب یہاں نہیں ہوتی پتر۔" وہ معمول کے سے انداز میں کہہ رہے تھے۔ مگر اس کے لیے یہ خبر معمولی نہیں تھی۔

چودھری رشید نے دیکھا اس کی آنکھوں میں کئی سوال ابھر رہے تھے۔

☆☆☆

"اگ آنی اکیا زبردست خبر سنائی ہے تم نے میری پیاری۔ سچ میں دل گارڈن، گارڈن ہوگیا میرا۔" تیلو لے کے لیے لیٹی نشوبی جھٹکے سے بستر پر اٹھ بیٹھی تھی۔ جوش سے بولی تو کال پر بات کرتی رومائزہ ہنس پڑی۔

"میں بھی بہت خوش ہوں کہ مجھے انٹرن شپ کرنے کی اجازت مل گئی۔"

"ویسے یہ معجزہ سر ہوا کیسے؟ تمہاری جوہرانہ صلاحیتوں سے تو یہ بعید از قیاس ہی تھا کہ تم کسی کو قائل کرسکو۔ خاص طور پر تمہارے بڑے ابا جیسی چٹانی شخصیت کو؟" نشوبی نے شوخی سے سوال داغا۔

"یہ تو ہے..... اس لیے میں نے بتایا ابا سے بات کی تھی۔ یقین تھا کہ ابا کو وہی کنوینس کرسکتے ہیں۔" اس نے اپنی کمزوری تسلیم کرتے ہوئے سادگی سے بتایا تو نشوبی نے گہری سانس بھر کر مایوسی سے سر ہلایا۔

"چلو جیسے بھی سہی یہ مرحلہ تو طے ہوا۔ اب یہ بتاؤ کہ جوائن کب سے کر رہی ہو؟"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے فارینہ نے بھی یہی پوچھنے کے لیے میسج کیا تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ گھر والوں سے اجازت مل گئی ہے تو کہنے لگی کہ کل ہی ہاسپٹل آجاؤ۔" اس نے قصداً نشوبی کے لہجے کو نظر انداز کرتے ہوئے بتایا۔

"گریٹ۔ بس پھر فوراً ڈن کرو اور پہلی فرصت میں میرے پاس چلی آؤ۔" نشوبی نے دوستانہ لہجے میں حکمیہ کہا۔

"وہ کس خوشی میں؟" رومائزہ نے تشکیک بھرے لہجے میں پوچھا تھا۔

"اجازت ملنے کی خوشی میں ڈفر۔ مجھے ٹریٹ چاہیے اور وہ بھی ابھی۔" وہ ہٹیلے پن سے بولی تو اس نے نورا سوال کیا۔

"تو اس کے لیے آپ شاداب منزل میں قدم رنجہ کیوں نہیں فرماتیں نشوبی صاحبہ۔"

"نہ بابا معاف کرو، مجھے نہیں آنا اس وقت تمہاری طرف۔ تمہارے بڑے ابا اس ٹائم یقیناً لاؤنج میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے ہوں گے۔ مجھے نہیں کرنا ان کا سامنا۔" نشوبی نے جیسے جھرجھری لیتے ہوئے صفا انکار کیا تو رومائزہ نے ہنسی دبا کر پوچھا۔

"تم بڑے ابا سے اتنا ڈرتی کیوں ہو؟" رومائزہ کی حیرت بجا تھی۔

"میں ان سے نہیں، اس ڈیپریشن سے ڈرتی ہوں جو اُن کا سامنا کرتے ہی اچھے بھلے انسان پر سوار ہو جاتا ہے۔ ان میں اداس رہنے کا ایک عجیب سا ہنر ہے۔" نشوبی کا اپنا ہی فلسفہ تھا۔

"کوئی بھی شخص شوق سے اداس نہیں رہتا نشوبی۔ یہ تو بس غم ہیں جو انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔" اس نے نصیحت آمیز لہجے میں کہا تو نشوبی کچھ نادم سی ہوگئی۔

"اچھا بابا، تم جیتیں میں ہاری۔ سمجھ گئی میں تمہارا للہ۔ اب خوش۔"

"ہاں بہت خوش ہوں اب۔" اس نے ہلکی مسکراہٹ سمیت کہا تو نشوبی نے سکون کی سانس لی۔

"چلو تو پھر پہلی فرصت میں یہاں پہنچو۔ ٹریٹ کے بعد تمہارا آؤٹ فٹ بھی ڈیسائیڈ کرنا ہے کیونکہ کل تمہارا پہلا دن ہے۔ بہت اچھا لگنا ہے تمہیں کل۔"

Scanned with CamScanner

digest library.com

"کل میرا انٹرویو ہے، کوئی برد کھوا نہیں۔"

"کیا پتا کوئی برد کھوا ہی ہو جائے وہاں۔ وہ کیا کہتے ہیں کہ موت اور پروپوزل کا کوئی وقت نہیں ہوتا۔ انسان کو اپنی تیاری مکمل رکھنی چاہیے۔" نشوئی نے اطمینان سے فلسفہ بگھارا۔

"بہت ہی فضول اور بے تکی سوچ ہے تمہاری۔" وہ سچ مچ چڑ گئی تھی۔

"اچھا بھئی ناراض حسینہ! میں اپنے الفاظ واپس لیتی ہوں۔ چلو شاباش اب میری طرف کا سفر اختیار کرو۔ میں منتظر ہوں۔" نشوئی نے مصالحت آمیز لہجے میں کہہ کر کال ڈراپ کر دی۔ اور اٹھ کر فریش ہونے کے لیے واش روم کی طرف بڑھ گئی۔

ابھی تولیے سے چہرہ خشک کرتی باہر نکلی ہی تھی کہ گیٹ پر ہونے والی بیل پر بھویں اچکا کر وال کلاک کی طرف دیکھا۔ رومائزہ اور اتنی جلدی آجائے یہ کم از کم آج سے پہلے تو کبھی ہوا نہیں تھا۔

"اس وقت کون آسکتا ہے۔ بیگم تو ابھی اپنی امی سے اجازت لینے کے لیے الفاظ ہی ترتیب دے رہی ہوں گی۔" وہ خود سے سوال جواب کر رہی تھی کہ اتنے میں ایک اور مرتبہ بیل بجی۔

"نشوئی ادیکھو تو باہر کون ہے۔ شاید تمہارے ماموں آگئے ہیں۔" درخشاں ممانی کی آواز پر اسے کمرے سے باہر آنا پڑا۔ لاؤنج میں سبھی نماز پڑھ رہی تھیں اور درخشاں کچن میں چائے کے ساتھ سینڈوچ بنانے میں مصروف تھیں۔

"جی ممانی۔" وہ بالوں کی پونی بناتی بیرونی دروازے کی طرف بڑھی تھی اور گیٹ کھولتے ہی ایک خوشگوار چیخ اس کے منہ سے برآمد ہوئی۔

"اُف میرے اللہ، کہیں خوشی سے مر ہی نہ جاؤں میں۔ ہائی واوے آج صبح سورج کس سمت سے طلوع ہوا تھا شعیب بھائی۔" شعیب کو اندر آنے کا راستہ دیتے ہوئے وہ چہک کر پوچھ رہی تھی۔

"سورج کو چھوڑو لڑکی اور اس چاند پر غور کرو جو مابدولت کی شکل میں اس وقت تمہارے آنگن میں اتر رہا ہے۔" جواباً سر کو قدرے جھکا کر گیٹ کے اندر داخل ہوتا شعیب علی شاہانہ انداز میں کہتا اسے مسکرانے پر مجبور کر گیا۔

"ماشاء اللہ کیا کہنے ہیں آپ کے۔ ٹرسٹ می شعیب بھائی اتنی تعریفیں تو کسی درباری قصیدہ گو نے کسی بادشاہِ وقت کی بھی نہیں کی ہوں گی جتنی آپ خود اپنی کر لیتے ہیں۔"

"ہاں تو کیا کریں، یہ جھوٹی دنیا تو کبھی سچ کہے گی نہیں۔ ایسے میں کیا میں بھی حق سے منہ پھیر لوں۔" اس نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

"نہ، نہ بالکل نہیں۔ سب سے بڑے راست گو تو آپ ہی ہیں ناں دنیا کے۔" گیٹ بند کرتے ہوئے نشوئی کھل کر ہنس دی۔ "چلیں اب لگے ہاتھوں یہ سچ بھی بتا دیں کہ آج یہ سواری باد بہاری آئی کس مطلب سے ہے؟" بھویں اچکا کر سوال کیا۔

"بڑے افسوس کی بات ہے نشوئی، تم مجھے اتنا مطلبی سمجھتی ہو۔ بھئی یہ میری خالہ کا گھر ہے، کیا میں اُن سے ملنے نہیں آسکتا؟" شعیب اس کے سوال پر مصنوعی تاسف کا اظہار کرتا وہیں لان کے پاس رک گیا تھا۔

"آسکتے ہیں بالکل آسکتے ہیں۔ مگر سوال پھر وہی ہے کہ آخر کیوں؟" شوخی سے سوال دہرایا۔

"اوہو..... بھئی تم سب کی یاد آرہی تھی اس لیے ملنے چلا آیا۔"

"رہنے نصیب..... لیکن اگر ایسا ہی تھا تو ہمیں بلا لیتے اپنے گھر... کم از کم اسی بہانے ہم بھی آپ کا دولت کدہ دیکھ لیتے۔" نشوئی نے لگے ہاتھوں شکوہ رجسٹر کراتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا تو شعیب نے اس بار اسے ہلکی سی ناراضی سے دیکھا۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

"تمہیں وہاں بلا لیتا تو گوہرِ مقصود کیسے ہاتھ آتا جس کے لیے یہاں آیا ہوں بیوقوف لڑکی۔" بالآخر اس کے منہ سے سچ نکل ہی گیا تھا جس پر نشوئی خوش دلی سے ہنس پڑی۔

"تو یوں کہیں ناں کہ آپ ہمیں stepping stone کی طرح استعمال کر رہے ہیں۔ اور بیچاری درخشاں ممانی سمجھتی ہیں کہ بھانجا ان کی محبت میں اکثر کھنچا چلا آتا ہے۔" اس نے "ان" پر زور دے کر کہا تو شعیب نے اسے خفگی سے دیکھا۔

"تم دونوں دوستوں نے میرا دل جلانے میں کیا ماسٹرز کر رکھا ہے۔ ایک تو ہی محترمہ ہیں کہ انہیں میری توجہ سے الرجی ہے تو دوسری طرف تم ہو جسے طلحہ کے نشتر چلانے کا عارضہ نہ جانے کیوں لاحق ہو گیا ہے۔" شعیب بھنا گیا تھا۔

"خیر ایسا بھی نہیں ہے شعیب بھائی، آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میرا ووٹ ہمیشہ آپ کی طرف ہوتا ہے۔ اس لوہے کی حسینہ کا دل پگھلانے کی اپنی سی پوری کوشش کرتی ہوں میں۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ سو فیصد خلوص سے پوری سروس دے رہی ہوں میں آپ کے لیے۔" کمر پر دونوں ہاتھ جما کر رکھتے ہوئے اس نے تیز لہجے میں اپنی کاوشیں گنوائیں تو شعیب انکار نہیں کر سکا۔

"ہم..... م..... یہ تو سچ ہے سسٹر۔" گہری سانس بھرتے ہوئے اقرار کیا تو نشوئی کچھ سنجیدہ ہو گئی۔

"تو پھر بات کو آگے بڑھایئے شعیب بھائی۔" اس بار سنگین لہجے میں کہا تھا اس نے۔

"میں بھی تو یہی چاہتا ہوں لڑکی! اسی لیے یہاں آیا ہوں۔" جواب میں شعیب کا انداز دوستانہ تھا جس پر نشوئی قہقہہ جھٹک کر مسکرا دی۔

"ہم..... م..... ویسے لگی ہیں آپ۔ اتفاق سے ابھی آنے والی ہے وہ مجھ سے ملنے۔ سچ میں آج اگر آپ کچھ اور بھی مانگ لیتے تو مل جاتا آپ کو۔" کام کی بات اب جا کر بتائی تو شعیب کے چہرے پر مسرت کے رنگ اتر آئے، برجستہ جذب سے شعر پڑھا۔

"سب کچھ خدا سے مانگ لیا اس کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ میرے اس دعا کے بعد"

شعیب کا انداز اسے بے ساختہ ہنسنے پر مجبور کر گیا تھا سو مزے سے بولی۔

"ابھی اپنے ہاتھ دعا میں اٹھائے رکھیں شعیب بھائی۔ موصوفہ کا معاملہ خاصا ٹیڑھا ہے۔ آسانی سے حل ہونے والا یہ معما نہیں۔"

"تم شعیب علی کو بہت ہلکا لے رہی ہو نشوئی احسان۔ دیکھنا ایک دن میں اس لڑکی کا دل جیت کر رہوں گا۔" شعیب نے مجروح انا و مسکراہٹ کے ساتھ کہا جیسے وہ فیصلہ کر چکا ہو، جسے دنیا کو ماننا ہی ہو گا۔

"جی..... دیکھتے ہیں۔ ابھی تک تو صرف گفتار کے غازی ہی ثابت ہوئے ہیں آپ۔" نشوئی نے آنکھیں گھما کر ہنسی دبائی اور اسے اندر کی طرف بڑھنے کا اشارہ کرتی جالی کا دروازہ کھولتی لاؤنج میں چلی آئی۔

"ارے ماشاء اللہ، شعیب آیا ہے۔" درخشاں ان دونوں کی آوازیں سن کر باہر نکلیں تو مسروری ہو کر بولیں۔

"خود نہیں آئے درخشاں ممانی۔ درحقیقت محبت کھینچ لائی ہے انہیں یہاں۔" نشوئی نے بے ساختہ شوخی سے کہا تو شعیب نے اسے آنکھیں دکھائیں۔

"آئی مین آپ کی محبت۔" جواباً اس نے شرارت بھرے انداز میں جملہ مکمل کیا تو درخشاں نے محبت سے سلام کرتے شعیب کا ماتھا چوم لیا۔

"وعلیکم السلام۔ تمہاری محبت کے لیے شکریہ بیٹا۔ خوش رہو سلامت رہو۔"

Scanned with CamScanner

"سمیت آپ کے خالہ۔ آپ کے دم سے ہی تو زندگی، زندگی ہے۔" شعیب سینے پر ہاتھ رکھ کر سر کو خم دیتا خلوص سے بولا۔

"بس کردیں شعیب بھائی! اب اتنا مکھن بھی نہ لگائیں، خیال رہے ڈیری پروڈکٹس بہت مہنگی ہوگئی ہیں آج کل۔" نشوئی جملہ کہنے سے باز نہیں آئی تھی۔

"محبت سے بڑھ کر کچھ نہیں ہوتا لڑکی!" شعیب نے خوش دلی سے جواب دیا۔

"جی، جی..... محبت تو نظر آرہی ہے۔" نشوئی نے بظاہر سنجیدگی سے سر ہلاتے ہوئے کہا مگر اس کی آنکھوں میں شوخی کا راج تھا۔

"اچھا بس کرو نشوئی۔ کیوں تنگ کررہی ہو گھر آئے مہمان کو۔" سمیکہ بھی اس دوران لاؤنج میں چلی آئی تھیں۔ شعیب نے آگے بڑھ کر انہیں سلام کیا تو انہوں نے اسے جواب دینے کے ساتھ نشوئی کو ٹوکا۔

"ایسی بات نہیں سمیکہ آنٹی! میں مہمان نہیں ہوں۔ یہ گھر میرے لیے سیکنڈ ہوم کی طرح ہے اور آپ سب میری فیملی ہیں۔" شعیب نے سمیکہ کی بات پر حقیقتاً خلوص سے کہا۔

"یہ تو ہے بیٹا۔ تمہارے آنے سے گھر میں رونق ہوجاتی ہے۔" سمیکہ متانت سے مسکرادیں۔ پھر بیٹی کو ہدایت دی۔

"جاؤ نشوئی! شعیب کی تواضع کے لیے کچھ لے کر آؤ بیٹا۔"

"ان کی تواضع کے لیے کچھ لانے کی ضرورت نہیں ہے مما، اس کا انتظام ہوچکا ہے۔" نشوئی مڑے سے آنکھوں کو گردش دیتے ہوئے بولی تو شعیب نے "باز آجاؤ" کہتی تنبیہی نظروں سے اسے دیکھا۔

"اچھا؟ کیا تمہیں پتا تھا کہ شعیب آئے گا آج؟" درخشاں بیگم نے بے ساختہ پوچھا تو وہ گڑبڑا سی گئی۔

"ارے نہیں مما! انہوں نے تو اچانک آکر سرپرائز دیا ہے ہم سب کو۔ میں تو ان دو کنفیکشنل سینڈوچز کی بات کررہی ہوں جو ابھی آپ نے شام کی چائے کے لیے تیار کیے تھے۔ یوں بھی شعیب بھائی کو سینڈوچ کھانا اور بنانا دونوں بہت پسند ہے۔" لفظ بنانا کو بہت آہستہ آواز میں کہتی وہ مڑے سے جملہ مکمل کرگئی تھی۔

"یہ تو اچھی بات ہے، میں چائے کے ساتھ سینڈوچ لے کر آتی ہوں۔" درخشاں شفقت سے کہتی کچن کی طرف بڑھ گئیں تو سمیکہ سیل فون پر آئی کال سننے کے لیے معذرت کرتی لاؤنج سے باہر نکل گئیں۔

اس کی معنی خیز باتیں ان دونوں خواتین کے سر پر سے تو گزر گئی تھیں مگر شعیب اس کا مطلب بخوبی سمجھتا تھا۔ دونوں کے جاتے ہی خفگی سے اس کی طرف پلٹا۔

"تم انتہائی فضول لڑکی ہو۔ تم سے دل کی بات کیا شیئر کی تم نے تو مذاق ہی بنالیا میرا۔" وہ واقعی خفا نظر آرہا تھا۔

"لو بھلا اس میں مذاق کی کیا بات ہے؟ کیا آپ اپنے جذبات اور ان موصوفہ کے عدم التفات کے درمیان سینڈوچ نہیں بنے ہوئے؟" اس نے معصوم بھولپن سے کہا تو شعیب نے اسے گھورا۔

مگر اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا ڈور بیل کی آواز نے ان دونوں کو متوجہ کیا۔

"لیجیے، آگئیں آپ کی منظورِ نظر۔" نشوئی یقین سے کہتی اپنی نشست سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ہاں مگر مجھے دیکھتے ہی محترمہ فوٹو چکر بھی ہوجائیں گی۔" اس سے ملنے کی امید نے شعیب کی آنکھوں مسرت کی شمع روشن کردی تھی مگر تلخ حقیقت پھر بھی نگاہ سے اوجھل نہ ہوئی تھی۔

"اس کی فکر نہ کریں آپ۔ مما اور درخشاں ممانی اسے آسانی سے جانے نہیں دیں گی۔" نشوئی مطمئن تھی جس پر شعیب سر ہلا کر مسکرادیا۔ اتنے میں بیل پھر بجی۔

"مگر شعیب بھائی پلیز، ہر بار کی طرح پھر اسے خفا مت کردیجیے گا۔ بہت خوش ہے وہ آج۔" وہ اسے تاکید

Scanned with CamScanner

digest library.com

کرتی عجلت باہر کی طرف بڑھ گئی تھی۔ جبکہ مصعب بھویں اچکا کر روما نزہ کے خوش ہونے کی ممکنہ وجہ سوچنے لگا تھا۔

☆☆☆

"کیا مطلب چچا؟ ایمی اگر یہاں نہیں ہے تو کہاں ہے وہ۔" مصعب کو اس خبر سے واقعی دھچکا پہنچا تھا۔

"وہ اب یہاں نہیں ہوتی پتر۔ ایمی چلی گئی ہے مجھے چھوڑ کر۔"

"چلی گئی ہے۔۔۔ مگر کہاں؟" مصعب نے چودھری رشید کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر تشویش سے پوچھا۔

"آورش کے پاس۔" چودھری رشید کی مدھم آواز میں اداسی تھی۔

"اوہ۔" فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔

یہ اطلاع بلاشبہ بہت افسوسناک تھی، وہ جانتا تھا کہ چودھری رشید کی زندگی میں ایمیلیا کی کیا اہمیت ہے۔ اپنی برنش بیوی جیسیکا کے طلاق لینے کے بعد انہوں نے ایمی کو بہت محبت اور پیار سے پالا تھا۔ اس کی اچھی پرورش کی خاطر انہوں نے دوبارہ شادی نہیں کی تھی۔

"کیا وہ permanently relocate (مستقل بنیادوں پر منتقل) ہو گئی ہے؟" چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس نے اگلا سوال مدھم لہجے میں پوچھا تو چودھری رشید کچھ دیر کے لیے لب بستہ کچھ سوچتے رہے۔

"رب جانے پتر۔۔۔ کہ وہ کبھی لوٹے گی بھی یا نہیں۔ لگتا ہے، آخر کار جیسیکا اسے مجھ سے چھیننے میں کامیاب ہو ہی گئی۔" ان کی آواز سے دکھ جھلک رہا تھا۔

"آنٹی جیسیکا کا اس معاملے سے کیا تعلق رشید چچا؟ سب جانتے ہیں کہ ایمی ہمیشہ سے آدی کے لیے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتی تھی۔ جیسیکا اسے سپورٹ نہ بھی کرتیں تب بھی وہ آدی سے دستبردار ہونے کا فیصلہ نہیں کر سکتی تھی۔" چائے latte کے ٹرانسپیرنٹ مگ کے کنارے پر انگلی پھیرتے ہوئے اس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا۔ آورش کمار جسے اس کے سب یار دوست "آدی" کے نام سے پکارتے تھے، مصعب کے لندن کے اولین دور کے دوستوں میں سے تھا۔

کئی سال پہلے اسی کارڈمم (cardamom) ریسٹورنٹ میں جاب کے دوران ان دونوں کی دوستی ہوئی تھی۔

"جیسیکا سے ہی تو تعلق ہے پتر اس معاملے کا۔" چودھری رشید اس کی بات پر تڑپ کر بولے۔ "وہ شروع سے چاہتی تھی کہ جیسی خود مختار زندگی وہ گزار رہی ہے میری ایمی کو بھی اسی راہ پر چلائے۔ اور اب ایسا کرنے میں وہ کامیاب ہو ہی گئی۔"

وہ اپنے موقف پر قائم تھے۔ مصعب نے گہری سانس بھر کر ان کے متفکر چہرے کو دیکھا۔ وہ ان کے دکھ کو سمجھ رہا تھا مگر یہ بھی جانتا تھا کہ ایمیلیا کو آورش کمار سے دور رکھنے کی جتنی کوششیں انہوں نے کی تھیں اس سے کئی گنا زیادہ کاوشیں جیسیکا کی تھیں ایمی اور آورش کو ایک دوسرے سے ملانے کی۔

"آپ کو مجھے یہ سب پہلے بتانا چاہیے تھا چچا۔ شاید میں ایمی کو سمجھانے میں کامیاب ہو جاتا؟" اس نے اُن کی بات کی تائید و تردید کیے بغیر ہلکی سی امید سے کہا تو چودھری صاحب نے ایک گہری سانس بھر کر اسے دیکھا۔

"پتر یہ جو جوانی ہوتی ہے ناں بڑی منہ زور بے لگام گھوڑی کی طرح ہوتی ہے۔ اس دور میں کسی خیر خواہ، کسی اپنے کی ڈانٹ ڈپٹ تو کیا نصیحت تک اچھی نہیں لگتی۔ خاص طور پر ان مغربی ملکوں میں پلنے والے بچے، اس پر ستم، گوری کے بطن سے پیدا ہوئی اولاد کو اپنے دین اور کلچر کے مطابق پالنا بڑا ہی جان جوکھم کا کام ہے۔ اگر جو میں پہلے یہ سب جانتا تو یقین جانو جیسیکا سے کبھی شادی نہ کرتا۔" چودھری صاحب کے لہجے میں پچھتاوے گھلے ہوئے تھے۔ اور آنکھوں کے سامنے جیسے کوئی تکلیف دہ منظر ٹھہرا ہوا تھا۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

"گزرا وقت کسی کے ہاتھ میں نہیں ہوتا چچا رشید۔ لیکن آنے والے وقت کو بہتر اور مثبت بنانے کا موقع قسمت سب کو دیتی ہے۔ آپ آنے والے وقت سے اچھی امید رکھیں اور پلیز خود کو اس گلٹ سے نکالیے کہ ایمی کے ہر فیصلے کے ذمے دار آپ ہیں۔"

"ایمی کے نہ سہی اپنے غلط فیصلوں کی ذمے داری تو ہے ناں مجھ پر پیٹر۔" چودھری رشید نے یک دم اس کی بات کاٹ کر رنجیدہ لہجے میں پوچھا تو ایک سیکنڈ کے لیے اس کی زبان تالو سے جا لگی۔

"اپنی ذات کے لیے فیصلہ کرنا ہر انسان کا حق ہے چچا رشید۔" اس بار اس نے مستحکم لہجے میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔

"اور اس کے فرائض؟ ان کا کیا؟ کیا انسان اپنے فرائض کے معاملے میں بھی اتنا ہی حساس ہے جیسا وہ اپنے حقوق کے بارے میں فکرمند رہتا ہے۔" جواب میں انہوں نے برجستہ کہا تھا۔

"یہ ایک الگ ڈیبیٹ ہے چچا رشید۔ بہرحال جہاں تک آپ کا تعلق ہے آپ نے یہ سب بھی اپنے گھر والوں کی بہتری کے لیے کیا۔"

"ہاں اور ان کے حال — حالات کو بہتر بنانے کی خاطر میں نے اپنا مستقبل بدتر کر ڈالا۔" لفظ ٹوٹ ٹوٹ کر ان کے لبوں سے نکلے تھے۔ مصعب کے لیے یہ سب سننا بہت تکلیف دہ تھا۔

"مایوسی کسی مسئلے کا حل نہیں چچا رشید۔ آپ پلیز حوصلہ رکھیں، میں ایمی سے بات کرتا ہوں۔ سمجھاتا ہوں اسے۔" اس نے تسلی آمیز لہجے میں ایک بار پھر انہیں یاسیت کے جنگل سے باہر نکالنے کی کوشش کی۔ گو کہ اسے ایمی سے بہت امید نہیں تھی۔

"سمجھایا کسی ناسمجھ کو جاتا ہے پیٹر..... جبکہ سمجھداروں کی ماننی پڑتی ہے۔ ان کے غلط صحیح فیصلوں کو برداشت کیا جاتا ہے۔" چودھری رشید ایمیلیا سے مکمل طور پر ناامید ہو چکے تھے، بے اختیار بولے تو مصعب نے رک کر انہیں بغور دیکھا اور گہری سانس بھر کر سوال کیا۔

"ایک بات بتائیے چچا! آپ کو آدی اور ایمی کے رشتے سے آخر اختلاف کیوں ہے؟ محض آدی کے مذہب کی وجہ سے؟"

"ہاں وہ بھی۔"

"مطلب اس کی نیشنیلٹی بھی ایک وجہ ہے آپ کے اعتراض کی۔ مگر چچا! آدی کے پیرنٹس کا پاکستانی نہ ہونا اس کا قصور تو نہیں۔ اس بات کو نظر انداز بھی تو کیا جا سکتا ہے۔" اس کی بھویں کچھ تن سی گئی تھیں۔

"تم ان باتوں کو ابھی نہیں سمجھو گے صوب پیٹر، اس لیے کہ تم ابھی ایسی بیٹی کے باپ نہیں بنے جس کی ماں ایک لامذہب گوری ہو، جس کے لیے تمہیں ہر گھڑی یہ دھڑکا لگا رہتا ہو کہ نہ جانے میری اس اولاد کی آخرت کا کیا ہوگا، دنیا میں اس کی شناخت قائم بھی رہے گی یا نہیں۔" چودھری رشید کی اپنی فکرات اور خدشات تھے۔

مصعب نے پہلی بار ان کا یہ روپ دیکھا تھا۔ عام طور پر وہ ایک اَن کہی اور بظاہر بے پروا انسان لگتے تھے۔ مذہب کے معاملے میں بھی وہ کبھی اسے بہت سنجیدہ نہیں لگے، جس کا ایک ثبوت ان کی ساتھ بیوی جیسکا اور بیٹی ایمیلیا بھی تھی۔ بیوی تو بیوی، وہ تو بیٹی کو بھی اپنے دین کے قریب نہیں لا سکے تھے۔ جو نام سے ہی نہیں اپنی سوچ سے بھی ایک غیر مسلم لڑکی تھی۔ جیسکا سے شادی کرتے ہوئے انہیں ان سب باتوں کی فکر نہیں رہی تھی جو آج ان کے لیے باعثِ پریشانی تھیں۔

مگر شاید ماضی میں کیے گئے غلط فیصلوں کے پچھتاووں نے انہیں ایسا بنا دیا تھا۔ پچھتاوا بھی عجیب احساس ہوتا

Scanned with CamScanner

digest library.com

ہے جو نہ انسان کو ڈھنگ سے جینے دیتا ہے نہ مرنے۔ دل میں چھپا احساسِ جرم پچھتاوے کی آنچ پر سلگتے، سلگتے اپنی ذات پر موجود انسان کے اعتماد کو کچھ ایسے پھونک ڈالتا ہے کہ اس کے لیے اپنی حتمی رائے پر برقرار رہنا ممکن نہیں رہ پاتا۔

"ایسی فکروں سے خود کو پریشان مت کریں چچا۔ ہر انسان اپنی زندگی کے بارے میں فیصلہ کرنے کا مجاز ہے۔ بڑوں کا فرض محض انہیں راستہ دکھانا ہوتا ہے، انہیں ہاتھ پکڑ کر اس راہ پر چلانا ان کا کام نہیں۔ آپ جو کر سکتے تھے۔ وہ آپ نے کیا۔"

"تم کچھ بھی کہو صوب پتر! یہ میری سنگین غلطی تھی کہ میں نے اپنی اولاد کو اس دنیا میں لانے کے لیے ایک گوری عورت چنی تھی۔ جو مجھے اور میری بیٹی کو چند سال بعد ہی چھوڑ کر اپنی پرانی زندگی میں کھو گئی۔ میں نے جن ہاتھوں سے اپنی بیٹی کو پالا وہ ہاتھ آج خالی رہ گئے صوب۔ ایمیلیا مجھے چھوڑ گئی۔" ان کی آواز لرز گئی تھی۔ اس نے دیکھا چودھری رشید کی آنکھوں کے کناروں پر نمی ابھرنے لگی تھی۔ اس نے تسلی دینے کی خاطر اپنا ہاتھ بڑھا کر ان کے ہاتھ پر رکھا مگر کہا کچھ نہیں۔

"سچ ہے پتر کہ یہ گوری عورت کبھی، کبھی ایسی کالی نسل پیدا کرتی ہے جو تمہاری سات پشتوں کی شناخت پر کالک مل دیتی ہے..... اچھا کیا کہ تم نے یہ غلطی نہیں کی صوب پتر اور کبھی کرنا بھی مت۔ اس بار پاکستان جا رہے ہو، وہیں سے کسی اچھی لڑکی کو زندگی کا ساتھی بنا لانا۔" گہرے تاسف سے کہتے، کہتے چودھری صاحب نے ایک دم اس کو موضوعِ گفتگو بنایا تو ان کی اس بات نے اسے چونکا دیا تھا۔

"اب یہ بات اچانک کہاں سے آ گئی آپ کے ذہن میں؟" حیرت بھری مسکراہٹ سمیت اس نے استفسار کیا۔

چودھری صاحب نے دیکھا اس کے بظاہر مسکراتے چہرے پر بھی سنجیدہ آنکھوں میں عجیب سی ناگواری تھی جیسے یہ موضوع اسے پسند نہ آیا ہو مگر ان کا احترام ملحوظِ خاطر تھا۔

"اچانک نہیں آئی پتر، سچ کہوں تو میں ایک عرصے سے یہ بات تم سے کہنا چاہتا تھا۔ تم مجھے اپنے بیٹے کی طرح عزیز ہو۔ اس لیے سمجھا رہا ہوں۔ پہلے پہل یہاں آنے والوں کی آنکھوں کو یہاں کی عورت کا گورا رنگ اور یہ چکا چوند بہت بھاتی ہے مگر جلد ہی یہ تیز روشنی انسان کا مستقل اندھیرے میں ڈبو دیتی ہے پتر۔ ہوشیار رہنا، ایسے خواب نہ بن لینا جن کی تعبیریں اپنی آنکھیں بیچ کر خریدنا پڑیں۔"

چودھری رشید نے سنگین لہجے میں اپنے تجربات کا نچوڑ لا کر اس کے سامنے رکھا تو اس کے تصور میں جوزفین احمر علی کی صورت ابھرنے لگی۔ جس کے بارے میں وہ ابھی تک کسی فیصلے تک نہیں پہنچ پا رہا تھا۔ سردست پاکستان جانا اور وہاں کے لیے کی ہوئی اس کی پیشہ ورانہ کمٹمنٹس اس کی توجہ کا مرکز تھیں۔

اس نے سر جھٹک کر چودھری رشید کی طرف خود کو متوجہ کیا اور ایک پھیکی مدھم سی مسکراہٹ لبوں پر سجا کر انہیں سننے اور ان کے الفاظ کو جذب کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ جنہیں ایمی کے اس فیصلے نے بہت دکھ پہنچایا تھا۔ مگر کچھ تھا جو اس کے ابر تاثر کو بار بار درہم برہم کر دیتا تھا۔ جیسے دل کی گہرائیوں سے اٹھتی کوئی پرانی کسک جو اسے خود سے..... بے خود کر دینے کا ہنر جانتی تھی۔

چودھری صاحب اسے نصیحتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے تجربے کا نچوڑ لا کر اس کے سامنے رکھ دیا تھا۔ اس دوران سیل پر آنے والی جوزفین کی کالز بھی وہ اٹینڈ نہ کر سکا۔ اور اپنے اس رویے کی اس کے پاس واضح توجیہہ بھی۔

واپسی پر اس کے قدم بہت سست رفتار سے اٹھ رہے تھے جیسے کندھوں پر کوئی بہت بڑا بوجھ لدا ہوا ہو۔ پتا نہیں یہ بار چودھری رشید کے دکھ کا تھا یا کچھ اور تھا جو اسے بے چین کر رہا تھا۔ اس کے لیے سمجھنا مشکل تھا۔

☆☆☆

"ویلکم مائی فرینڈ..... ویلکم۔" گیٹ کھولتے ہی نشوی نے رومائزہ کو دیکھ کر چہکتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے

Scanned with CamScanner

اندر کھینچا اور گلے لگالیا۔ رومائزہ اس پیش قدمی کے لیے تیار نہیں تھی کچھ سٹپٹا گئی۔
"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نشوئی؟ آخر ہوا کیا ہے تمہیں۔" الگ ہوتے ہوئے اس نے سنجیدگی سے سوال کیا تھا۔
"خوشی سے یہ حال ہوگیا ہے پیاری بہنی؟ تمہاری کامیابی نے دل خوش کردیا ہے میرا۔ مجھے فخر ہے تم پر۔" نشوئی کی جوشیلی تقریر اس کی مسرت کا مظہر تھی۔
"تھینک یو..... ویسے کامیابی ابھی ملی نہیں ہے مجھے۔" جواباً وہ متاثر ہوکر بولی تھی۔
"وہ بھی مل جائے گی ان شاء اللہ۔ فی الحال اجازت مل گئی، پہلے اسے سلیبریٹ کرتے ہیں۔ چلو اندر چلو۔" نشوئی ہمیشہ کی طرح پُریقین تھی۔ جس پر رومائزہ مسکرا کر اس کے ساتھ اندر چلی آئی۔ مگر لاؤنج کی دہلیز پر ہی اس کے قدم ٹھٹک گئے۔ اس نے رک کر مڑے سے آگے بڑھتی نشوئی کو بے یقینی سے دیکھا تھا۔
"ارے آپی! آؤ بیٹا، رک کیوں گئیں؟"
اس سے پہلے کہ وہ سامنے بیٹھے شہیب کو دیکھ کر پلٹنے کے ارادے کو عملی جامہ پہناتی، سبیکہ نے اسے محبت سے پکار لیا تھا جواب درخشاں ممانی اور شہیب کے ساتھ لاؤنج میں موجود تھیں۔ اس پر بے فکری سے آگے بڑھتی نشوئی نے مڑ کر اسے دیکھا۔ اس کی نظریں کہہ رہی تھیں کہ "اب کہاں جاؤ گی۔" اور ساتھ ہی اس نے آنکھیں گھما کر رومائزہ کو اندر آنے کا اشارہ کیا تو اس کے چہرے پر خفگی کی سرخی چھانے لگی جو شہیب کی شریر اور پُرشوق نگاہوں کے باعث مزید گہری ہورہی تھی۔
"میں پھر آجاؤں گی سبیکہ آنٹی اس وقت آپ لوگ مصروف ہیں۔ آپ کے یہاں گیسٹ ہیں۔" اس نے اپنے غصے کو ضبط کا لبادہ اوڑھا کر سبیکہ کو ادب سے معتدل لہجے میں جواب دیتے ہوئے معمول کا انداز اپنایا تو شہیب علی کے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ تیر گئی۔
"ارے گیسٹ کہاں، شیبی تو اپنے گھر کا بچہ ہے بہنی۔ تمہارے لیے بھی تو اجنبی نہیں۔ بچپن میں اکثر ساتھ کھیلے ہو تم تینوں۔ چلو اندر آؤ۔" سبیکہ نے مشفق لہجے میں کہہ کر اسے اندر آنے کو کہا تو نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن کے مصداق اسے قدم بڑھانا ہی پڑے۔ ایک تپتی نظر نشوئی پر ڈالتے ہوئے اس نے پھیکے پن سے مسکرا کر سب کو سلام کیا تھا۔
"بہت مبارک ہو بہنی۔ مجھے نشوئی نے بتایا کہ تمہیں انٹرن شپ آفر ہوئی ہے۔" سلام کا جواب دے کر درخشاں ممانی نے محبت سے کہا۔
"جی، کل جاؤں گی انٹرویو کے لیے۔ دیکھیں کیا بنتا ہے۔" شہیب کی موجودگی میں خود کو موضوعِ گفتگو بنانا اس کے اعصاب پر بار بن رہا تھا مگر اس وقت کچھ بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ نشوئی اس کی بے چینی سے انجان بنی صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ جمائے بیٹھی مزے سے اس کی جھنجلاہٹ نظر انداز کررہی تھی جو اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں کئی بار دوسرے کمرے میں چلنے کا اشارہ کررہی تھی۔
"سب کچھ اچھا ہوگا بیٹا اور اچھے کے لیے ہوگا۔ تم فکر مت کرو۔" سبیکہ نے پیار سے حوصلہ افزائی کی تو اگلے ہی لمحے غیر متوقع طور پر شہیب نے اسے مخاطب کرلیا۔ براہِ راست گفتگو شروع کردی تھی اس نے۔
"بالکل بس یہی ایٹی ٹیوڈ انسان کو اپنا مورال ہائی رکھنا چاہیے کیونکہ میدانِ جنگ میں جیت کا یقین لے کر اترنے والے ہی کامیاب ہوتے ہیں۔" اس کی نظریں بے ساختہ شہیب کی طرف اٹھیں جو مسکراتے ہوئے انتہائی اطمینان سے اس سے بات کررہا تھا۔
"اور جب انسان کچھ حاصل کرنے کا عزم کرلے تو اسے پا ہی لیتا ہے، بس ہمت کرکے پہلا قدم اٹھانا ہوتا

Scanned with CamScanner

digest library.com

ہے۔اس کے بعد تقدیر خود انسان کی ہمنوا ہو جاتی ہے۔"

شعیب ایک خود اعتماد مسکراہٹ لبوں پر سجائے روما ئزہ سے ہم کلام تھا جس نے اس وقت جھنجلاہٹ کو کانوں کے پاس سے پیچھے کی طرف کیچر کی گرفت میں قید کر کے پونی ٹیل باندھنے کے بجائے آج یونہی کھلے چھوڑ رکھے تھے۔ لب بھینچنے کی صورت میں گالوں میں پڑنے والے ڈمپل نمایاں ہو گئے تھے۔جس نے اس کے چہرے پر ایسی دلکشی بکھیر رکھی تھی جو شعیب علی کی نگاہوں کے لیے سنا طیس کا کام دے رہی تھی۔شعیب کے لہجے کی گہرائی نے روما ئزہ کو نظر چرانے پر مجبور کر دیا۔

شعیب نے دیکھا ٹون ان ٹون کی باریک کڑھائی والی لائٹ سلک بلینڈ، آئیوری کلر کا اسٹریٹ کٹ شرٹ اور پیر اشلوار پر شمولون کا دوپٹا اوڑھے، پیروں میں نیوڈ کلر کھسے، کندھے پر اسٹرکچرڈ بیگ لٹکائے، کلائی میں کلاسک گھڑی اور کانوں میں چھوٹے پرلز studs پہنے وہ سیدھا اس کے دل میں اتر رہی تھی۔جو اس وقت شعیب کی بے ضرر پُرشوق نگاہوں سے بے چین ہو کر بیگ کے اسٹریپ کو بل دیے جا رہی تھی۔

"یہ بات تم نے صحیح کہی بیٹا۔انسان کی تقدیر اپنی جگہ اٹل حقیقت ہے مگر حیلہ وسیلہ کرنا تو واجب ہوتا ہے بندے پر۔اس لیے کوشش کاوش انسان کو کرتے رہنا چاہیے۔" درخشاں ممانی نے بھانجے کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"جی بالکل، میں بھی یہی کر رہا ہوں۔" ایک شوخ مسکراہٹ یک دم شعیب کے لبوں پر کوند گئی تھی جس سے اس کی آنکھوں میں ابھرتا شرارت کا رنگ اور گہرا ہو گیا تھا۔

روما ئزہ نے چہرے کو سنجیدگی سے آراستہ کرتے ہوئے ایک مرتبہ پھر نشوبی کی طرف دیکھا جو اس ساری صورتِ حال کا خوب حظ اٹھا رہی تھی۔

"ہائی دادے کہاں اگرن شپ آفر ہوئی آپ کو مس نی۔" اس سے پہلے کہ وہ نشوبی کو واضح طور پر وہاں سے اٹھنے کے لیے کہتی شعیب نے اس کا ارادہ بھانپ کر براہ راست سوال ہی کر ڈالا تو وہ بادلِ ناخواستہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔سیکہ اور درخشاں ممانی کی موجودگی میں وہ بداخلاقی بھی نہیں دکھا سکتی تھی۔

"ڈیلاے ہاسپٹل میں ـــــ بطور ڈائیٹیشن۔" مختصر جواب دیا۔

"گریٹ، یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔" جواباً شعیب نے خاصے جوش سے کہا تو وہ چاروں کچھ حیرت سے اسے دیکھنے لگیں۔

"شمی بھائی! آپ کچھ جانتے ہیں اس ہاسپٹل کے بارے میں۔" نشوبی نے سب کے چہروں پر لکھے سوال کو الفاظ دیے۔

"ہم ـــ م ـــ ایک آدھ بار جانا ہوا تھا وہاں۔اچھا ہاسپٹل ہے۔اور وہاں کا ایٹموسفیئر بھی۔" اس نے مبہم انداز میں جواب دیا۔"آئی ایم شیور روما ئزہ آپ کو وہاں بہت کچھ سیکھنے کو ملے گا اور بہت اچھے لوگوں سے بھی میل ملاپ رہے گا آپ کا۔" ایک بار پھر گہری مسکراہٹ لبوں پر سجاتے ہوئے اس کی آنکھیں کسی خیال سے چمک گئی تھیں۔

"بالکل، بالکل ـــ ڈیئر بھائی کی نیچر طبیعت کو دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی ورک پلیس بھی بہت اچھی طرح سلیکٹ کر رکھی ہوگی۔" درخشاں ممانی نے تو حسبِ انداز میں کہا تو شعیب نے انہیں سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"آپ جانتی ہیں ڈاکٹر ذیر کو؟" اس نے پوچھا تھا۔

"جاننا کیا، اب تو وہ ہمارے سمدھی بننے والے ہیں۔خیر سے ان کے بیٹے رافع سے ہی تو نشوبی کی بات طے کر رہے ہیں ہم۔" ممانی نے مسرت بھرے لہجے میں اطلاع فراہم کی تو شعیب نے خوشی سے سامنے بیٹھی نشوبی کو مبارک باد دی۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

"ویری گڈ نشوی، ماشاء اللہ بھئی یہ تو واقعی بہت اچھی خبر ہے..... کونگریٹس۔" اس کے مسرور لہجے میں مرعوبیت بھی تھی۔

"شکریہ شعیب بھائی، آپ کی دعاؤں کا ہی اثر ہے۔" نشوی سر سے بولی تھی۔

"بس اسی طرح میری دعائیں لیتی رہو لڑکی۔ دیکھنا زندگی میں ہمیشہ خوش رہو گی۔" شعیب کا انداز معنی خیز اور شوخ تھا جس پر نشوی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"کوشش تو یہی ہے۔ بس آپ بھی خود کو دعاؤں کے لائق ثابت کرتے رہیں شعی بھائی۔ میری ساری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں سمیت میرے ووٹ کے۔" نشوی کا لہجہ بھی بھرپور معنی خیز تھا۔ جس پر نہ چاہتے ہوئے بھی روما نیزہ کی بھویں تن گئی تھیں۔

"تشکر لڑکی، اب اس خبر پر تو ٹریٹ بنتی ہے، صرف سینڈوچز سے کام نہیں چلے گا۔ چلیں آپ سب اٹھیں۔ اس خوشی کو سیلیبریٹ کرنے کے لیے کسی اچھی جگہ ڈنر کے لیے چلتے ہیں۔ جس کا بل نشوی دے گی۔" یک دم ہی شعیب نے ہنگامہ اٹھا دیا تھا۔

"بالکل، بالکل۔ آئیڈیا برا نہیں..... نشوی نے اس وقت اسی کو بھی ٹریٹ لینے کے لیے بلایا تھا۔" درخشاں ممانی نے ہنس کر شعیب کی تائید کی تھی۔

"تو پھر دن، ایک پنتھ دو کاج کے مصداق۔ آج آپ اور نشوی ہمیں ٹریٹ دیں گی۔ کیا خیال ہے مس نی؟" شعیب نے فیصلہ سناتے ہوئے اسے مخاطب کیا تو وہ یک دم گڑبڑا گئی۔

"ارے کیوں نہیں، میں دوں گی اپنی بیٹیوں کی طرف سے ٹریٹ۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہہ پاتی سیکہ نے ان دونوں کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھ کر بردباری سے کہا تو نشوی نے "یس" کا نعرہ لگا دیا۔

روما نیزہ کی تعجب کرتی نظریں صاف نظر انداز کر دی تھیں اس نے۔ روما نیزہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ نشوی کی اس دغابازی پر اسے دو ہاتھ رسید کرے مگر آج اس کا دن نہیں تھا۔ سیکہ اور درخشاں ممانی کی موجودگی کے باعث وہ کوئی راہِ فرار نہیں پا سکی تھی۔ کوئی بہانہ کارگر نہیں ہو سکتا تھا۔ نشوی نے سب کو بتا دیا تھا کہ اس نے روما نیزہ کو ٹریٹ لینے کے لیے ہی بلایا ہے۔ لہٰذا چار و ناچار اسے ان سب کے ساتھ جانا ہی پڑا۔ سیکہ آنٹی کو وہ انکار نہیں کر سکتی تھی کیونکہ انہوں نے امی سے کال کر کے اسے ساتھ لے جانے کی اجازت لے لی تھی۔

نشوی کے پسندیدہ ترین فیوژن cuisine کو انجوائے کرنے کے لیے اس کے فیورٹ ریسٹورنٹ کی طرف جاتے ہوئے روما نیزہ کا دل عجیب سی الجھن میں گرفتار تھا۔ جسے کوئی نام دینا اس کے لیے مشکل رہا۔

ریسٹورنٹ میں شعیب عین اس کے سامنے والی کرسی پر براجمان ہوا تو اس کی جذبوں سے لبریز بہت کچھ کہتی سنتی نظریں اسے کھانے کی طرف توجہ دینے کی راہ میں مسلسل حائل رہیں۔ وہ واقعی نہ صرف دلچسپ گفتگو کرنے میں ماہر تھا ساتھ ہی اس کا انداز بھی اتنا بے ساختہ تھا کہ نہ چاہتے ہوئے بھی روما نیزہ کا دھیان بھٹک، بھٹک کر اس کی طرف مبذول ہوتا رہا۔ خاص طور پر جب وہ دورانِ گفتگو اسے بھی مخاطب کرتا تو اس کی شفاف نظریں روما نیزہ کی سنجیدہ نگاہوں سے ٹکرا کر اس کے دل کا پیغام ترسیل کرنے لگتیں۔ ایسے میں اس کے لیے پلکیں جھکانے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں بچ رہا تھا۔ یوں ایک خوشگوار شام گزار کر وہ سب گھر لوٹ آئے۔

"تھینکس آ لاٹ سیکہ آنٹی۔ فار آوٹ فل ایوننگ۔ ڈنر اور آپ سب کی کمپنی نے بہت مزہ دیا۔" واپسی پر شعیب نے ان سب کو گھر ڈراپ کیا تھا۔ کار سے اتر کر اس نے شائستہ لہجے میں سیکہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے سب کی طرف دیکھا تھا۔ اس کے لہجے میں ٹھہراؤ تھا پھر وہ خاموش کھڑی روما نیزہ کی طرف مڑا۔

Scanned with CamScanner

"خاص طور پر ساتھ آنے کے لیے میں آپ کا بھی شکر گزار ہوں رومائزہ۔ I truly appreciate your time۔" نگاہوں میں احترام اور لہجے میں سچائی تھی۔ سر کو خفیف سا جھکاتے ہوئے جملہ مکمل کیا تھا اس نے..... جیسے شکریہ صرف الفاظ نہیں بلکہ انداز سے بھی ادا کیا جا رہا ہو۔

رومائزہ نے ایک لمحے کے لیے اس کی طرف دیکھا، اسے شہیب کی آنکھوں میں شفافیت نظر آئی تھی۔ وہ ذرا سا رکی جیسے الفاظ چن رہی ہو پھر قدرے سنجیدگی سے بولی۔

"یو آر ویلکم۔" اس کی آنکھوں میں متانت بھری سنجیدگی تھی مگر سختی نہیں تھی۔

لبوں پر آنے والی مسکراہٹ مختصر تھی۔ یہ پہلی بار تھا کہ اسے شہیب علی کا سادہ شائستہ انداز ناگوار نہیں گزرا تھا۔ جس پر نرمی و خوشی سے اسے دیکھا تھا اور پھر شہیب کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ بھی کیا۔ تاہم اس دوران رومائزہ ایزیوں کے بل مڑ کر شاداب منزل کے گیٹ کی طرف بڑھ چکی تھی۔

یہ جانے بغیر کہ اس کے ہر بڑھتے قدم کے ساتھ شہیب علی کی دھڑکن بندھی ہوئی تھی جو اسے خود سے دور جاتی محسوس ہو رہی تھی۔

"واپس آ جائیں شہیب بھائی، آپ کا مہمان جا چکی ہیں۔" آنکھوں کے آگے ہاتھ لہراتے ہوئے نشوئی اسے حال میں واپس لائی تھی۔

"ہاں مگر واپس آنے کے لیے۔" وہ چونک کر مڑا تھا پھر ہنس کر بولا۔ درخشاں اور سمیکہ اس دوران گھر کے اندر چلی گئی تھیں۔

"کیا بات ہے آپ کی، آپ کے کانفیڈینس کی داد دینا چاہیے جو اس گونگے بہرے بت بلکہ موتنگے کی چٹان سے امید باندھے بیٹھے ہیں آپ۔" وہ متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکی تھی۔ کہا۔

اسما قادری کے سحر انگیز قلم سے

نیا شاہکار

جانباز

امارت کے نشے میں چور..... کمزوروں پر ظلم اور اپنے زیر دست لوگوں کی عزت نفس کو پامال کرنے والے ظالموں کی خود سری و دیدہ دلیری.....

ظلم کے خلاف سینہ سپر نوجوان کی داستان

اسے اپنی محبت کو حاصل کرنے کا جنون بھی تھا اور مجرموں سے ٹکرانے کا حوصلہ بھی۔ تہلکہ خیز واقعات کا سلسلہ.....

سسپنس کے صفحات پر جلد آ رہا ہے

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

digest library.com

"یہ چنان بھی نہ بھی کہنے کی نشوی احسان۔ مگر میری محبت کی خاموش ضربوں سے وہ چور ہے گی۔" شعیب مطمئن تھا۔

"ان شاء اللہ، آپ کی محبت تو ایک نہ ایک دن ضرور رنگ لے آئے گی شعیب بھائی۔ البتہ میری دوستی کی خیر نہیں جو آج ایک بار پھر stake پر لگ گئی ہے۔" نشوی کو فکر ہو رہی تھی اب۔

"خیر ہے سسٹر، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تمہیں تو ویسے بھی رافع عباسی کے ساتھ رخصت ہو جانا ہے۔ فکر مت کرو۔" شعیب نے اس کی فکرمندی کا جواب شرارت بھرے انداز سے دیا تو وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

دن تو اچھا گزر گیا تھا مگر اب اسے رومائزہ کی ناراضی کی واقعی فکر لگ گئی تھی جس کی خفگی کو اس نے مکمل طور پر نظر انداز کیے رکھا تھا۔ یقین تھا اب اس کی خیر نہیں۔ مگر صد خیر کہ اگلے دن رومائزہ اس سے نارمل انداز میں ملی تو اس کی فکر دور ہو گئی۔ درخشاں ممانی اور سمیکہ آنٹی کے ذریعے اسے شعیب کی اچانک آمد کے بارے میں پتا چل گیا تھا۔ اس بار شعیب کا آنا واقعی اتفاق تھا۔ نشوی کی کوئی ملی بھگت نہیں تھی اس میں۔ لہٰذا اس کا دل نشوی کی طرف سے صاف ہو گیا تھا۔ یوں بھی اس کے ذہن پر انٹرن شپ کے انٹرویو کی فکر سوار تھی۔

☆☆☆

"خیریت یہ تم کس سوچ میں گم ہو۔ کس کا فون تھا؟" درخشاں عشا کی نماز پڑھ کر کچن میں چائے بنانے آئیں تو سیل فون ہاتھ میں لیے سمیکہ کو کسی سوچ میں مستغرق دیکھ کر سوال کیا تو سمیکہ ان کی طرف متوجہ ہوئیں

"زبیر صاحب کی کال تھی۔ وہ ہمیں اس ویک اینڈ اپنے گھر کھانے پر بلانا چاہ رہے ہیں۔"

"چلو یہ تو اچھی بات ہے۔ پھر تم نے کیا کہا؟"

"میں نے کہہ دیا اس ہفتے مشکل ہے کیونکہ آپ اور وانش بھائی اسلام آباد جا رہے ہیں۔" سمیکہ نے اطمینان سے جواب دیا۔

"تو؟ اس میں انہیں انکار کرنے کی بھلا کیا ضرورت تھی سمیکہ۔ ٹھیک ہے میں اور احسان اسلام آباد جا رہے ہیں مگر تم اور نشوی تو ادھر ہی ہو ناں۔ تم لوگ مل آؤ جا کر۔"

"مگر بھابی ایسی کون سی جلدی ہے۔ آپ اور بھائی واپس آ جائیں گے جب مل آئیں گے ہم۔"

"بات جلدی کی نہیں ہے سمیکہ۔ یقیناً وہ لوگ ہم سے اکثر ملنا جلنا چاہتے ہیں تاکہ دونوں بچے ایک دوسرے کو سمجھ سکیں۔"

"جی، مجھے بھی ان کی گفتگو سے کچھ ایسا ہی لگا۔ مگر یہ بات مجھے سمجھ میں نہیں آ رہی کہ جب انہوں نے رشتے کے لیے ہاں کر دی ہے، تو اب یہ سب کس لیے۔" سمیکہ کچھ الجھن میں تھیں۔

"کیا ہو گیا ہے سمیکہ۔ تم کون سے دور میں جی رہی ہو۔ دیکھو سمیکہ، میری صبا سے اس بارے میں بات ہوئی تھی۔ وہ بتا رہی تھی کہ زبیر بھائی، نشوی اور رافع کے مابین ذہنی ہم آہنگی ڈویلپ کرنے کے لیے انہیں ایک دوسرے سے ملاقات کرنے کے مواقع فراہم کرنا چاہتے ہیں۔ تاکہ وہ ایک دوسرے کو تھوڑا جان سکیں اور یہ فرمائش رافع کی طرف سے ہے۔"

"اور کتنی بار ملنا ہے رافع کو نشوی سے بھابی۔ ابھی پرسوں ہی تو ڈنر پر گئے تھے وہ لوگ۔ ہمارے گھر پر بھی ملاقات ہوئی تھی دونوں کی۔ آپ جانتی ہیں مجھے یہ سب پسند نہیں۔" سمیکہ کا انداز دوٹوک تھا۔

"مسئلہ تمہاری میری پسند کا نہیں ہے سمیکہ۔ بچوں کی انڈر اسٹینڈنگ کا ہے۔" درخشاں ممانی نے انہیں قائل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

''دیکھو سیکہ رافع یورپ میں پلا بڑھا ہے جہاں دس میں سے آٹھ شادیاں چند سالوں بلکہ مہینوں میں ٹوٹ جاتی ہیں۔ زبیر بھائی کا کہنا ہے کہ وہاں کے بچے یہ سب دیکھ کر لاشعوری طور پر ڈرے ہوئے ہیں۔ شادی کے ناکام ہو جانے کا خوف ان کے لاشعور میں کنڈلی مار کر بیٹھ چکا ہے۔ دوسرے آج کل کی اس ''مین ٹری'' کے لیے ہر رشتے اور تعلق میں ذہنی ہم آہنگی بہت اہم ہے اور یہی ان کے انتخاب کی بنیاد بھی ہے۔ لہٰذا انہیں ایک دوسرے سے ملنے اور سمجھنے کا موقع دے کر ہم مستقبل سے متعلق بہتر فیصلہ کرنے میں ان کی مدد کر سکتے ہیں۔ یہ ہم سب کے حق میں اچھا بھی ہے۔'' درخشاں ممانی کی بات میں وزن تھا۔

''اور پھر وہ کون سا نشو بی اور رافع کے کہیں باہر یا اکیلے ملنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔ سب کو اپنے گھر کھانے پر بلایا ہے انہوں نے۔ تمہیں یہ دعوت رد نہیں کرنی چاہیے۔'' درخشاں ممانی نے انہیں سمجھایا جن پر صبا بیگم کی برین واشنگ کا اثر غالب تھا۔ ان کی بات پر سیکہ کچھ سوچ میں پڑ گئیں۔

''آپ کی بات ٹھیک ہے بھابی مگر۔۔۔ ہماری بھی تو کچھ اقدار ہیں۔ کچھ طور طریقے ہیں۔ آپ جانتی ہیں کہ نشو بی کی پرورش میں، میں نے پھونک پھونک کر قدم رکھے ہیں، احسان کے دنیا سے جانے کے بعد نشو بی اور خود کو دنیا کی تیز نظروں سے بچانے کے لیے جو محنت میں نے کی ہے، آپ اس کی گواہ ہیں۔ قسمت نے سولہ سال کی عمر میں دلہن بنایا تو پچیس سال کی عمر میں بیوگی کی چادر بھی اوڑھا دی۔ وہ تو اللہ کے کرم سے آپ کا اور دانش بھائی کا تعاون میرے ساتھ تھا ورنہ یہ سب اتنا آسان نہیں تھا میرے لیے۔'' سیکہ جذباتی ہو گئی تھیں۔ گزرے وقت کو یاد کر کے کچھ افسردگی سے بولیں۔

''تو تمہیں کون کہہ رہا ہے کہ تم اپنی اقدار سے منہ موڑ و سیکہ۔ میرے کہنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ انسان کو دوسرے کا پوائنٹ آف ویو بھی تو سمجھنا چاہیے ناں۔ اپنی منوانے کے لیے کبھی کبھی سامنے والی کی بھی ماننی پڑتی ہے سیکہ۔ اور پھر کون سا وہ کوئی بے جا مطالبہ کر رہے ہیں۔'' درخشاں ممانی نے نرمی سے سیکہ کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے ملائمت سے کہا تو سیکہ کچھ کچھ قائل نظر آنے لگیں۔

''مگر آپ اور بھائی کے بغیر کیسے چلے جائیں ہم؟'' کچھ دیر چپ رہنے کے بعد انہوں نے نیم رضامندی سے سوال کیا تھا۔

''اس بارے میں تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم ایسا کرو زبیر بھائی کو کال کر کے ہاں کہہ دو، میں دانش سے پوچھ لیتی ہوں شاید وہ اپنا پروگرام آگے بڑھا لیں۔ تو ہم بھی ساتھ چلیں گے۔ بصورت دیگر تم اور نشو بی چلے جانا۔ اچھا ہے اس بہانے نشو بی بھی وہ گھر دیکھ لے گی جہاں اسے جانا ہے، کچھ تمہیں بھی ان کے رکھ رکھاؤ کا اندازہ ہو جائے گا۔'' درخشاں نے سیکہ کی نیم رضامندی پر مسکرا کر انہیں مزید سوچنے کی مہلت نہیں دی اور نرم حکمیہ لہجے میں کہہ کر ان کے لیے انکار کرنے کی راہ نہ چھوڑی۔

☆☆☆

سمیع بھائی کے ساتھ زیدان ہاسپٹل آتے ہوئے وہ بہت خوش تھی، جو اپنے آفس جاتے ہوئے اسے ڈراپ کر گئے تھے۔ کراچی کے پوش علاقے میں واقع اس پرائیویٹ اسپتال کی عمارت جدید آرکیٹیکچر کی مثال بن کر ابھر رہی تھی۔ دور سے ہی عمارت کا بیرونی حصہ شفاف وقار کا احساس بخش رہا تھا۔ جس کی بیرونی ڈیزائننگ میں سیدھی لکیروں اور ہموار سطحوں کا توازن بین الاقوامی معیار کی یاد دلا رہا تھا۔

اسپتال کی داخلی راہداری وسیع اور صاف ستھری پتھروں سے بنی ہوئی تھی۔ جس کا شفاف شیشے کا دروازہ خودکار تھا۔ عمارت کے گرد پھیلے نرم سبز لان ایک منظم لینڈ اسکیپنگ کا پتا دیتے تھے۔ گول تراشے گئے جھاڑ، لمبی چھاؤں دیتے

Scanned with CamScanner

digest library.com

درخت اور ایک طرف دھیمی آواز سے گرتے فوارے اس جگہ کے سکوت کو مزید گہرا کر رہے تھے۔ اندر قدم رکھتے ہی ہوا میں جراثیم کش محلول کے ساتھ ہلکی سی پرلیوڈ خوشبو شامل تھی جو اسپتال کے صفائی کے معیار کا خاموش ثبوت تھی۔

ایسے بے داغ، بے شور اور حد درجہ ساکت ماحول میں رومائزہ بے اختیار ٹھٹکی۔ دل کی ہلکی سی گھبراہٹ نے اس کی گرفت فائل پر کچھ اور مضبوط کر دی۔ اسے یوں لگا جیسے وہ کسی اسپتال میں نہیں بلکہ کسی اہم مشن کے ہیڈ کوارٹر میں داخل ہوئی ہو، جہاں ہر قدم ذمے داری اور ہر عمل ایک مقصد سے جڑا ہو۔ اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے ایک لمحے کو گرد و پیش دیکھا۔ یہ ماحول اسے ڈرا بھی رہا تھا اور اپنی جانب کھینچ بھی رہا تھا۔ یہ وہ مقام تھا جہاں اس کی پیشہ ورانہ زندگی کی پہلی اینٹ رکھی جانے والی تھی۔ اور اس بات کا احساس اس کی گھبراہٹ میں سنجیدہ خوشی گھول گیا تھا۔

اس نے گہری سانس بھر کر ریسپشن کاؤنٹر پر جا کر اپنا نام اور آنے کی وجہ بتائی تو اسے کچھ دیر انتظار کرنے کا کہہ کر ایک طرف بنے ویٹنگ روم میں بھیج دیا گیا۔ انتظار کے لمحے خواہ کتنے ہی مختصر کیوں نہ ہوں ہمیشہ گراں گزرتے ہیں۔ اس کے لیے بھی یہ پندرہ منٹ کچھ دشوار رہے مگر جونہی اس کا نام پکار کر اسے ایڈمن بلاک کے کانفرنس روم میں بلایا گیا تو اس کی کوفت ایک بار پھر گھبراہٹ میں بدل گئی۔

اسپتال کے ایڈمن بلاک کی لمبی راہداری سے گزرتے ہوئے اس نے دیواروں پر صحت سے متعلق پوسٹرز اور ہدایات لگی ہوئی دیکھیں۔ کانفرنس روم کے دروازے پر پہنچ کر نرس اسے اندر جانے کا اشارہ کر کے واپس اپنی راہ مڑ گئی تو وہ گہری سانس بھر کر اپنے دوپٹے کو درست کرتی چہرے کو مسکراہٹ سے آراستہ کرتی اعتماد سے اندر داخل ہوئی۔

اندر بڑی سی میز کے اس طرف ایک پُراعتماد خاتون کے ساتھ بیٹھے زبیر عباسی کی مشفق مسکراہٹ نے اس کی گھبراہٹ کو جذب کر لیا۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام بیٹا۔ کیا حال ہیں؟" انہوں نے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا ساتھ ہی سوال بھی پوچھا۔

"الحمدللہ، میں ٹھیک ہوں۔ دعا ہے آپ کی۔"

"بھئی ہماری دعائیں تو ہمیشہ ہی اپنے بچوں کے ساتھ ہوتی ہیں۔ اپنی دیزی ان سے ملیں یہ سفینہ وہاب ہیں، ہمارے اسپتال کی سینیئر ڈائٹیشن اور سفینہ یہ رومائزہ ہیں، فارینہ کی فرینڈ۔ انہوں نے بی ایس نیوٹریشن مکمل کیا ہے اور ہمارے ساتھ کام کر کے عملی تجربہ حاصل کرنا چاہتی ہیں۔"

زبیر صاحب نے شفیق انداز سے جواب دے کر اس کا تعارف ساتھ بیٹھی خاتون سے کروایا۔ تو اس نے متبسم انداز میں ان کی طرف دیکھا۔ جن کی گہری نظریں اس کی شخصیت کو تول رہی تھیں۔

"آپ ڈائٹیشن کے شعبے میں کیوں آنا چاہتی ہیں رومائزہ؟" بنیادی تعارفی سوالات کے بعد سفینہ صاحبہ نے پوچھا تھا۔

"مجھے غذائیت اور صحت کے درمیان گہرے تعلق سے دلچسپی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ مریضوں کی ان کی بیماری کے مطابق درست غذا کے بارے میں رہنمائی کر سکوں تاکہ ان کی صحت بہتر ہو سکے۔"

"ہم..... اگر آپ کو شوگر کے مریض کے لیے ڈائٹ پلان بنانا ہو تو آپ کن باتوں کا خیال رکھیں گی؟"

"میں مریض کی عمر، وزن، بلڈ شوگر لیول اور لائف اسٹائل کو مدنظر رکھتے ہوئے کم گلیسیمک انڈیکس والی غذا، فائبر سے بھرپور خوراک اور مناسب وقت پر کھانے کی تلقین کروں گی۔" اس نے اعتماد سے جواب دیا۔

"کیا آپ جانتی ہیں رومائزہ کہ اسپتال کے ماحول میں کام کرنا بعض اوقات دباؤ والا ہوتا ہے، آپ اسے کیسے ہینڈل کریں گی جبکہ آپ نے پہلے کبھی کہیں جاب بھی نہیں کی۔" ان کا سوال ایک لمحے کو اس کا دل دھڑکا گیا مگر

Scanned with CamScanner

اگلے ہی لمحے زبیر انکل کی شفیق مسکراہٹ نے اس کا اعتماد لوٹا دیا۔

"میں لیم ورک پر یقین رکھتی ہوں میم۔ اس معاملے میں ڈاکٹرز، نرسز اور سینیئر ڈائٹیشن کی رہنمائی لوں گی اور ان کی ہدایات کو فالو کروں گی۔"

"آپ کے خیال میں اسپتال اور کلینک میں ڈائٹیشن کے کام میں کیا فرق ہوتا ہے؟" سفینہ نے مزید سوال کیا۔

"میرے خیال میں اسپتال میں ایک ڈائٹیشن کو مریض کی بیماری، ادویات اور لیب رپورٹس کو مدنظر رکھ کر ڈائٹ پلان بنانا ہوتا ہے جبکہ کلینک میں زیادہ تر مریض کی لائف اسٹائل اور وزن مینجمنٹ پر فوکس ہوتا ہے۔"

"ہم.....م..... گڈ۔" سفینہ مسکرا دی تھیں۔ "اچھا اگر کوئی مریض دیے ہوئے ڈائٹ پلان پر عمل نہ کرے تو کیا کرنا چاہیے۔"

"ایسے میں مریض کی مشکلات کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کی پسند اور سہولت کے مطابق پلان میں تبدیلی لانی چاہیے تاکہ وہ آسانی سے اس پر عمل کر سکے۔" اس نے سوچ کر کہا۔

"کیا آپ کو سیڈیکل نیوٹریشن تھراپی کا بنیادی علم ہے روما زہ؟"

"جی، میں اس تھراپی کے بنیادی اصولوں سے واقف ہوں اور مزید سیکھنے کی خواہش رکھتی ہوں۔"

"بہت خوب، آپ کے جوابات سے آپ کی سنجیدگی ظاہر ہوتی ہے۔" سفینہ وہاب کے چہرے پر اطمینان بھرا تبسم تھا۔

"بہت شکریہ، یہ انٹرن شپ میرے لیے سیکھنے کا بہترین موقع ہوگا۔" وہ جواب میں جوش سے بولی تھی۔

"ہاں تو لیڈیز، یہ مرحلہ مکمل ہوا۔ مجھے خوشی ہے روما زہ بیٹا کہ آپ اس فیلڈ کے ساتھ اتنی سیریس ہیں۔ اور

Scanned with CamScanner

آپ کے اس رویے نے ہماری سینئر ٹیم کو یقیناً مطمئن کیا ہوگا۔ کیا خیال ہے، مس نفیس؟"
"جی بالکل، مجھے ان میں اسپارک نظر آیا ہے، میرے اس انالسز کو روما زہ کتنا درست ثابت کرتی ہیں، اب یہ دیکھنا باقی ہے۔" سفینہ مسکرا کر بولیں تو روما زہ کا چہرہ کھل اٹھا۔
"ویلکم آن بورڈ بیٹا۔ تو بس اب آپ کل سے جوائن کریں۔ باقی ڈیٹیلز آپ کو HR ڈیپارٹمنٹ سے مل جائیں گی۔" زبیر صاحب نے خوش آمدیدی مسکراہٹ سمیت اسے مژدۂ جانفزا سنایا تو وہ بے اختیار مسکرا دی جس پر اس کے گال کا ڈمپل اور بھی گہرا ہو گیا۔ سفینہ وہاب نے اسے بغور دیکھا۔
وہ دراز قد، درمیانی جسامت والی خاصی خوب صورت دوشیزہ تھی جس کے گہرے سیاہ گھنگرالے بال اور تیکھے نقوش دیکھنے والے کو دوبارہ دیکھنے پر مجبور کرتے تھے۔ اس کی مسکراہٹ البتہ چھوٹے بچوں کی طرح معصوم تھی۔ وہ اپنی گفتگو سے ایک نرم دل انسان معلوم ہوتی تھی۔ انہیں وہ اس پروفیشن کے لیے سو فیصد موزوں لگی اس لیے اس کے لیے ہاں کہہ دی۔
"مجھ پر اعتماد کرنے اور مجھے خود کو ثابت کرنے کا موقع دینے کے لیے میں آپ دونوں کی بہت مشکور ہوں۔ مجھے یقین ہے میں آپ کو مایوس نہیں کروں گی۔" وہ کچھ جذباتی ہو گئی تھی۔ دھیمی آواز میں بولی تو وہ دونوں بھی مسکرا دیے۔
"ان شاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ بہر حال اب آپ جا سکتی ہیں۔ باہر آپ کی دوست بے صبری سے آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔ جائیں اور جا کر انہیں یہ خوشخبری سنائیں۔" زبیر صاحب نے متانت سے کہا تو وہ الوداعی کلمات ادا کر کے مسرور سی اٹھ کر کمرے سے نکل آئی۔ باہر کاریڈور میں سیل فون پر ٹیکسٹ کرتی فارینہ اس کی منتظر تھی۔ جولے دیکھتے ہی اس کے گلے آ لگی۔
"کانگریٹس یار۔"
"تھینک یو۔۔۔ مگر پلیز مجھے یہاں نوکری مت کہو۔" الگ ہوتے ہوئے اس نے مسرور لہجے میں شکریہ ادا کرتے ہی اسے ٹوکا تھا۔
"اوہ یس، سوری بھول گئی تھی۔" فارینہ نے بھویں اچکا کر کان کو ہاتھ لگاتے ہوئے مزے سے کہا تو وہ مسکرا دی۔ "چلو آؤ تمہیں ہمارے کینٹین کی اچھی سی کافی پلاتی ہوں اور پھر ہاسپٹل کا ٹور بھی کریں گے۔"
"شیور۔" اس چھوٹی سی کامیابی نے اس کے دل کو پروں کی طرح ہلکا کر دیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ چل پڑی۔
"مگر اس سے پہلے رازع بھائی سے ہیلو ہائے کر لو۔ آگے ان کے انڈر کام کرنا ہے تمہیں، پی آر بنا لو اپنی۔ کام آئے گی۔" فارینہ کا دوستانہ مشورہ حاضر تھا۔
"جیسے آج کے انٹرویو میں تمہارا ریفرنس کام آیا۔" اس نے سنجیدہ لہجے میں کہا تو ساتھ چلتی فارینہ نے یک دم رک کر اسے دیکھا۔ اس کے قدم بھی ساتھ ہی ٹھٹک گئے۔
"او پلیز، ایسا سوچنا بھی مت۔ مسز سفینہ ہاسپٹل کے معاملے میں پاپا کی سفارش بھی قبول نہیں کرتیں۔ کل جب پاپا نے انہیں تمہارے متعلق بتایا تو ان کا صاف جواب تھا کہ وہ تم سے مل کر ہی کوئی فیصلہ کریں گی۔ دا فیکٹ از کہ یہ تمہارے GPA 3.5 کا کمال ہے کہ مسز سفینہ نے تمہیں انٹرویو کے لیے بلا لیا۔ باقی کریڈٹ تمہارے کانفیڈنس کو جاتا ہے۔ زبردست جوابات دے کر تم نے میدان مار لیا۔" فارینہ نے سچائی سے کہا تو اس کا دل حقیقی خوشی سے جھوم اٹھا۔
کامیابی کی یہ پہلی سیڑھی اس نے اللہ کے کرم کے بعد اپنی ذاتی قابلیت سے طے کی ہے، یہ خیال ہی اسے

Scanned with CamScanner

digest library.com
مزید پُراعتماد بنا گیا۔ ورنہ ابھی تک وہ دل ہی دل میں کچھ افسردہ سی تھی۔ اس موقع پر فارینہ اور اکمل زبیر کی احسان سمجھ رہی تھی۔

"سچ؟" بے یقینی سے سوال کیا

"سچ۔" فارینہ کہہ کر ہنسی تو وہ اس کے ساتھ رافع کے روم تک چلی آئی۔ جہاں وہ کسی سے کال پر بات کر رہا تھا۔ انہیں آتا دیکھ کر اشارے سے بیٹھنے کو کہا۔

"خدا کے بندے اب پاکستان آ بھی جاؤ۔ اتنا انتظار تو کوئی محبوب بھی اپنے عاشق کو نہیں کراتا ہوگا جتنا تم ہمیں کرا رہے ہو۔" رافع کا بے تکلف انداز بتا رہا تھا کہ دوسری طرف کوئی دوست ہے۔

"صوب بھائی ہیں؟" فارینہ نے اشارے سے پوچھا تو رافع نے سر ہلا کر اثبات میں جواب دیا۔ اگلے ہی لمحے فارینہ رافع سے سیل فون لے چکی تھی۔

"مزید کوئی بہانہ نہیں صوب بھائی، آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میری شادی سے کم از کم ایک ماہ پہلے یہاں پہنچ جائیں گے۔ اب اگر اگلے ہفتے تک آپ نہ آئے تو سوچ لیں میں کیا حشر کروں گی آپ کا۔" پتا نہیں دوسری جانب سے کیا کہا گیا تھا کہ فارینہ نے اپنائیت بھری دھونس سے کہا۔

"السلام علیکم، کیسی ہیں رومائزہ۔ انٹرویو کیسا رہا؟" رافع نے نرم لہجے میں اسے مخاطب کر کے اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرائی تو وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

"وعلیکم السلام رافع بھائی۔ الحمدللہ، میں ٹھیک ہوں اور انٹرویو بھی بہت اچھا رہا۔"

"ویش گریٹ، چلیے اچھا ہے۔ اب ہم ساتھ کام کریں گے تو ایک دوسرے کی نالج اور تجربے سے خود بھی فائدہ اٹھائیں گے اور دوسروں کو پہنچا بھی سکیں گے۔" رافع کا انداز ایک لمحے کے لیے پروفیشنل ہوا تو وہ ہولے سے مسکرا کر فارینہ کو دیکھنے لگی جو اسے بھول کر مزے سے کسی کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گئی تھی۔

"ہائی دادے، آج آپ اکیلی آئی ہیں۔ آپ کے ساتھ آپ کا سایہ، مس نشونی نظر نہیں آ رہیں۔" اگلے لمحے رافع کی ٹون بدل گئی تھی۔ شوخ لہجے میں استفسار کرتا وہ اسے مسکرانے پر مجبور کر گیا۔

"اگر مجھے پتا ہوتا کہ کوئی اس کا اس قدر بے چینی سے منتظر ہے تو اسے بھی ساتھ لے آتی۔ آپ نے بتایا بھی تو نہیں تھا۔"

"کچھ باتیں بتائی نہیں محض سمجھی جاتی ہیں مس رومائزہ، اٹی ویز، ویلکم آن بورڈ۔" راکنگ چیئر پر جھولتا وہ خوشگواری سے کہہ کر ہنس دیا تھا۔ اتنے میں فارینہ کال منقطع کر کے ان کی طرف مڑی تھی۔

"کیوں اس شریف بندے کی جان کو وبال ہو جاتی ہو تم فاری۔ وہ کہہ تو رہا ہے کہ اگلے ہفتے کی فلائٹ سے پہنچ رہا ہے وہ کراچی۔" رافع اب بہن کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

"مگر اس ہفتے کی فلائٹ کیوں آگے بڑھائی انہوں نے۔ مجھے اس بات کا غصہ ہے۔"

"اوہو بھئی وہ بتا رہا تھا کہ اسے وہاں کوئی ضروری کام آن پڑا ہے اس لیے چار دن آگے بڑھا لیا پروگرام۔" رافع نے دوست کا دفاع کیا۔

"میری شادی سے زیادہ ضروری کام بھلا اور کیا تھا ان کے لیے۔" فارینہ کی ناراضی اپنی جگہ موجود تھی۔

"ماشاءاللہ، کیا کہنے ہیں میری سوئٹ سسٹر کے۔" رافع کھل کر ہنس دیا تھا۔ "عزیز فاری یہ آپ کی شادی کا ریسپشن ہے کوئی میدانِ حشر نہیں کہ ہر ایک کا حاضر ہونا فرض ہو اس پر۔"

"صرف میری شادی؟ محترم آپ شاید بھول رہے ہیں کہ جلد ہی آپ کے سہرے کے پھول بھی کھلنے والے

Scanned with CamScanner

digest library.com

ہیں، اس میں بھی تو شرکت کرنی ہے صوب بھائی کو اور اس سے بھی بڑھ کر جو انہیں یہاں ہاسپٹل کی کلینکل فارمیسی ٹریننگ کے ہیڈ کو اسسٹ کرنا ہے اس کا کیا۔ آپ کو پتا ہے ناں کہ وہ ٹریننگ پروگرام اگلے ویک اینڈ سے اسٹارٹ ہونا طے ہے۔" قارینہ کو مصعب کے فلائٹ سوئچ کرنے پر سخت ناراضی تھی۔

رومائزہ خاموشی سے دونوں بھائی بہن کا مباحثہ سن رہی تھی جن کی گفتگو سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ ہو نہ ہو وہ دونوں کسی بہت اہم انسان کی آمد کے منتظر تھے اور یہ انتظار دونوں کے لیے شدید کوفت کا باعث بنا ہوا تھا۔

"وہ سب کام بھی ہو جائیں گے۔ ٹریننگ اسٹارٹ ہونے سے دو دن پہلے پہنچ جائے گا صوب، بتایا ہے اس نے مجھے۔ یوں بھی ہمیں اس کی بات کو بھی انڈر اسٹینڈ کرنا چاہیے قاری کہ آفٹر آل اس کی بھی پرائیویٹ لائف ہے۔ اس کی اپنی کمٹ منٹس ہوں گی جن کی وجہ سے اسے یہاں آنے کا پروگرام ملتوی کرنا پڑا۔"

"وہی تو میں پوچھ رہی ہوں آخر ایسی بھی کیا کمٹ منٹ ہے جو صوب بھائی نے سیٹ آگے بڑھوالی۔" قارینہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا تھا مگر جب راکنگ چیئر پر جھولتے رافع کے چہرے پر نظر پڑی تو اس کی شوخ مسکراہٹ نے اسے چونکا دیا۔

"لگتا ہے کوئی خاص بات ہے جو یقیناً آپ کے علم میں بھی ہے۔ پلیز بھائی بتائیے مجھے، معاملہ کیا ہے آخر۔ پتا تو چلے کہ لندن کی زمین نے ان کے پیر کیوں جکڑ رکھے ہیں۔"

"یہی ممکن ہے پیر لندن کی زمین کے بجائے کسی اور نے جکڑ لیے ہوں۔" اس بار رافع نے مزید سنسنی پھیلانے والے انداز میں کہا تو اس کی بات پر غور کرتی قارینہ یک دم کسی نتیجے پر پہنچ کر جوش سے بول اٹھی۔

"یہ من صوب بھائی کہیں کمیٹڈ ہیں؟" قارینہ کے لہجے میں سوال سے زیادہ خوشی تھی۔

"یہ کب کہا میں نے؟" رافع اگلے ہی لمحے صاف مکر گیا سنجیدہ لہجے میں کندھے اچکا کر اس نے سوال کیا تو قارینہ اسے مشکوک نظروں سے دیکھنے لگی۔

"یو آر امپاسبل بھائی، اپنی ویز بچ کیا ہے میں صوب بھائی سے خود پوچھ لوں گی۔" چڑ کر کہا۔

"اور جیسے وہ زیرو زیرو سیون تمہیں بتا بھی دے گا۔ بڑی خوش فہمی ہے تمہیں۔ وہ خود کو اور اپنی ذات سے جڑی ہر بات کو سات پردوں میں چھپانے کا عادی ہے۔ لہٰذا wait & watch کی پالیسی اپناؤ اور اس وقت اپنے صوب کے بجائے اپنی اس فرینڈ پر فوکس کرو جسے تم غیر متعلقہ باتوں سے بور کر رہی ہو۔" رافع نے استہزائیہ انداز میں اسے چھیڑ کر مشورہ دیا اور ساتھ ہی اسے رومائزہ کی طرف متوجہ کیا تو قارینہ کچھ جھینپ کر اس کی طرف مڑی۔ وہ واقعی چند لمحوں کے لیے کمرے میں موجود رومائزہ کو لاشعوری طور پر نظر انداز کر گئی تھی۔

"سوری رومائزہ، میں ذرا اموشنل ہو گئی تھی۔ دراصل صوب بھائی کے معاملے میں، میں ہمیشہ سے ایسی ہوں۔" اس نے ندامت بھرے لہجے میں رومائزہ سے معذرت کی۔

"اندازہ ہو گیا ہے مجھے۔" جواباً وہ متانت سے کہہ کر مسکرائی تو قارینہ بھی ہنس پڑی۔ اور پھر اٹھتے ہوئے بولی۔

"اٹس اوکے۔ چلو آؤ۔ lemme show you around (میں تمہیں سب کچھ دکھاتی ہوں)۔"

پھر رافع کی طرف مڑی۔

"Just keep in mind bhai!! کہ جب میں واپس آؤں گی تو آپ مجھے صوب بھائی کی فلائٹ delay کے بارے میں سب کچھ سچ سچ بتائیں گے، اپنا کچھ بھی چھپائے۔ سو تیار رہیے گا۔" جاتے، جاتے وہ رافع سے کہنا نہیں بھولی تھی۔ جس پر وہ مسکرا دیا تھا۔

"کمال ہے قارینہ تم تھکی دھوپ سے آتی ہو رافع بھائی پر۔" دروازے سے باہر نکلتے ہوئے اس نے تبصرہ کیا تھا۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

"رافع بھائی تو کہیں میں تو پاتی کہ صوب بھائی کو بھی ایسے ہی اپنے رعب میں رکھتی ہوں۔" فارینہ نے جواباً تفاخر سے بتایا۔

"پھر تو اللہ ہی حافظ ہے نشوبی کا۔" بے ساختہ اس کے لبوں سے نکلا تھا انداز میں اپنی پیاری دوست کے لیے فکر نمایاں تھی۔ جس پر فارینہ نے مڑ کر اسے حیرت سے دیکھا مگر اگلے ہی لمحے روما ئزہ کی آنکھوں نے جھانکتی شرارت نے اسے مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا۔

"ڈونٹ وری روما ئزہ، نشوبی صرف تمہاری ہی نہیں میری بھی دوست ہے۔ ٹرسٹ می، ان شاء اللہ وہ ہمارے گھر بہت خوش رہے گی۔" فارینہ کے انداز میں خلوص تھا جس کا احساس اس کے لبوں پر طمانیت بھری مسکراہٹ بکھیر گیا۔

"ان شاء اللہ۔" اس نے دل سے کہا تھا۔

"ارے ہاں، نشوبی کی فیملی اس ویک ہماری طرف انوائٹڈ ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم بھی ساتھ آؤ۔" اچانک یاد آنے پر فارینہ نے لگے ہاتھوں اسے بھی مدعو کر لیا تھا۔

"ہرگز نہیں۔" جواب میں اس نے سوچنے کا تکلف کیے بغیر دوٹوک انکار کیا تو فارینہ کچھ متعجب سی اسے دیکھنے لگی۔

"دیکھو فاری پہلی دفعہ کی بات اور تھی، میں درخشاں عمانی اور سیکہ آنٹی کو انکار نہیں کر سکتی تھی، دوسرے اس دن نشوبی اکیلی بھی تھی اس لیے مجھے اس کے ساتھ جانا پڑا۔ مگر یقین کرو وہ سب بہت آکورڈ تھا میرے لیے۔ مگر اب تو میرے آنے کی سرے سے کوئی وجہ بنتی بھی نہیں۔ اس لیے اس بات کو رہنے دو۔" اپنے دل کی بات بتاتے ہوئے وہ سنجیدہ ہو گئی تو فارینہ بے اختیار ہنس دی۔

"میں تمہیں انوائٹ کر رہی ہوں بس۔ کیا یہ وجہ کافی نہیں۔"

"پھر بھی سمی فاری، بس اس بار نہیں..... پلیز۔" اس نے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔ "یہ وقت تم دونوں خاندانوں کے لیے بہت اہم ہے، بہت سے معاملات طے کرنا ہوتے ہیں۔ پلیز میری بات کو انڈر اسٹینڈ کرو۔" اس نے نرمی سے سمجھایا تو فارینہ گہری سانس بھر کر متفق ہوتے ہوئے سر اثبات میں ہلا گئی۔ تو اس نے سکون کی سانس لی۔ اور فارینہ کے ساتھ HR کے شعبے کی طرف چل دی۔

☆☆☆

"میں نے ڈیڈ اور لندن میں سے کسی کو نہیں چھوڑا صوب اور نہ ہی کبھی ایسا کرنا چاہا۔ مگر ڈیڈ کا مطالبہ بالکل ناجائز تھا سو مجبوراً مجھے گھر چھوڑنا پڑا۔" ایمیلیا کا انداز تاسف بھرا تھا۔

اپنی فلائٹ کو کچھ دن آگے بڑھا کر مصعب آج ایمیلیا سے ملنے آیا تھا۔ جس کے بارے میں اسے چودھری صاحب سے پتا چلا تھا کہ اب وہ لندن کے قریبی شہر مینٹ الہنز میں آورش کمار کے ساتھ اس کے اپارٹمنٹ میں رہائش پذیر ہے۔

سیاہ چھ منزلہ عمارت کے چوتھے فلور پر بنا ایک روشن مگر چھوٹا سا فلیٹ تھا۔ مصعب کو قدرے حیرت نے گھیرا۔ ایمیلیا، چودھری صاحب کا شاندار بنگلا چھوڑ کر یہاں آباد ہو گئی تھی۔ محبت کی خاطر خاصی بڑی قربانی دی تھی اس نے۔ مالی طور پر آورش ابھی اتنا مستحکم نہیں تھا۔ اور نہ ہی فی الحال وہ ایمیلیا کو وہ آسودہ زندگی دینے کے قابل تھا جس کی وہ ہمیشہ سے عادی رہی تھی۔

"تمہیں اس انتہائی قدم کو اٹھانے سے پہلے مجھ سے مشورہ کر لینا چاہیے تھا ایمی! کیا پتا میں چارشید کو قائل کرنے کی کوشش میں کامیاب ہو جاتا۔"

Scanned with CamScanner

''جیسے میں نے یہ سب نہیں کیا ہوگا صوب؟ تمہارا کیا خیال ہے کہ مجھے اس فیصلے تک آنے میں صرف چند منٹ لگے ہوں گے۔ فرسٹ می، میں نے بہت کوشش کی تھی۔'' ایمیلیا نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کی بے اعتباری پر تڑپ گئی ہو۔

''میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں تھا ایمی!'' مصعب، ایمیلیا کے انداز پر متاثر ہو کر دھیمے پن سے بولا تھا پھر گہری سانس بھر کر اسے دیکھا۔ ''بہر حال اب کیا، کیا جا سکتا ہے۔ تم نہ صرف اب فیصلہ کر چکی ہو اور اس پر قائم بھی ہو۔''

''میں غلط ہوں بھی نہیں صوب، ڈیڈ نے جو کام ساری عمر خود کیا۔ وہ ہی سب کرنے سے وہ مجھے کیسے روک سکتے ہیں۔ تمہیں پتا ہے انہیں میرے اور آدی کے رشتے سے اس لیے اعتراض ہے کیونکہ آدی مسلم نہیں ہے۔ جبکہ خود انہوں نے میری مام سے شادی کرتے ہوئے اس بات کی پروا نہیں کی کہ وہ ایک کرسچن عورت سے رشتہ جوڑ رہے ہیں۔'' ایمیلیا نے اس بار قدرے سخت لہجے میں جواب دیا تھا۔

''ہم..... ہم..... جانتا ہوں میں۔'' ایمیلیا کی بات میں وزن تھا وہ اسے جھٹلا نہ سکا۔ سچ تو یہ ہے کہ چچا رشید سے بات کرتے ہوئے خود اس کی زبان پر یہ بات کئی بار آتے، آتے رہ گئی۔

''تمہارے مذہب میں بھی تو غیر مسلم سے شادی کرنا ممنوع ہے ناں؟'' اس کے خاموش ہو جانے پر ایمیلیا ایک بار پھر بولنے لگی تھی۔

''ہاں..... البتہ مرد اہلِ کتاب عورت سے شادی کر سکتا ہے، مگر عورت نہیں۔'' اس نے رسانیت سے جواب دیا۔

''کیوں؟ یہ کیا تضاد ہے؟ آخر تمہارے مذہب میں یہ پابندی عورت کے لیے ہی کیوں ہے۔ جبکہ مرد کے لیے تو ایسا کچھ نہیں ہیں۔'' ایمیلیا کے لہجے میں چبھن سی تھی۔ جس پر مصعب نے گہری سانس بھر کر ایمی کو مخاطب کیا۔

''اس لیے کہ عموماً ایک خاندانی نظام میں مرد کو قیادت حاصل ہوتی ہے، ایسے میں وہ اپنی اولاد کو اپنے بچے دین پر چلانے کے لیے ان کی تربیت اپنے مذہبی قاعدے کے مطابق کر سکتا ہے، بچے عموماً باپ کے مذہب اور نام سے پہچانے جاتے ہیں جبکہ عورت کا معاملہ قدرے برعکس ہے۔ اس کے لیے یہ سب آسان نہیں ہوتا، غیر مسلم شوہر کی وجہ سے عورت اور بچوں کے دین پر دباؤ پڑنے کا خدشہ زیادہ ہوتا ہے.....'' اس نے مستحکم لہجے میں جواباً کہا تو ایمی کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

''کمال ہے..... تو پھر تمہارے چچا رشید مجھے ایک مسلم لڑکی کیوں نہ بنا سکے؟''

ایمیلیا کا اگلا سوال پہلے سے زیادہ کڑا اور کڑوا تھا۔ مصعب اس استفسار پر لب بستہ رہ گیا۔ کچھ تھا اس کے چہرے پر، جس کے باعث ایمیلیا کا چڑھا ہوا پارہ یک دم نیچے آیا تھا۔

''ایمی ویز صوب، ہم دونوں یہ باتیں کیوں کر رہے ہیں۔ تم تو جانتے ہو مجھے مذہب اور سیاست پر بحث کرنا کبھی بھی پسند نہیں رہا۔ مذہب ہر انسان کی اپنی چوائس ہے۔ اور مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میرے دوست میرے والدین یا میرا شوہر کس مذہب سے تعلق رکھتا ہے، اگر وہ ایک اچھے انسان ہیں تو میرے لیے یہی کافی ہے۔'' ایمی کے انداز و الفاظ سے ظاہر تھا کہ دین اس کی زندگی میں کیا مقام رکھتا تھا۔

''میری طرح آدرش کے والدین بھی ہم مذہب نہیں ہیں، اس کے ڈیڈ ہندو ہیں اور ماما سکھ۔ لیکن انہیں ہمارے رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ شاید اس لیے کہ وہ دونوں بہت خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں۔ میں اور آدی بھی گزاریں گے کیونکہ ہمارے درمیان انڈر سٹینڈنگ ہے جو ڈیڈ اور ان کی پاکستانی بیوی کے درمیان کبھی نہیں رہی اور نہ ہی وہ میری ماما کے ساتھ کبھی خوش رہ سکے۔ پھر بھی ڈیڈ چاہتے ہیں کہ میں کسی انسان سے محض اس لیے شادی کر لوں کہ وہ مسلمان ہے اور میری آخرت سنور جائے۔''

ایمیلیا سے ملی یہ اطلاع اس کے لیے حیران کن نہیں تھی۔ اس کے علم میں تھا کہ چودھری رشید اپنی پاکستانی بیوی

Scanned with CamScanner

کو چھوڑ کر یہاں اچھے مستقبل کی تلاش میں آئے تھے اور بہت سے لوگوں کی طرح اپنا ماضی بھول بیٹھے تھے۔ اس کے لیے ان کا یہ عمل غلط نہیں تھا۔ خود کو ایک بیمار رشتے میں باندھے رکھنا اس کے نزدیک درست نہیں تھا۔

"دیکھو صوب! ہم دنیا میں صرف چند دنوں کے لیے آئے ہیں۔ اس چھوٹے سے عرصے کو ان الجھنوں میں گرفتار رہ کر گزارہ تو کیا خاک گزارہ۔"

"اور آخرت؟ اس کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟ کیا وہ بھی ایک چھوٹا سا عرصہ ہوگا جسے ہنس کھیل کر گزار لیا جائے گا ایمی؟"

digest library.com

ایمیلیا کے فکر فردا سے بے نیاز فلسفہ پر مصعب نے سنگین سنجیدگی سے سوال پوچھا تھا۔ اس بار خاموش رہنے کی باری ایمیلیا کی تھی۔ جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مصعب نے سلسلۂ کلام جاری رکھا اور کہنے لگا۔

"چچا رشید کو تمہاری اس دنیا کی ہی نہیں اگلی دنیا کی بھی فکر ہے ایمی؟ وہ والد ہیں تمہارے۔"

"میں ایک عاقل بالغ انسان ہوں صوب! میری فکر کرنے اور مجھے سمجھانے کی کسی کو بھی ضرورت نہیں۔ میں نے آدی کے ساتھ شادی کا فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ ہم ایک دوسرے کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ مجھے یقین ہے میں اس کے ساتھ بہت خوش رہوں گی۔" ایمیلیا کا لہجہ اس بار دوٹوک تھا۔

اس معاملے میں وہ اپنی ماں جیسیکا کی طرح تھی۔ ایک بات ٹھان لیتی تو کر گزرتی تھی۔ مصعب نے اس کی عاقبت نااندیش سوچ پر متفکر انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"اب بھی تم نے محض اس دنیا کی خوشی کی بات کی ہے ایمی۔ جبکہ چچا رشید کی فکرمندی کچھ اور ہے۔" اس کا انداز مدلل تھا۔

"میرا خیال ہے صوب کہ ہر انسان کو صرف اپنی فکر کرنی چاہیے، پریشانی اس بات کی ہونی چاہیے کہ وہ خود کیا کر رہا ہے، اس کا انجام کیا ہوگا؟ دوسرے کے ساتھ moral policing نہیں کرنا چاہیے۔"

"شاید اصولی طور پر تم ٹھیک کہہ رہی ہو مگر والدین کے لیے اتنا خودغرض بننا ممکن نہیں ہوتا ایمی۔" گہرے لہجے میں کہتے ہوئے مصعب کے تصور میں ماضی کی کچھ تصاویر متحرک ہوگئی تھیں۔ ایمیلیا نے اسے بغور دیکھا تو یک دم اسے کچھ کھٹکا ہوا۔

"تم مجھے حیران کر رہے ہو صوب۔ آج سے پہلے میں نے تمہیں کبھی اتنا preachy (وعظ کرنے والا) نہیں دیکھا۔ تم باقی پاکستانیوں سے کافی مختلف رہے ہو مگر آج بات کچھ اور ہے۔" ایمیلیا واقعی متعجب تھی۔ آج اس نے ایک نیا مصعب دیکھا تھا۔

وہ جو ہر ایک سے الگ تھلگ، مل کر بھی فاصلے قائم رکھنے کی خو اپنانے والا مصعب تھا۔ جسے دوسرے کے ذاتی معاملات میں دخل در معقولات کرنا سخت ناپسند تھا، نہ ہی وہ کسی کو اپنے معاملات میں بولنے کی اجازت دیتا تھا۔ وہ جس کا ہمیشہ یہ مقولہ رہا کہ سمجھایا ناسمجھوں کو جاتا ہے سمجھداروں کو نہیں، وہ آج ایمیلیا کو نصیحتیں کر رہا تھا، قائل کرنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ اس کا یہ رویہ ثابت کرتا تھا کہ چودھری رشید کا اس کی زندگی میں ایک خاص مقام ہے۔ وہ اس کے محسن اور مربی تھے۔ جن کی خاطر وہ اپنی روش سے ہٹ گیا تھا۔

"اہم یہ نہیں ایمی! کہ کون کہہ رہا ہے۔ اصل میں تو کس اس بات پر ہونا چاہیے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔" ایمیلیا کے تعریفی انداز پر اس نے لفظ "کیا" پر زور دیتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔ وہ موضوع سے ہٹ رہی تھی۔

"تو کیا ضروری ہے کہ وہ "کیا" تمہاری سوچ کے مطابق ہی ہو؟ میرے "کیا" پر بھی تو فوکس کیا جاسکتا ہے ناں صوب۔" مصعب کے انداز پر ایمیلیا کا سنجیدہ انداز عود آیا۔

Scanned with CamScanner

"میں شکر گزار ہوں کہ صرف مجھ سے ملنے کے لیے تم نے اپنی فلائٹ کو ری شیڈول کیا۔ یہ تمہارے خلوص کا اظہار ہے صوب، میں اور ڈیڈ خوش نصیب ہیں کہ تم ہمارے لیے اتنی فکر کرتے ہو۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری بات نہیں مان سکتی۔ اس معاملے میں اگر مجھے کوئی قائل کر سکتا تھا، تو وہ ڈیڈ کا عمل تھا صوب اگر کل خود انہوں نے اس کے برعکس کیا جس کی وہ آج مجھ سے توقع کر رہے ہیں۔"

"چچا نے اپنا فیوچر بنانے کے لیے قربانیاں دی تھیں ایمی۔" اس نے نرم لہجے میں چودھری صاحب کا دفاع کیا۔

"تو کیا روٹی، کپڑا اور مکان کی ضروریات پوری کرنے کی خاطر انسان اپنے دین پر کمپرومائز کر سکتا ہے صوب!؟ کیا یہ کہتا ہے تمہارا اسلام؟" وہ آنکھوں میں آنکھیں ڈالے سوال کر رہی تھی۔

"اگر ایسا ہی ہے تو پھر میرے دل کے ارمان بھی میرے لیے اتنے ہی اہم ہیں جتنا ڈیڈ کے لیے یو کے میں اپنے قدم جمانا ضروری تھے۔ جس کی خاطر انہوں نے ہر طرح کا سمجھوتا کیا۔ کل ان کی اپنی ترجیحات تھیں تو آج میرے اپنے رجحانات ہیں، بات برابر۔" اس بار ایمی نے مضبوط لہجے میں اپنا فیصلہ سنا دیا تو وہ چند سیکنڈز کے لیے لب بھینچے اسے دیکھتا رہا اور پھر کچھ سوچ کر اس نے سر کو خفیف سا جھٹکا دیا۔

"پلیز صوب، اس بات کو اپنی انا کا مسئلہ مت بنانا۔ ہم ہمیشہ اچھے دوست رہے ہیں۔ میں امید کرتی ہوں کہ جس طرح تم ڈیڈ کو اگنور اسٹینڈ کرتے ہو، مجھے بھی کر دو گے۔" دوستانہ لہجے میں بولتی وہ اسے قائل کر رہی تھی۔

"تم دونوں میرے لیے بہت اہم ہو ایمی۔ میرے لیے کسی ایک کو منتخب کرنا آسان نہیں، میں تم دونوں کو خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔" اس نے بھارتی لہجے میں جواباً کہا تو ایمی مسکرا دی۔

"تو پلیز تم ڈیڈ کو کنوینس کرو کہ وہ ہمارے فیصلے کو دل سے قبول کر لیں۔ میں انہیں بھی ناراض نہیں کرنا چاہتی نہ اپنی محبت سے دستبردار ہو سکتی ہوں۔" ایمیلیا کے تمام دلائل سن کر قائل ہونے کے بجائے انا اس سے چودھری صاحب کو منانے کی درخواست کی تو وہ اس کی دوغلی ذہنیت پر خاموش ہو گیا۔

اور سچ تو یہ تھا کہ وہ ایمیلیا کو غلط سمجھتا بھی نہیں تھا جس کی پرورش کرتے ہوئے چودھری صاحب کو وہ دین یاد نہیں رہا تھا جس کی وہ آج دہائیاں دے رہے تھے۔ لیکن صوب اپنی جگہ مسلم تھا کہ چودھری رشید کے دکھ نے اسے کہیں اندر سے چوٹ پہنچائی تھی، ورنہ ایسے کسی کی خاطر اپنی سوچ کے برعکس عمل کرنا اس کی عادت نہیں تھی۔ ایمیلیا سے یہ سب کہتے ہوئے کئی بار اس کا دھیان بھٹکا تھا۔ رشتے اور انا سے جڑی توقعات کی پیچیدگیاں اسے اپنے ان پیروں کی طرف متوجہ کر رہی تھیں، جو کسی بھی تعلق اور بندھن کی بیڑیوں سے آزاد تھے۔ پتا نہیں یہ آزادی تھی یا اپنی ذات کی اسیری۔

☆☆☆

"کانگریٹس رومائزہ!" یک دم عقب میں ابھرتی مسرت سے لبریز مانوس آواز نے ہاسپٹل کے گیٹ کی طرف بڑھتے اس کے قدموں کو رکنے، ٹھٹکنے پر مجبور کیا۔ وہ چونک کر مڑی۔

سامنے ہی صوب اپنی ساحر شخصیت سمیت لبوں پر خوشگوار تبسم سجائے کھڑا تھا۔

"میں نے کہا تھا ناں آپ سے کہ اس ہاسپٹل میں آپ کا بہت اچھے لوگوں سے میل ملاپ رہے گا۔ سو بندہ حاضر ہے۔" انداز بے تکلف اور شوخ تھا۔ رومائزہ نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر اس کی نظریں صوب کے عقب میں چند قدموں کے فاصلے پر موجود ایک نسوانی وجود پر جا ٹھہریں جو سوالیہ الجھن سمیت ان دونوں کی طرف متوجہ تھا۔

(جاری ہے)

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

جانور

عتیقہ محمد بیگ

عائشہ بیوقوف سی، سادہ سی لڑکی تھی، اس کی شادی ایک ایسے لڑکے سے طے ہوئی جو جانوروں کا ڈاکٹر تھا جبکہ عائشہ کو جانوروں سے کچھ خاص رغبت نہیں تھی۔ اس کی والدہ فرخندہ نے یہ بات اس سے چھپائی کہ ڈاکٹر عمر کون سا جانوروں کا علاج گھر پر لاکر کرتا ہے۔ اس کا اپنا کلینک ہے۔ عائشہ کو بچپن سے ہی جانوروں سے چڑ تھی۔ کتے، بلی، چھپکلی کو دیکھ کر وہ عجیب سا محسوس کرتی تھی۔ مگر فرخندہ بیگم نے اپنی بیماری، خراب طبیعت اور بیٹی کے حالات کو دیکھتے ہوئے عمر سے جلد شادی کروانے کا فیصلہ کیا اور اپنی بیٹی سے ڈاکٹر عمر کا شعبہ چھپالیا۔ میٹرک فیل عائشہ ڈاکٹر نام سن کر پاگل سی ہوگئی..... کہ اس کے نصیب سے شاید دل کا ڈاکٹر اسے ملا ہے۔ اس نے ڈاکٹر سن کر خود سے اسے دل کا ڈاکٹر

digest library.com

Scanned with CamScanner

بتا کر اپنی سہیلیوں سے شیئر کر دیا اور ہر سہیلی اس کی قسمت پر رشک کرنے لگی..... مگر فرخندہ سب کچھ سن کر خاموش رہیں..... بیچاری خاموش نہیں رہتیں تو بیٹی کا بوجھ ان کے کندھوں پر ہی رہتا اور عائشہ کسی بھی صورت ڈاکٹر عمر کے جانوروں کے ڈاکٹر ہونے پر شادی نہیں کرتی..... اور نہ ہی فرخندہ بھی اپنی کم عقل بیٹی کو بتا کر شادی پر راضی کر سکتی تھیں۔ اس لیے انہوں نے سب کچھ وقت پر چھوڑ دیا مگر شادی کے دن نہ جانے کیسے عائشہ کی دوست ہادیہ نے عمر کے پروفیشن کا بتا دیا۔

''تم۔ انوروں سے اتنا ڈرتی ہو پھر یہ بلی، کتے، بھینس کا علاج کرنے والے ڈاکٹر سے شادی کی ہامی کیسے بھر لی؟'' عائشہ یہ سن کر ہکا بکا رہ گئی۔ اس نے ماں سے کہا تو فرخندہ بیگم نے دلہن بنی بیٹی کو سمجھایا

''سب لوگوں کے سامنے تماشا بننے کی ضرورت نہیں ہے، یہ عمر کا شعبہ ہے تمہیں اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ وہ گھر پر تھوڑی جانوروں کو لے کر آئے گا اور کون سا ڈاکٹر، مریض گھر پر لے کر آتے ہیں۔ اپنی عقل کو استعمال کرو..... اور اپنا موڈ ٹھیک کرو ورنہ لوگوں کے دلوں میں عجیب سوال اٹھنے لگیں گے کہ شاید لڑکی کسی اور کو پسند کرتی ہے..... کہ اپنی شادی پر خوش نہیں۔'' وہ بڑبڑانے لگی۔

''سچ میں خوش نہیں ہوں میں..... اور میرا دل کر رہا ہے کہ اسٹیج سے اٹھ کر ڈاکٹر عمر کی حقیقت سب کو بتا دوں کہ یہ دل کا نہیں جانوروں کا ڈاکٹر ہے۔'' اس کا چہرہ غصے سے لال ہونے لگا تبھی فرخندہ بیگم نے تلخی سے جواب دیا۔

''خود میٹرک فیل ہو..... سر پر باپ کا سایہ ہے، نہ ہی اپنی چھت، خوشی سے اسٹیج چھوڑ کر گھر چلی جاؤ اور طلاق کے بعد دوسرے رشتے کا ملنا ناممکن کیونکہ تمہاری ماں غریب بیوہ ہے۔'' عائشہ نے ماں کی ساری باتیں تو سن لیں مگر اس کے دل میں خوف اور غصہ دونوں پل بھر میں بھر گیا۔ مگر اب واپسی کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ بت بنی بیٹھی رہی اور کم عقل ہونے کی وجہ سے خود پر یہ غم سوار کر لیا۔

☆☆☆

عمر یتیم ہونے کی وجہ سے بہت حساس اور ہمدرد انسان تھا۔ عمر کے والدین اس کے بچپن میں ہی کار حادثے میں جاں بحق ہو گئے تھے۔ اس کے دور کے چچا محمود جو کہ دل کے ڈاکٹر تھے انہوں نے عمر کو پالا تھا اور ایک دن وہ بھی چل بسے۔

عمر نے فیملی کے بغیر زندگی گزاری۔ اس کے نزدیک اس کے چچا محمود کے پالتو جانور طوطا، کتا، بلی تھے وہ ہی اس کے عزیز ہو گئے۔ چچا کا کوئی بچہ نہ تھا، عمر نے ان کا پیار جانوروں سے پالیا۔ اس لیے جب اس کو اپنے شعبے کا انتخاب کرنا تھا تو اس نے جانوروں کا ڈاکٹر بننا مناسب سمجھا۔ مگر عمر کی اس نیت سے بے خبر عائشہ اس کی زندگی میں شامل ہو چکی تھی۔ جس کے دل میں شوہر کے لیے اب رتی بھر عزت نہیں تھی۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ جانوروں کا ڈاکٹر ہے۔

☆☆☆

عائشہ نے پھولوں سے سجی مسہری کو اپنے ہاتھوں سے نوچ ڈالا۔ جب کمرے کی سائڈ ٹیبل پر کچھ کتابوں پر جانوروں کی تصویریں دیکھیں۔ اس نے کتابوں کے ایک، ایک صفحے کے ہزار ٹکڑے کر ڈالے اور پھر بیٹھ کر پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔ دوسری طرف عمر ہاتھ میں پھول اور منہ دکھائی کے لیے ہیرے کی انگوٹھی لیے پورے ارمانوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا تو وہ گھبرا کر رہ گیا۔

عائشہ اسے دیکھتے ہی چیخ پڑی۔

''مجھے یہاں نہیں رہنا..... مجھے اپنے گھر جانا ہے۔'' وہ چیختے ہوئے اس کے قریب آ گئی اور اس نے عمر کا گریبان اپنے ہاتھوں میں جکڑ لیا۔ عمر اس ردِعمل کا منتظر نہیں تھا۔ وہ ہکا بکا رہ گیا وہ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اپنی دلہن اپنی شریک حیات جو ابھی اک پل میں اس کی زندگی میں شامل ہوئی ہے اس سے پوچھے کیسا۔ عائشہ کی تصویر سے اس نے ہزاروں باتیں کی تھیں اور اس کو اپنی زندگی مان لیا تھا۔ مگر ادھر عائشہ چیخ، چیخ کر اس سے دور ہونے کا مطالبہ کر رہی تھی اسے

Scanned with CamScanner

digest library.com

کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ اس نیابت پر کیا کرے۔ اس کا چہرہ پیلا پڑنے لگا۔

"آپ نے مجھے دھوکا دیا ہے اور اور میری ماں نے بھی۔" وہ غصے سے بول اٹھی۔

"کیسا دھوکا؟ کون سا دھوکا..... تم کس دھوکے کی بات کر رہی ہو۔"

عائشہ اس سے پہلے مزید بولتی اس کے ذہن میں اس کی ماں کے الفاظ گونجنے لگے۔

"تم میٹرک فیل لڑکی اس کے جانوروں کے ڈاکٹر ہونے پر اعتراض کرو گی تو دنیا تم پر ہنسے گی، سوچ لو۔"

اسی سوچ پر اس نے عمر کا گریبان چھوڑ دیا اور خود کو واش روم میں لاک کرنا ضروری سمجھا۔ کیونکہ اسے عمر کے ساتھ کمرے میں ہونا، اس کے پاس سونا برا لگ رہا تھا۔ جب دل و دماغ میں نفرت بھری ہو تو انسان دوسروں سے کنارہ کشی اختیار کر لیتا ہے۔ عائشہ کے دل میں نفرت اس کی سہیلی نے اور دماغ میں بچپن سے جانوروں سے نفرت نے عمر کی زندگی میں آگ لگا دی۔ عمر نے وہ رات آنکھوں میں کاٹی وہ اس دھوکے کو سوچنے لگا جس کا دور، دور تک اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

☆☆☆

اگلی صبح جب فرخندہ بیگم اپنی بیٹی کا ناشتا لے کر آئیں تو ان کو عمر کے چہرے کو دیکھ کر اندازہ ہو گیا تھا کہ عائشہ نے ضرور کوئی نہ کوئی گڑبڑ کی ہے۔

"کچھ عقل سے کام لو لڑکی، تمہاری قسمت پر سب رشک کر رہے ہیں اور ایک تم ہو جو یہاں خود کا گھر تباہ کرنے پر تلی ہو۔ دماغ خراب تو نہیں ہو گیا تمہارا۔ تم نے عمر سے کیا بات کی ہے جو اس کا منہ لٹکا ہوا ہے۔ اس کی آنکھوں سے صاف، صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ بیچارہ ساری رات سویا نہیں..... عائشہ سچ، سچ بتاؤ، تم نے کیا حرکت کی ہے؟" وہ عائشہ کو الگ کمرے میں بیٹھ کر ڈانٹنے لگیں۔

"مجھے یہاں نہیں رہنا..... آپ مجھے یہاں سے لے چلیے۔" فرخندہ بیگم غصے سے بیٹی کو دیکھنے لگیں اور پھر یک دم خاموش ہو گئیں کیونکہ عمر کے قدموں کی آواز انہیں سنائی دے رہی تھی۔

"خالہ کیا میں اندر آسکتا ہوں؟" عمر نے شائستگی سے پوچھا۔ فرخندہ بیگم کا چہرہ بجھ سا گیا اور عائشہ کے چہرے پر فتح سی چھا گئی۔ فرخندہ بیگم نے دروازہ کھولا اور عمر کے سر پر پیار دے کر کہا۔

"بیٹا تمہارا گھر ہے تمہیں اجازت مانگنے کی کیا ضرورت ہے؟" اس نے فرخندہ بیگم کا ہاتھ تھام لیا اور پھر دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"خالہ پلیز مجھے سچ، سچ بتائیں..... کیا عائشہ کی شادی مجھ سے اس کی مرضی کے بغیر ہوئی ہے؟" فرخندہ بیگم نے عمر کی حالت دیکھ کر اپنی بیٹی کی طرف دیکھا وہ بہت پریشان دکھائی دے رہا تھا اور اس کے چہرے کی پریشانی اس کی کل رات کی کہانی بیان کر رہی تھی کہ عائشہ نے اس سے سیدھے منہ بات تک نہیں کی۔

"نہیں بیٹا، ایسا کچھ نہیں ہے، یہ عائشہ تمہارے سامنے کھڑی ہے اس سے پوچھ لو، تمہاری تصویر دیکھ کر اس نے شادی کے لیے ہاں کی تھی۔" فرخندہ بیگم نے غصے اس کی طرف دیکھا جو منہ پھلا کر بیٹھی ہوئی تھی۔

"خالہ کیا..... کیا عائشہ کسی اور کو پسند کرتی ہے۔" عمر نے اپنا خدشے بھرا دوسرا سوال پوچھ لیا۔ جس کا ڈر اسے رات سے ستا رہا تھا اور وہ جلد از جلد اس کا جواب پا کر خود سے عائشہ کو آزاد کرنے کا سوچ رہا تھا۔

"دیکھا امی ایک منٹ میں آپ کی بیٹی پر الزام لگا رہے ہیں۔" عائشہ فوراً بول پڑی۔ فرخندہ بیگم نے غصے سے بیٹی کی طرف گھور کر دیکھا۔

"آپ بھی مجھے ہی گھور رہی ہیں۔ ان کو صاف، صاف بول دیں کہ ایسا ہرگز نہیں ہے، میں کسی اور سے محبت نہیں کرتی تھی اور نہ ہی میں ایسی ویسی لڑکی ہوں کہ محبت کسی اور سے اور شادی کسی اور سے۔" عائشہ نے ہر لفظ چبا، چبا کر بات کو ادھورا چھوڑ دیا۔ ایک دم عمر کے چہرے پر سکون سا چھا گیا۔ مگر پھر بھی اس کے چہرے پر تشویش تھی "تو پھر کل رات عائشہ کا رونا، ہنگامہ کرنا" اس کی سمجھ سے سب کچھ باہر تھا۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

"بیٹا یہ نادان ہے تم اس کی کسی بات کو سیریس مت لو..... اور چلو پہلے ناشتا کرلو پھر میں تمہارے ہر سوال کا جواب دے دوں گی۔" فرخندہ بیگم نے اسے تسلی دی۔

عمر نے ایک گہری سانس کھینچی اور عائشہ کی طرف دیکھا جو بے فکری سے آئینے میں خود کو دیکھنے لگی۔

☆☆☆

"خالہ سچ میں یہی بات ہے؟" وہ حیرت سے فرخندہ بیگم کو دیکھنے لگا۔

"ہاں، بیٹا..... بچپن سے اسے جانوروں سے نفرت ہے، بس عجیب لڑکی ہے۔ گلی میں کوئی کتا، بلی دیکھ لیتی..... سارا، سارا دن مجھے تنگ کرتی رہتی۔ چھپکلی سے اس کی جان جاتی ہے اور چوہے..... اچھا تم بتاؤ اس گھر میں چوہے تو نہیں؟" فرخندہ بیگم نے اِدھر اُدھر زمین پر جھانک کر پوچھا تو عمر ہنسنے لگا۔

"آپ سچ کہہ رہی ہیں کہ عائشہ کا رویہ مجھ سے صرف اس لیے بگڑا ہوا ہے کہ میں جانوروں کا علاج کرتا ہوں؟"

"ہاں بیٹا..... پگلی ہے میری بیٹی، میں اس کی جگہ تم سے معافی مانگتی ہوں۔" فرخندہ بیگم ہنستے ہوئے بولیں۔

"نہیں، نہیں خالہ آپ کیوں معافی مانگیں گی۔ جس نے غلطی کی ہے معافی وہ مانگے گا۔" عمر کے چہرے پر بھی ہنسی بکھر گئی۔ فرخندہ بیگم نے اس کے سر پر پیار دیا اور محبت سے کہا۔

"لاڈلی ہے، ناسمجھ ہے، تم سے ڈرتی بھی ہے۔ میں نے تمہارا انتخاب اس لیے کیا تھا کہ تم ہی ہو جو میری کم عقل بیٹی کو سنبھالو گے اور ماشاء اللہ سے تم ویسے ہی ہو۔ فرمانبردار..... ورنہ تمہاری جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہ کل رات ہی اسے واپس میرے پاس چھوڑ کر چلا جاتا۔" عمر نے فرخندہ بیگم کا ہاتھ تھام لیا۔ فرخندہ بیگم نے بھی اسے ڈھیروں دعائیں دیں ان کے چہرے پر سکون سا چھا گیا۔

☆☆☆

"یہ آپ کس طرح سے مجھے دیکھ رہے ہیں؟" عائشہ نے عمر کی طرف دیکھا۔ جو شریر نظروں سے ہونٹوں پر مسکراہٹ لیے اسے گھور رہا تھا۔

"کیوں تمہیں دیکھنا چھوڑ دوں گا کیا؟"

"نہیں، ایسا بھی نہیں مگر مجھے آپ کی آنکھیں الو کی آنکھوں کی یاد دلا رہی ہیں..... الو کی آنکھیں یہ بڑی، بڑی گول، گول ہوتی ہے ناں۔" عائشہ بیزاری سے بولی۔

"اچھا، میری اتنی پیاری آنکھوں کو تم نے الو کی آنکھوں سے جوڑ دیا..... واہ بیگم..... واہ..... تعریف کرنے کا نرالا انداز مجھے بہت پسند آیا۔" اس نے آنکھیں کھول کھول کر ہنستے ہوئے جواب دیا۔ عائشہ عمر کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"یہ تعریف نہیں تھی مگر آپ نے تعریف سمجھ لی، اچھی بات ہے اسی طرح غلط فہمی میں رہیں..... آپ خوش رہیں گے اور میری اماں کو شکایت نہیں ہوگی۔"

وہ ہنستے ہوئے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ بیڈ پر بیٹھی یک دم بولی۔

"اب آپ چالاک لومڑی کی طرح قدم بڑھا رہے ہیں۔"

"اب میری چال پر لومڑی یاد آگئی۔"

"آپ کو وہ انگور کھٹے ہیں کہانی یاد ہے ناں، لومڑی کی چالاکی..... آپ نے بھی چالاکی سے میری ماں سے ہر بات میرے دل کی جان لی۔ اب آپ کو میرے رونے پر، میرے غصہ کرنے پر ہنسی آرہی ہوگی۔" عائشہ نے چھوٹے دل سے ساری بات سنا ڈالی۔

"ہاہا..... ہا..... سچ میں تمہاری بیوقوفی پر ہنسوں یا روؤں..... یا پھر اپنی ڈاکٹری کی ڈگری پھاڑ دوں..... تم بتاؤ..... میں کیا کروں؟" وہ عائشہ کے پاس آبیٹھا۔

عائشہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"تم دل کے ڈاکٹر بن جاتے، اس پڑھائی کا کیا فائدہ؟" وہ شکوہ کرنے لگی۔ وہ اس کے آنسو پونچھنے لگا۔

"میری جان، مجھے ڈاکٹر نہیں صرف اپنا شوہر سمجھو اور وہ بھی اپنا پیارا عمر..... پھر سب کچھ اچھا ہو جائے گا۔ جس طرح تم مجھے اپنی عائشہ لگتی ہو میری عائشہ۔" اس نے ہیرے کی انگوٹھی نکال کر اس کی انگلی

Scanned with CamScanner

میں ڈال دی۔

عائشہ نے فوراً انگوٹھی اتاری اور چیخ کر پوچھا۔

"آپ نے ہاتھ دھوئے تھے؟ مجھے الرجی ہو جائے گی۔ آپ طرح، طرح کے جانوروں کا علاج کرتے ہیں، ان کے جراثیم مجھے لگ گئے تو میں بیمار پڑ جاؤں گی۔" اس نے انگوٹھی کو واش روم میں جا کر دھونا شروع کر دیا اور وہ ہکا بکا رہ گیا کیونکہ وہ عائشہ کے اس ردِعمل کا سوچ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ اس حد تک بھی جا سکتی تھی۔ اس کے چھونے پر اسے جانوروں کے جراثیم کا ڈر ستائے گا۔ وہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ مزید وہ اپنی بیوی کو کیسے یقین دلائے کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ جتنا وہ ان چیزوں کو سوچ کر اپنی زندگی اجیرن بنا رہی ہے۔

☆☆☆

"عائشہ..... عائشہ پلیز جلدی سے ناشتا لے آؤ، کلینک سے دو بار فون آ چکا ہے..... ایمرجنسی ہے۔" عمر نے ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ کر اسے پکارا اور پھر فون پر میسج چیک کرنے لگا۔

عائشہ نے ناشتے کی ٹرے اس کے سامنے رکھ دی۔ ابلا ہوا انڈا، دو سلائس، مکھن، جیم دیکھ کر اس کا چہرہ بجھ سا گیا۔ عائشہ نے اس کے بجھے ہوئے چہرے کو دیکھ کر پوچھا۔

"کیوں..... کیا ہوا؟ ناشتا پسند نہیں آیا کیا؟"

وہ تیزی سے ناشتا کرنے لگا۔

"اتنی تیز تو چوہے بھی نہیں کھاتے، جتنے تیز آپ کے دانت ہیں اور آپ کھا رہے ہیں۔" وہ اس کے سامنے بیٹھ گئی اور پھر مسکرا کر بولی۔

وہ ہنسنے لگا۔

"بھوک بہت ہے اور آپ نے دو سلائس، ایک انڈے سے کام چلانے کا حکم دیا ہے تو میں نے سوچا جلدی حکم بجا لاؤں ورنہ ایسا نہ ہو کہ آپ کو میری کسی بات پر پھر غصہ آ جائے اور آپ یہ لے بھی لے جائیں۔"

"سیالے کتے کی طرح سوچ ہے آپ کی۔" وہ ہنسی۔ "اور سچ ایسا ہو بھی سکتا تھا۔ جب آپ نے کہا کہ کلینک میں ایمرجنسی ہے، کسی بلی یا کتے کو ہی ایمرجنسی

ماحول گھر کا

سیانے کہتے ہیں۔ "پوت کے پاؤں پالنے میں ہی نظر آ جاتے ہیں۔" مطلب بچوں کا رجحان کہ وہ آئندہ زندگی میں کیا بننا چاہتے ہیں یا کیا کرنا چاہتے ہیں، ان کے کھیلنے، باتوں یا اٹھنے بیٹھنے کے انداز سے پتا چل جاتا ہے، اگر والدین کی اپنے بچوں پر نظر ہو تو وہ ان کی صحیح رہنمائی کر سکتے ہیں اور ان کو آئندہ زندگی کے لیے بہتر مشورے یا اچھے انداز سے صحیح سمت ان کے رجحان کو موڑ سکتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بچے کا دماغ خالی سلیٹ کے مانند ہوتا ہے، اس پر آپ جو چاہیں، وہ لکھ ڈالیں۔ اب یہ والدین پر منحصر ہے کہ وہ اس پر کچھ لکھتے ہیں یا ایسے ہی چھوڑ دیتے ہیں کہ جو چاہے اس پر اپنی مرضی کی تحریر رقم کر دے۔

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ.....

"ہر بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن ماحول اسے یہود و نصاریٰ بنا دیتا ہے۔" اس حدیث سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ کوئی بھی پیدائشی اچھا یا برا نہیں ہوتا بلکہ اس کا ماحول اسے آگے بڑھنے میں مدد دیتا ہے، اب یہ آپ کے ہاتھ میں ہے کہ آپ اپنے ماحول کو اپنے بچے کے لیے کتنا سازگار بناتے ہیں۔

ماں ایک ایسی ہستی ہے، جس کی محبت، ممتا اس کی آغوش اور شفقت کا کوئی نعم البدل نہیں، یہ بات سچ ہے کہ دنیا کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر لے ماں وہ ہستی ہے، جس کی گود کی گرمی انسان کو ساری پریشانیوں، دکھوں، تکلیفوں اور مصروفیات کو بھلا کر ہلکا پھلکا کر دیتی ہے۔ تخلیق کے عمل سے گزر کر ایک عام سی عورت جب ایک نئی ننھی سی زندگی کو جنم دیتی ہے تو اس لمحے بہت خاص، بہت بلند مرتبہ حاصل کر لیتی ہے۔ ایک "ماں" کا مرتبہ ایک تخلیق کار کا مرتبہ جو اپنی جیتی جاگتی تخلیق دیکھ کر پھولے نہیں سماتی۔ وہ ماں جو درد کی شدت میں موت کی دہلیز کو چھو کر آتی ہے مگر گود میں ہمکتی معصوم کی جان کی کلکاری اس کی ساری تکلیف، ساری اذیت بھلا دیتی ہے اس کے ہونٹوں پر ملکوتی مسکان بکھر جاتی ہے اور وہ مسکان اسے دنیا کی سب سے حسین ترین اور بلند ترین عورت کا درجہ دے دیتی ہے۔ ایک "ماں" کا درجہ جس پر رب کائنات نے بھی اپنی مہر ثبت کر دی اور اس کے قدموں تلے اپنی جنت بھی بچھا دی۔

اقتباس از تحریر: الشاں مراد..... انتخاب: بھوپال بخش، کراچی

Scanned with CamScanner

digest library.com

ہوگی پراتنی پریشانی کیوں؟"

"پلیز عائشہ..... جانوروں کو بھی درد ہوتا ہے، جس طرح انسانوں کو۔ پلیز اپنی سوچ بدلو..... میں تمہاری ہر بات مذاق میں اڑا رہا ہوں مگر تم کسی جانور کی تکلیف کو سمجھ نہیں سکو..... یہ سراسر غلط ہے۔" عمر نے ناشتا چھوڑ دیا اور اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"اچھا..... صبح، صبح مجھ سے بحث نہ کریں۔ گھوڑا بنیں اور تیزی سے کلینک جائیں۔"

"تم مجھے گدھا کہہ لو میں اس میں بھی خوش ہی رہوں گا۔ میں اک ڈاکٹر ہوں عائشہ، جانوروں کا ڈاکٹر پلیز اپنی سوچ کو بدلو۔"

"سوچ بدل ہی رہی ہوں اس لیے تو اس گھر میں ہوں۔" عائشہ نے اک لمبی سانس لے کر بیزاری سے کہا۔

عمر نے پیار سے اس کی طرف دیکھا اور ہنسنے لگا۔

"بندروں کی طرح ہنس رہے ہو۔" وہ ہنستے ہوئے عمر کی طرف دیکھ کر بولی۔ عمر نے قہقہہ لگایا اور اپنا سر پکڑ لیا۔

"اک میری بیوی..... اور اس کے دیے خطاب....."

عائشہ کی بھی ہنسی چھوٹ گئی۔

☆☆☆

"تم ایسا کیوں کر رہی ہو؟ اس سے تمہارے رشتے میں تلخی آجائے گی۔" کرن نے اسے فون پر پیار سے سمجھایا جو اس سے اپنی روٹین کی باتیں شیئر کر رہی تھی۔

"تلخی کیسی..... وہ تو ہنس دیتا ہے۔" عائشہ نے ہنستے، ہنستے بتایا۔

"یار عمر بھائی کا ظرف ہے، اک میرے شوہر ہیں..... میں چھوٹا سا بھی مذاق کر دوں تو عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں۔"

"یار تمہاری تو لو میرج ہے، پروقاص بھائی ایسے کیوں ہو گئے کہ مذاق پر بھی منہ بنا لیتے ہیں۔" عائشہ حیرت سے بولی۔

"یار تمہیں نہیں پتا مرد ذات بہت چالاک ہوتی ہے۔ پوری دنیا انہیں برا بول دے ان کو پروا نہیں مگر بیوی کے منہ سے برائی سن لیں تو برداشت نہیں کرتے، دل میں ضرور بات رکھ لیتے ہیں۔ اس لیے تمہیں سمجھا رہی ہوں کچھ عقل سے کام لو اور عمر بھائی کو روز نیا لقب دینا بند کرو۔"

"اچھا، اچھا فون رکھو، عمر کا فون آرہا ہے۔" عائشہ نے ہنس کر بتایا۔

"اللہ حافظ..... مجھ سے بات کرنا..... شادی کو دوسرا ہفتہ ہو رہا ہے اور تم نے ان کا جینا دوبھر کیا ہوا ہے۔ پیار سے بات کرنا، سمجھ گئی ناں....." کرن نے شریر لہجے میں کہا۔

عائشہ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆☆☆

"مجھ سے گھر کے کام نہیں ہو رہے اس لیے میں نے سکینہ ملازمہ کو کام پر رکھ لیا ہے تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں؟" عائشہ نے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے پوچھا جو لیپ ٹاپ پر کچھ کام کرنے میں مصروف تھا۔

"ہاں تم نے ٹھیک کیا ہے، کچھ اچھا کھانے کو مل جائے گا۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"تمہیں بھی صرف اپنی فکر پڑی ہوئی ہے، میرا کبھی سوچا..... میرے دل میں کیا چل رہا ہے۔"

"اچھا..... آپ کا دل ہے..... اگر ہے تو باہر نکال کر دکھاؤ یقیناً پتھر کا ہوگا۔" وہ کام چھوڑ کر حیرت سے بولا۔

"اچھا میرا دل پتھر کا ہے مگر آپ کا دل..... آپ کا دل.....!"

"عائشہ پلیز اب میرے دل کو کسی جانور کے نام سے منسلک مت کر دینا۔"

"آپ کا دل مینڈک جیسا ہے جو کبھی ادھر اچھلتا ہے تو کبھی ادھر۔" وہ زور، زور سے ہنسنے لگی۔

دروازے پر دستک ہوئی، دونوں چونک گئے اور پھر دونوں کو خیال آیا کہ آج ہی تو انہوں نے گھر پر ملازمہ کو کام پر رکھا ہے۔

"آجاؤ..... سکینہ۔" عائشہ نے اسے کمرے میں بلایا تو اٹھارہ سالہ گندمی رنگت والی لڑکی میک اپ سے لپی پتی چائے کی ٹرالی میں ڈھیر لوازمات کے ساتھ کھڑی تھی۔ پکوڑے، چاٹ، پاستہ دیکھ کر وہ خوش ہو گیا۔

Scanned with CamScanner

"واہ کیا بات ہے، آج تو میڈم نے دعوت کا سماں باندھ دیا۔"

"یہ اتنی ساری چیزیں بنانے کے لیے تم سے کس نے کہا تھا؟" عائشہ ایک دم غصے سے چیخ پڑی۔

سکینہ کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔ اس کے حلق سے آواز نکلتے ہوئے پانچ منٹ لگے۔

"وہ..... وہ میرے بابا نے کہا تھا کہ صاحب جی کا خیال رکھنا، انہیں یہ چیزیں پسند ہیں۔"

"اشرف بابا نے کہا ہوگا، انہیں پتا ہے میری بھوک کا۔" عمر نے ہنستے، ہنستے ماحول کو ٹھیک کرنا مناسب سمجھا کیونکہ سکینہ بری طرح کانپ رہی تھی۔ اشرف بابا، عمر کے ڈرائیور تھے اور کبھی، کبھی اس کے باورچی بھی بن جاتے تھے۔ ایک ہفتے سے وہ عمر کو باہر کے کھانے کھاتا دیکھ کر پریشان تھے پھر اپنی بیٹی سکینہ کو ملازمت کی اجازت دے دی تھی۔

"اچھا آجاؤ..... اور آئندہ مجھ سے پوچھ کر کام کرنا۔" عائشہ نے بھی مزید بحث نہیں کی۔

"جی ٹھیک ہے۔" سکینہ دوپٹا سنبھالتی ٹرالی رکھ کر فوراً کمرے سے باہر نکل گئی۔

"ملازموں کے ساتھ اس طرح سے بات نہیں کرتے میری جان۔" عمر نے پاستا کھاتے ہوئے کہا۔

"اب آپ مجھے سمجھائیں گے کہ مجھے کس سے کس طرح بات کرنی ہوگی؟" عائشہ نے بھی اپنے لیے پاستا نکال لیا اور عمر کی طرف دیکھنے لگی۔

"ہاں میں تمہیں سمجھاؤں گا کیونکہ تم میری بیوی ہو، اس نے یہ سب چیزیں ہمارے لیے بنائی ہیں اور اتنے پیار سے..... اور تم نے اسے ڈانٹ دیا۔ اچھی بات تو نہیں۔"

"اب آپ کوے کی طرح اپنی کائیں، کائیں بند کریں، وہ سن لے گی تو خوش ہو جائے گی کہ آپ مجھے ڈانٹ رہے ہیں۔" عائشہ نے پاستا کھاتے ہوئے کہا۔

"عائشہ پلیز اپنے لہجے کو بدلو۔ میں کتنے دنوں سے تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا کہ تم بات، بات پر کوئی نہ کوئی جانور مجھ سے منسوب کر دیتی ہو۔"

"تو پھر کیا کروں، جانوروں کے ڈاکٹر سے جانوروں کی باتیں نہیں کروں تو کون سی باتیں کروں۔ آپ کو جانور اچھے لگتے ہیں آپ جانوروں کا علاج کرتے ہیں، اگر کسی جانور کو آپ کی ذات سے منسلک کر دیتی ہوں تو آپ کو کیوں غصہ آرہا ہے۔ آپ کو تو پیار آنا چاہیے۔" عائشہ نے بھی دل کی بھڑاس نکال دی۔

"تم بہت بیوقوف ہو..... شاید..... میں تمہیں کبھی سمجھا نہیں سکوں گا۔"

عمر نے کمرا چھوڑنا مناسب سمجھا اور کمرے سے باہر نکل گیا..... عائشہ چائے کے سپ لینے لگی..... اس کے چہرے پر کوئی شرمندگی نہیں تھی۔

☆☆☆

وہ پہلی بار اپنے گھر آئی تھی اور بہت خوش دکھائی دے رہی تھی۔ فرخندہ بیگم نے اسے دیکھ کر سکون کی سانس لی مگر ان کا سکون پل بھر میں ختم ہو گیا..... جب اس نے بتایا کہ عمر ڈنر کرنے نہیں آئے گا۔

"ایسا کیوں..... کل تو وہ خوشی، خوشی کہہ رہا تھا کہ وہ میرے ہاتھ کی بریانی ضرور کھائے گا..... پھر اس نے آنے کا پروگرام کینسل کیوں کر دیا؟" فرخندہ بیگم نے غصے سے پوچھا۔

"آپ کے پاس موبائل ہے اور ان کا نمبر بھی۔ فون کر کے خود ہی پوچھ لیں..... ورنہ گھر پر سکینہ نے ان کے لیے ڈنر تیار کیا ہوگا۔"

"یہ سکینہ کون ہے؟" فرخندہ بیگم نے حیرانی سے پوچھا۔

"سکینہ نئی کام والی، اشرف بابا کی بیٹی ہے جو عمر کے ڈرائیور ہیں۔ انہوں نے خود اپنی بیٹی کو کچھ دنوں کے لیے ہمارے ہاں بھیج دیا ہے کہ میرے ساتھ میرے گھر کے کاموں میں ہاتھ بٹا دے گی۔"

"تمہیں اپنے میاں کو سنبھالنے کے لیے ملازمہ کی ضرورت پڑ گئی۔ اپنے ہاتھ سے کھانا بناؤ، عمر کے دل میں جگہ بناؤ گی..... تم بہت عجیب لڑکی ہو، میری سمجھ سے باہر ہو۔" فرخندہ بیگم غصے سے بولیں۔

"امی، اللہ کے لیے یہ مجھے نصیحتیں کرنا چھوڑ دیں۔ اک طرف آپ مجھے زندگی کے آداب سکھانا چاہتی ہیں

Scanned with CamScanner

digest library.com

اور دوسری طرف عمر..... میں خود بہت سمجھدار ہوں، مجھے اچھے برے کی تمیز ہے۔" اس نے منہ بسور لیا۔

فرخندہ بیگم نے بیٹی کو اکھڑا پایا تو فوراً نرم لہجے میں بولیں۔

"بیٹی میں تمہاری بھلائی کا سوچتی ہوں اچھا سب چھوڑو کھانا شروع کرو میں بھی کن باتوں کو لے کر بیٹھ گئی۔" فرخندہ بیگم نے مزید بات کو طول نہیں دیا اور عائشہ بھی چپ چاپ کھانے میں مشغول ہوگئی مگر فرخندہ بیگم دل ہی دل میں اپنی بیٹی کے لیے دعائیں کرنے لگیں کہ وقت سے پہلے اس کم عقل کو سمجھ آجائے کہیں کوئی بڑا نقصان نہ ہو جائے۔

☆☆☆

کمرے سے ہنسنے کی آواز آرہی تھیں۔ جب وہ لائٹ کھول کر گھر میں داخل ہوئی۔ اس نے پہلے عمر سے کہہ دیا تھا کہ آج رات وہ امی کے گھر ہی رکے گی مگر فرخندہ بیگم نے اسے سمجھا بجھا کر گھر واپس بھیج دیا۔ وہ ماں کے یوں اصرار کرنے پر شاکڈ تھی مگر اب ہنسنے کی آوازیں سن کر پریشان ہو رہی تھی۔ اس نے دروازے کی جھری سے جھانک کر دیکھا..... عمر اور سکینہ ایک دوسرے کے سامنے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے بیٹھے ہوئے تھے۔

"یہ..... یہ..... میں کیا دیکھ رہی ہوں..... سکینہ..... سکینہ اور عمر!" اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ زبان خشک ہوگئی..... وہ بت بنی کھڑی رہ گئی۔

"سکینہ میں نہیں جانتا تھا کہ تم مجھ سے محبت کرتی تھیں ورنہ میں عائشہ کی جگہ تم سے شادی کر لیتا۔ تم صرف اپنی غربت کی وجہ سے کبھی مجھ سے کہہ نہ پائیں کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو۔ میرے نزدیک امیری، غریبی کی کوئی دیوار نہیں۔ کاش میں عائشہ سے شادی نہ کرتا۔"

"میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں صاحب جی..... اور عزت کرتے، کرتے مجھے آپ سے کب محبت ہوگئی..... میں سمجھ نہیں پائی۔" سکینہ نے محبت کے ساتھ اپنا سر عمر کے کندھے پر رکھ دیا۔ عائشہ کے تو تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ وہ آگے بڑھ کر چیخ کر بول اٹھی۔

"سکینہ شرم کرو..... تم میرے شوہر کو میری ہی آنکھوں کے سامنے اپنا بنا رہی ہو۔" وہ اس کی طرف بڑھی اور ایک زور کا طمانچہ اس کے منہ پر دے مارا۔ سکینہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے وہ ڈر گئی۔ یوں عائشہ کی اچانک آمد..... اس سے پہلے کہ مزید وہ سکینہ کا برا حال کرتی عمر نے اپنے مضبوط ہاتھوں سے اس کو جکڑ لیا اور غصے سے اسے کمرے سے باہر گھسیٹنے لگا۔

"میں اس کی جان لے لوں گی۔" وہ چیخ رہی تھی۔ "میں اس کو زندہ نہیں چھوڑوں گی..... میں اس کی جان لے لوں گی....." مگر کس کی جان نکلنے والی تھی اس کو پتا نہیں تھا عمر نے اسے کمرے سے باہر دھکیل دیا اور کمرے کا دروازہ اس کے سامنے بند کرنے لگا۔

"یہ، یہ آپ کیا کر رہے ہیں..... آپ ہوش میں تو ہیں؟"

"ہاں..... میں ہوش میں ہوں..... اور اب ہوش میں آگیا ہوں جس محبت کا میں خنجر تھا وہ میرے پاس آگئی ہے اور میں اسے اب خود سے جدا نہیں کروں گا۔ تمہاری نفرت نے مجھے اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے اور میں مزید ٹوٹنا نہیں چاہتا..... تم چلی جاؤ..... میری زندگی سے دور..... نہ تو تم میری عزت کرتی ہو اور نہ ہی میرے پیار کی قدر کی..... تمہیں انسان کی محبت کی قدر نہیں تو جانوروں کا کیا احساس ہوگا..... تم اپنے گھر واپس چلی جاؤ..... دفعہ ہو جاؤ میری زندگی سے۔ میں نے تین ماہ تمہیں بحالت مجبوری برداشت کیا۔"

"نہیں عمر..... نہیں..... پلیز اللہ کے لیے مجھے معاف کر دو..... پلیز، پلیز اس چڑیل کو یہاں سے نکالو۔"

"خبردار تم نے سکینہ کو چڑیل کہا..... چڑیل تو تم تھیں جو میرے ارمانوں کو کھا گئیں اور اب بس مزید تمہیں اپنے ارمانوں کو آگ لگانے نہیں دوں گا..... آج..... آج..... میں سچ مچ کا جانور بن گیا ہوں..... اور تم نے ہی مجھے جانور بنایا ہے۔ ہاں، تمہاری بے وفائی نے مجھے جانور بنایا ہے..... وہ جو صرف پیار کی زبان سمجھتا ہے..... طنز و طعنے کی نہیں۔"

عائشہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

✿✿✿

Scanned with CamScanner

صبح کا بھولا

سلمیٰ غزل

آج اس کا تھکن سے برا حال تھا۔ پریکٹیکل کچھ زیادہ ہی لمبا ہو گیا تھا۔ لڑکیاں تھیوری تو اٹینڈ کر لیتی تھیں لیکن پریکٹیکل آخر میں ہوتا تھا تو کلاس سے غائب ہو جاتی تھیں اس لیے عموماً پریکٹیکل اب شروع ہونے لگا تھا۔ منال آخری کلاس لیتے، لیتے کافی تھک گئی تھی اور ارادہ کر لیا تھا کہ گھر جا کر دعا کو سلا کر خود بھی سو جائے گی۔ گیٹ کا آہنی دروازہ چابی سے کھول کر وہ اندر آئی تو چونک گئی۔ کوئی دروازے کی طرف پشت

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

digest library.com

کیے کھڑا تھا اسے غصہ آنے لگا پتا نہیں اماں کو کیا ہو گیا ہے ہر ایرے غیرے کو اندر بلا لیتی ہیں۔ وہ آگے بڑھی تو نووارد آہٹ سن کر گھوم گیا اور منال سناٹے میں آ گئی یہ حاشر تھا اس کا شوہر..... دونوں کے درمیان جان لیوا سناٹا تھا جیسے ایک دوسرے کو جانتے ہی نہ ہوں پھر حاشر نے ہی پہل کی۔

"منال" اس نے آہستہ سے پکارا عرصہ تین سال بعد یہ آواز اس کے کانوں میں تیر کی طرح چبھی۔ اس کا دل چاہا دھاڑیں مار، مار کر روئے لیکن اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے تلخی سے پوچھا۔

"کیوں آئے ہیں؟" اس نے اجنبیت سے کہا۔

"کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم سکون سے بیٹھ کر بات کر لیں؟" وہ ندامت سے گویا ہوا۔

"سکون ....." منال کی ہنسی استہزائیہ تھی۔

"میرے اور آپ کے درمیان اب سکون نام کی کوئی چیز ہے؟ تشریف لے جائیں، مجھے اجنبیوں سے بات کرنے کا کوئی شوق نہیں....." اس نے قدم آگے بڑھائے تو وہ راستے میں حائل ہو گیا۔

"پلیز سن تو لو..... کیا ماضی بھلا کر تم مجھے معاف نہیں کر سکتیں؟ میں اپنے کیے پر شرمندہ ہوں....." وہ بری طرح گڑگڑایا۔

"آپ کی معافی یا ندامت میرے زخموں کا مرہم نہیں بن سکتی، نہ گزرا ہوا وقت لوٹا سکتی ہے۔ میں نے آپ کے بغیر جینا سیکھ لیا ہے۔ محلے میں میری عزت اور بھرم ہے اسے قائم رہنے دیں اور فوراً تشریف لے جائیں۔" اس نے حاشر کو باہر کا راستہ دکھایا اور گیٹ بند کر کے کمرے میں آ گئی۔ امی شاید اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھیں اس لیے دعا کو ساتھ لے کر سو گئیں ورنہ عموماً جب تک وہ گھر نہ آ جاتی وہ اس کے انتظار میں رہتی تھیں وہ کھانا کھائے بغیر اپنے کمرے میں آ گئی اور پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔ ماضی اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگا جسے وہ اب بھلانا چاہتی تھی۔

منال بڑے دو بھائیوں کی اکلوتی چھوٹی بہن تھی باپ کا انتقال تو اس کے بچپن میں ہی ہو گیا تھا مگر بھائیوں نے اسے کبھی باپ کی کمی محسوس نہیں ہونے دی بلکہ ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھا اکثر ان کے بے جا لاڈ پیار پر امی کو غصہ آ جاتا۔

"اتنا دماغ خراب مت کرو، شادی کے بعد کیا کرے گی۔ یہ ناز نخرے صرف میکے ہی تک محدود ہوتے ہیں سسرال جاتے ہی آٹے، دال کا بھاؤ پتا چل جائے گا۔"

"آٹے، دال کے بھاؤ کی ضرورت ہی کیا ہے ہم بہنوئی کو رخصت کر کے..... اپنے گھر لے آئیں گے پھر آٹے دال کی فکر کرنے کو آپ ہیں ناں....." وہ شرارت سے کہتے اور امی کو ہنسی آ جاتی۔

منال MSC کے فائنل میں تھی اور رشتوں کی لائن لگ گئی تھی۔ صورت و سیرت دونوں میں بے مثال اور متمول کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق تھا مگر بھائیوں کے معیار پر کوئی رشتہ پورا نہیں اتر رہا تھا حالانکہ دونوں کا ہی اسکالرشپ پر بیرون ملک ایڈمشن ہو گیا تھا ابھی ٹائم تھا اور وہ بہن کی وجہ سے پریشان تھے۔ اس دن منال اپنی دوست کے ہمراہ اس کی امی کو دیکھنے اسپتال چلی گئی جہاں اس نے پہلی مرتبہ حاشر کو سیمی پرائیویٹ روم میں مریضوں کو اٹینڈ کرتے دیکھا۔ اس کی دوست ماں کی رپورٹس لینے گئی ہوئی تھی سفید کوٹ گلے میں اسٹیتھ اسکوپ ... ڈالے ہر مریض کے پاس جا کر حال پوچھتا ساتھ چلتی نرس سے رپورٹ لیتا اور آگے بڑھ جاتا۔

دوست کی امی کے بیڈ کے نزدیک آیا تو منال غیر ارادی طور پر اسے دیکھنے لگی۔ گمبھیر شخصیت، لمبا قد، پُرکشش چہرہ اور دل نشین لب و لہجہ..... اس کی نگاہوں کے ارتکاز پر وہ سر اٹھا کر شوخی سے بولا۔

"اگر آپ میرا اچھی طرح جائزہ لے چکی ہوں تو اپنی امی کے بارے میں کچھ بتانا پسند کریں گی.....؟"

اس کی بات سن کر منال پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اسی دوران اس کی دوست آ گئی اور اپنی امی کے بارے میں بتانے لگی۔ منال کے لیے وہاں ٹھہرنا مشکل ہو رہا تھا

Scanned with CamScanner

اس لیے وہ خاموشی سے باہر آ گئی۔ یہ وہ پہلا شخص تھا جس سے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکی تھی۔ اسے احساس ہوا کہ بھائیوں کی محبت کے علاوہ کوئی اور چاہت بھی ہوتی ہے جس سے وہ آج تک نا آشنا تھی۔ گھر آ کر بھی وہ کئی دن تک کھوئی، کھوئی رہی پتا نہیں اس ڈاکٹر کی شخصیت میں کیسا سحر تھا کہ وہ اس سے آزاد نہیں ہو پا رہی تھی اور جب مایوسی انتہا پر پہنچی تو وہ ایک دن بھائی کے ساتھ گیٹ پر مل گیا۔

''یہ میری چھوٹی بہن منال MSC فائنل کی اسٹوڈنٹ اور یہ ڈاکٹر حاشر اسکول فرینڈ مگر برسوں بعد اب ملاقات ہوئی ہے۔'' اور پھر گاہے بگاہے حاشر کا گھر آنا جانا لگا رہا۔ دو برس پہلے ایک حادثے میں اس کے والدین ملک عدم سدھار گئے تھے۔ منال کے جذبات میں آگ لگی ہوئی تھی۔ مگر وہ کسی سے کہنے سے قاصر تھی اور پھر پتا نہیں کس طرح اس کی دعائیں مستجاب ہو گئیں اور حاشر کا اس کے لیے رشتہ آ گیا۔ امی معترض کہ چھڑا چھانٹ آگے پیچھے کوئی نہیں مگر بھائیوں کو اس کی پسند کا اندازہ تھا اور حاشر نے یہ شرط بھی مان لی کہ وہ بھائیوں کے جانے کے بعد اسی گھر میں رہے گا۔ چٹ منگنی پٹ بیاہ کے مصداق دونوں کی شادی ہو گئی اور دونوں بھائی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے باہر چلے گئے۔ دونوں بہت خوش تھے پھر اماں خوش کیوں نہ ہوتیں۔ حاشر کی مضبوط بانہوں میں منال کو بے حد سکون ملتا اور اس کے جوڑے سینے پر سر رکھ کر وہ عجیب سی راحت محسوس کرتی۔ حاشر کی آنکھوں میں اتنا پیار، باتوں میں اتنا خلوص اور بے پناہ محبت ہوتی کہ منال خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی سمجھتی تھی، منال کو لگتا کہ حاشر اس کی کسی نیکی کا صلہ ہے۔ اس کا ایم ایس سی بھی مکمل ہو چکا تھا مگر حاشر کو اس کا ملازمت کرنا پسند نہیں تھا پھر امی نے سمجھایا۔

''جب زندگی میں اتنا سکون ہو تو پھر نوکری کا جھنجٹ کیوں پالتی ہو۔''

☆☆☆

زندگی میں ہر طرف خوشیوں کے رنگ تھے اور وہ ہنستی مسکراتی حاشر کا ہاتھ تھامے زندگی کی پگڈنڈیوں پر بگٹٹ دوڑ رہی تھی، کبھی، کبھی اسے حاشر کی وہ بات بھی یاد آ جاتی جب شادی کی پہلی رات اس نے اسے دل کی گہرائیوں سے سراہتے ہوئے کہا تھا۔

''یار پتا نہیں تم نے مجھ پر کیا جادو کیا کہ میں پہلی ہی نظر میں گھائل ہو گیا ورنہ میرا ارادہ کسی ڈاکٹر سے شادی کرنے کا تھا۔ میاں، بیوی ہم پیشہ ہوں تو زندگی سہل ہو جاتی ہے مگر اس دل کا کیا کروں۔ اس دن تمہیں گیٹ پر دیکھا پھر چراغوں میں روشنی نہ رہی اور میں چاروں خانے چت ہو گیا.....'' دعا نے تو جیسے ان کی زندگی میں آ کر خوشیوں کو چار چاند لگا دیے۔ حاشر تو جیسے بیٹی کا دیوانہ تھا اس دن اچانک امی کی کئی طبیعت خراب ہو گئی۔ ان کا بلڈ پریشر ہائی ہو گیا تھا اس نے گھبرا کر حاشر کو فون کیا لیکن اس کی لینڈ لائن اور موبائل مسلسل بند جا رہا تھا۔ منال نے دعا کو پرانی ماسی کے حوالے کیا اور گاڑی میں امی کو لے کر فوراً اسپتال پہنچ گئی۔ غنیمت تھا دونوں بھائیوں نے گاڑی کا تحفہ اس کی شادی پر دیا تھا ڈرائیونگ اس نے فوراً سیکھ لی تھی جو اس وقت بہت کام آئی۔ سب کو معلوم تھا وہ ڈاکٹر حاشر کی بیوی ہے اس لیے اس کی امی کو ہاتھوں ہاتھ لیا گیا تھا۔ حاشر کی گورنمنٹ جاب کا یہ فائدہ تو تھا ویسے بھی ماں، باپ کی طرف سے اسے ورثے میں خوب صورت مکان کے علاوہ کثیر جائداد بھی ملی تھی۔ وہ حاشر کے روم میں آ گئی جہاں وہ کسی لیڈی ڈاکٹر سے محو گفتگو تھا منال کو دیکھ کر وہ چونک گیا۔

''خیریت... یہاں اس وقت.....؟''

''امی کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی انہی کو لے کر آئی ہوں... آپ کو مسلسل فون کر رہی تھی مگر وہ بند تھا.....'' منال نے سادگی سے کہا۔

''منال یہ ڈاکٹر لیلیٰ ہیں امریکا سے آئی ہیں میرے ساتھ کام کرتی ہیں اور یہ میری سسٹر منال.....'' حاشر نے دونوں کا تعارف کرایا تو اسے خجالت سی محسوس

Scanned with CamScanner

digest library.com

ہونے لگی اسمارٹ، خوب صورت اور جامہ زیب لباس میں لیہا کے سامنے اس کی اپنی شخصیت دب سی گئی تھی۔ وہ جلدی میں گھر میں جس حال میں تھی اسی میں اٹھ کر آ گئی تھی۔

☆☆☆

آج کل حاشر کے ڈیوٹی آورز بہت بڑھ گئے تھے اور گھر میں دلچسپی بھی کم ہو گئی تھی، منال کی چھٹی حس اسے کسی انہونی کا احساس دلا رہی تھی اسے لگ رہا تھا جیسے حاشر کا ہاتھ اس کی گرفت سے پھسلتا جا رہا ہو۔ آخر ایک دن حاشر سے پوچھ ہی بیٹھی۔

"آخر ایسی کیا مصروفیت ہے حاشر کہ آپ نہ گھر کو ٹائم دے رہے ہیں، نہ آپ کے پاس دعا کے لیے وقت ہوتا ہے۔"

"ہاں تو تمہارے گھٹنے سے تو اب لگ کر بیٹھنے سے رہا، ڈاکٹر ہوں سو کام ہوتے ہیں....." اس نے جھنجلا کر جواب دیا تو منال نے اس کی آنکھوں میں جھانکا جہاں محبت کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی جگہ بیزاری اور سرد مہری تھی۔

"ڈاکٹر تو آپ پہلے بھی تھے مگر گھر، دعا اور مجھے ٹائم دیتے تھے، آخر بات کیا ہے؟" وہ دکھ سے بولی۔

"پاگل ہو تم..... ساری زندگی مجنوں بن کر تو نہیں رہ سکتا۔ تم بھی اب پریکٹیکل ہو جاؤ....." وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

"آپ روزانہ دیر سے آتے ہیں، دعا سو جاتی ہے اور میں انتظار کرتی رہتی ہوں آپ کے ساتھ کھانے کے لیے۔"

"ہاں تو مت کیا کرو انتظار..... کھانا کھا لیا کرو تم تو گھر میں عیش سے رہتی ہو مردوں کو سو کام ہوتے ہیں۔" وہ غصے سے چلایا تو منال حیران ہو گئی کہ اس نے ایسا کیا کہہ دیا تھا جو حاشر آپے سے باہر ہو گیا پھر یہ روز کا معمول ہو گیا تھا۔ منال کے اندیشے غلط نہیں تھے حاشر بڑی تیزی سے لیہا کی طرف بڑھ رہا تھا اور یہ خبر اس نرس نے دی تھی جس کی منال گاہے بگاہے مدد کرتی رہتی تھی پھر بھی منال کو یقین نہیں آ رہا تھا اب تو امی کو بھی حاشر کے خشک اور بیگانہ رویے کا احساس ہونے لگا تھا مگر منال نے امی کو سختی سے منع کیا تھا کہ بھائیوں کو کچھ نہ بتایا جائے۔

☆☆☆

اکثر حاشر، لیہا کے ساتھ ڈیوٹی کے بعد گھومنے پھرنے نکل جاتا..... نئی تہذیب کی دلدادہ اور فیشن پرست لیہا خوب صورت ہونے کے ساتھ، ساتھ شوخ اور بے باک بھی تھی اور اس کی انہی اداؤں کے جال میں حاشر اس طرح پھنس گیا تھا کہ نہ اس کو منال کی محبت یاد تھی نہ معصوم بچی۔ اس کی نگاہوں کا مرکز اب صرف لیہا تھی۔ آخر ایک دن منال کا ضبط جواب دے گیا اور حاشر سے دیر سے آنے پر شکایت کر بیٹھی اور یوں لگا جیسے بارود کو ماچس لگا دی ہو وہ غصے سے دھاڑا۔

"تم کیا چاہتی ہو کام چھوڑ کر گھر بیٹھ جاؤں....."

مگر یہ کون سا ایسا کام ہے جو آپ کو بیوی نظر آتی ہے نہ بچی کی فکر ہے۔"

"تم اور تمہاری امی ہوتاں فکر کے لیے..... پھر سب کچھ تو ہے تمہارے پاس نوکر چاکر گاڑی پیسے کی بھی کمی نہیں، میں نے کبھی کسی کام سے روکا ٹوکا ہے....." وہ جھنجلا کر بولا۔

"مجھے ان آسائشوں کی نہیں آپ کی محبت اور قربت کی ضرورت ہے۔" منال کی آواز بھرا گئی۔

"دیکھو منال، یہ چونچلے شادی کے شروع دنوں میں ہی اچھے لگتے ہیں، اب رومانیت سے نکل کر سنجیدہ ہو جاؤ تم کوئی الہڑ دوشیزہ نہیں، ایک بچی کی ماں ہو....." وہ تلملا کر بولا۔

"آپ کو اپنی بچی دعا کا تو خیال رکھنا چاہیے۔" وہ آنسو ضبط کرتے ہوئے نرمی سے بولی۔

"اب کچھ نہیں سوجھا تو بچی کو بیچ میں لے آئیں، میں نے کہا تھا بچی پیدا کرو۔ تمہیں شوق تھا اب بھگتو مگر مجھ سے کوئی توقع مت رکھنا۔" وہ میز کو ٹھوکر مارتے ہوئے تن فن کرتا باہر نکل گیا۔ امی جو شور سن کر اندر آ گئی

Scanned with CamScanner

تھیں بے قراری کے ساتھ اس کو چپ کراتے، کراتے خود بھی رونے لگیں۔

☆☆☆

اور پھر ایک دن بلی تھیلے سے باہر آ گئی۔

"منال میں دوسری شادی کر رہا ہوں، مجھے تمہاری اجازت کی ضرورت ہے مگر تمہارا مقام وہی رہے گا۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

"میری اجازت اور میرا مقام....." اس کی ہنسی درد میں ڈوبی ہوئی تھی۔ "میری طرف سے اجازت ہی اجازت ہے ایک کہاوت ہے جو نہ مانے اپنے آپ سے وہ کیا مانے اپنے باپ سے..... تو حاشر صاحب میری طرف سے آپ ایک چھوڑ دس شادیاں کریں، میں ابھی لکھ کر دے رہی ہوں لیکن ابھی اور اسی وقت آپ اپنا سامان اٹھائیں اور چلتے پھرتے نظر آئیں کیونکہ اب میں ایک منٹ کے لیے بھی آپ کا وجود اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتی....." حاشر کو گھر سے نکال کر وہ ماں کے گلے لگ کر پھوٹ، پھوٹ کر رونے لگی۔

"اماں مجھے اس گھر میں نہیں رہنا جہاں اس بے وفا کی یادیں بکھری ہوں۔" دونوں بھائیوں نے سنا تو فوراً پاکستان آ گئے اور منال کے منع کرنے پر حاشر سے رابطہ کیے بغیر گھر کرایے پر چڑھا دیا اور دونوں کے لیے ایک چھوٹا بنگلا ڈیفنس میں خرید کر وہاں شفٹ کر دیا معصوم دعا کو پتا ہی نہیں تھا کہ کس طرح وہ باپ کے ہوتے ہوئے بھی یتیموں کی طرح پرورش پائے گی۔ وقت کا کام ہی گزرنا ہے جو کسی طرح گزر ہی جاتا ہے۔ منال نے وقت ضائع کیے بغیر کمیشن کا امتحان پاس کیا اور ایک کالج میں اسے ملازمت مل گئی۔ گھر آ کر دعا کو گود میں لیتی تو لگتا گھنی دھوپ سے درخت کی گھنی چھاؤں میں آ گئی ہو اب دعا بھی ڈے کیئر جانے لگی تھی اور اماں اٹھتے بیٹھتے حاشر کو... بددعائیں دیتیں مگر منال ان کو بھی سمجھاتی۔

"اللہ پر چھوڑ دیں وہی بہترین منصف ہے۔"

انی کی خواہش تھی کہ وہ حاشر سے طلاق لے کر دوسری شادی کر لے مگر وہ ایک شادی کر کے توبہ کر چکی تھی تو دوسری کا تو سوچنا بھی سوہان روح تھا پھر اس کی زندگی

ملال

تم
چاہے خود کو
کتنا بھی بدل ڈالو
ملال کے موسم
وہی رہتے ہیں جاناں

کاوش: عنیزہ، کراچی

غزل

بے رنگ زندگی میں رعنائی چاہتا ہے
یہ دل ترے مقابل پسپائی چاہتا ہے
ملنے سے اس کو وحشت اور گفتگو سے الجھن
محفل سے دل گریزاں، تنہائی چاہتا ہے
غیروں سے بڑھ کر ہمدم مجھ کو بھی تو سراہو
ہر گن چمن کا ہر گل زیبائی چاہتا ہے
میری محبتوں کا یوں امتحاں لیا ہے
جیسے کوئی دوانہ دانائی چاہتا ہے
جو اس نے کہہ دیا ہے پورا کریں گے ہم بھی
اپنے کہے کی اب وہ شنوائی چاہتا ہے

کاوش: شگفتہ شفیق، کراچی

کی واحد خوشی دعا تھی جو مسرت بن کر اس کے ارگرد میں دوڑ رہی تھی یوں تو کئی لوگوں نے دستِ سوال دراز کیا خوب صورت، صاحب جائداد اور برسرِ روزگار بھی مگر اس کی نہ ہاں میں نہیں بدلی۔

کالج میں پروفیسر حامد سب سے زیادہ اس کا خیال رکھتے تھے اور اسی جیسے حالات کا شکار تھے۔ جن کی بیگم ایک بیٹے کو جنم دیتے ہوئے داغِ مفارقت دے گئی تھیں جو اب دس سال کا تھا۔ پروفیسر حامد نے ماں اور باپ دونوں بن کر بیٹے کی پرورش کی تھی پورا اسٹاف اس کا گواہ تھا خواتین کے علاوہ یہاں مرد حضرات بھی تھے جن کی دلی خواہش تھی کہ منال خلع لے کر پروفیسر حامد سے شادی کر لے کیونکہ دونوں ہی ایک کشتی کے سوار تھے لیکن پروفیسر حامد نے بھی منال سے ایسی کسی

Scanned with CamScanner

digest library.com

خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا پھر بھی مسئلہ بن پڑے تو سوراخ ہو ہی جاتا ہے وہ ابھی جوان تھی اور فطری خواہشات اور چاہے جانے کی تمنا کبھی، کبھی اسے پوری رات بے چین رکھتی تھی۔ اماں اور بھائیوں کے سمجھانے پر وہ خود کو قائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی کیونکہ نہ تو حاشر نے کبھی پلٹ کر اس کی خبر لی نہ دعا سے ملنے کی کوشش کی۔

☆☆☆

اتوار کی چھٹی عموماً پورے ہفتے کے جمع کاموں میں گزرتی تھی اور آرام کا بھی یہی دن ہوتا تھا دوپہر کو گھنٹی بجی تو وہ چونک اٹھی۔ امی اور دعا سو چکی تھیں اس نے دروازہ کھولا تو حاشر موجود تھا۔

"یوں اور کس لیے آئے ہیں؟" اس نے [illegible] حاشر کی محبت میں پاگل نہیں تھی۔

"کیا ہم اندر بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں؟" حاشر کے لہجے میں بیچارگی تھی۔ ستا ہوا چہرہ، بکھرے بال جیسے زندگی سے تھک گیا ہو۔

"ہرگز نہیں۔" منال دروازہ بند کرنے لگی تو اس نے پاؤں پھنسا دیا۔

"اتنی سنگدل اور کٹھور نہ بنو منال....." وہ بری طرح گڑگڑایا۔

"تم آج بڑے بے بس اور مجبور نظر آ رہے ہو..... یا لیما نے گھر سے نکال دیا؟"

"اپنی غلطیوں پر شرمندہ ہوں اور معافی مانگنے آیا ہوں....." وہ بے بسی سے بولا۔ "خدا کے لیے میرا نہیں تو دعا کا ہی خیال کر لو....."

"تم نے خیال کیا تھا؟ مرد ہو اپنی بات زور و دبدبے سے منوانے والے مسٹر حاشر..... اب ہم تمہارے بغیر رہنے کے عادی ہو چکے ہیں، آپ سمجھتے تھے کہ عورت میں سماج اور معاشرے کی نادیدہ زنجیروں کے سامنے سر اٹھا کر جینے کی طاقت نہیں ہوتی یا پھر آپ کا خیال تھا کہ مرد کے سہارے کے بغیر عورت زندہ نہیں رہ سکتی لیکن شکر الحمدللہ میں زندہ بھی ہوں اور اپنے پیروں پر بھی کھڑی ہوں بہتر ہوگا کہ آپ ہم دونوں کا خیال دل سے نکال دیں۔" اس نے بے رخی سے کہتے ہوئے دروازہ بند کیا اور اندر آ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ امی اس کی آواز سن کر کمرے میں آ گئیں اور اس کو سمجھانے لگیں۔

"دیکھو بیٹا! یہ زندگی تمہاری ہے اور فیصلہ بھی تمہارا ہی ہوگا..... لیکن پھر بھی میں یہی کہوں گی کہ صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آ جائے تو....."

"بس امی یہ محاورہ بہت پرانا ہو چکا..... آپ بھول سکتی ہیں مگر میں اس کی بے وفائی نہیں بھول سکتی۔" وہ تلخی سے بولی۔

"بیٹا! تمہاری غیر موجودگی میں وہ ایک دو مرتبہ آیا ہے اور میں نے اس کی آنکھوں میں ندامت اور شرمندگی دیکھی ہے پچھتاوا اس کے چہرے پر لکھا ہے اللہ تو ہمارے بڑے سے بڑے گناہ معاف کر دیتا ہے اور ہم انسان اتنے کم ظرف ہیں کہ کسی کی معافی تلافی ہم پر کوئی اثر ہی نہیں کرتی تم دعا کا سوچو وہ اس کا سگا باپ ہے کیا کوئی اور دعا سے اتنا پیار کر سکتا ہے۔"

☆☆☆

وہ منال کو مناتے، مناتے اب تھکنے لگا تھا مگر ماں کے سمجھانے پر منال نے اسے دعا سے ملنے کی اجازت دے دی تھی۔ اس کو اپنی کوتاہیوں کا احساس تھا۔ یہ تین سال بوڑھی ماں اور بچی کے ساتھ منال نے کیسے گزارے ہوں گے۔ اسے اپنے وجود سے کراہیت محسوس ہونے لگتی۔ شاید لیما کی اداؤں اور حسن نے اسے پاگل کر دیا تھا پھر اس کا ڈاکٹر ہونا سونے پر سہاگا ورنہ منال تو اس سے بے پناہ محبت کرتی تھی، بے حد سگھڑ، جان چھڑکنے والی جس نے گھر کو جنت کا نمونہ بنا دیا تھا پھر دعا نے زندگی کی تکمیل کر دی تھی۔ مگر لیما نے اس کی زندگی میں کیا دیا تھا، اضطراب، بے چینی، روز روز کے جھگڑے اور آخر میں بے وفائی.....

حاشر کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ وہ ایک خاص مقصد اور پلاننگ کے تحت اس کی زندگی میں شامل ہوئی ہے دونوں کے درمیان فاصلے جلدی سمٹنے لگے۔ لیما کو "نشانہ" کا فن بھی آتا تھا اور اداؤں کے تیر چلانے بھی، وہ

Scanned with CamScanner

digest library.com

طرح دار اور خوب صورت تھی۔ وہ اسپتال سے نکل کر گھنٹوں گھومتے۔ حاشر کے پاس بیوی اور بچی کے بارے میں سوچنے کا وقت ہی نہیں بچتا اور اب تو اسپتال میں بھی چہ مگوئیاں ہونے لگی تھیں۔ حاشر کے مخلص دوستوں نے اسے بارہا سمجھایا۔ منال کی وفاؤں اور دعا کی معصومیت کا احساس دلایا مگر اس کی آنکھوں پر لیہا کے حسن کی پٹی بندھ چکی تھی پھر اس کی بیوی کو ڈاکٹر کے روپ میں دیکھنے کی خواہش بھی سب پر حاوی ہوگئی تھی۔ اس نے بھاگ دوڑ کر کے دونوں کا ٹرانسفر دور دراز اسپتال میں کرالیا کیونکہ لیہا سے شادی کا خواب پورا ہوگیا تھا اور دونوں بہت خوش تھے پھر وہ ہوگیا جس کا حاشر نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔

ایک دن صبح وہ سو کر اٹھا تو فلیٹ بھائیں، بھائیں کر رہا تھا۔ یہ لگژری فلیٹ اس نے لیہا کی خواہش پر ہی خریدا تھا البتہ اس کے سرہانے ایک خط ضرور رکھا تھا جسے پڑھ کر حاشر کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔

"حاشر مجھے افسوس ہے کہ میری وجہ سے تمہاری بیوی اور بچی کو تکلیف پہنچی مگر تم سے مجھے نہ کوئی ہمدردی ہے نہ افسوس..... تم جیسا احمق، بے وفا اور کاٹھ کا الو اس سے زیادہ سزا کا مستحق ہے جس نے اپنی پاکباز بیوی اور بچی کا بھی خیال نہیں کیا۔ ان دونوں کے لیے میں دکھی ہوں۔ میں اور میرے شوہر امریکن سٹیزن ہیں اور ہم دونوں کی یہ پسند کی شادی تھی جو اب عشق میں بدل گئی تھی مگر ایک دن غصے میں آکر انہوں نے مجھے طلاق دے دی اور بہت پچھتائے۔ اسی لیے اللہ نے غصے کو حرام قرار دیا ہے۔ ہم دونوں ہی بہت پشیمان ہوئے کیونکہ غلطی میری بھی تھی اور ایک دوسرے کے بغیر رہ بھی نہیں سکتے تھے جو حلالہ کے بغیر ممکن نہیں تھا۔ یہ زہر کا گھونٹ مجھے ہی پینا تھا عدت کے بعد میں پاکستان آگئی کہ شاید یہ مسئلہ آسانی سے حل ہو جائے اور پھر تم جیسا احمق، مطلبی، خودغرض، موقع پرست اور دھوکے باز شخص آسانی سے میرے حسن کے جال میں پھنس گیا۔ میں واپس جا رہی ہوں اور وہاں سے خلع کا نوٹس بھیج دوں گی۔ جانتی ہوں حلالہ اس طرح نہیں ہوتا اللہ کے ساتھ تمہاری بیوی کی بھی گنہگار ہوں۔ مجھے یقین ہے وہ خدا ہے انسان نہیں جو انسان کی بڑی سے بڑی غلطی بھی معاف کر دیتا ہے۔ مجھے طلاق دے کر اپنی بیوی کے پاس لوٹ جانا کیونکہ عورت کا دل اور ظرف دونوں ہی بڑے ہوتے ہیں وہ اپنی بیٹی کی خاطر یقیناً تمہیں معاف کر دے گی حالانکہ تم اس قابل نہیں ہو۔ ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا....." اس کے آگے بھی بہت کچھ لکھا تھا مگر حاشر میں پڑھنے کی ہمت نہیں تھی وہ سامنے آجاتی تو شاید وہ اس کو شوٹ ہی کر دیتا۔

☆☆☆

اس نے دیے گئے پتے پر لیہا کو طلاق نامہ بھیجا اور تبھی سے منال کی تلاش میں لگ گیا۔ پھر اس نے امریکا میں منال کے دونوں بھائیوں سے رجوع کیا۔ گڑگڑایا، رویا اور معافی مانگی مگر انہوں نے اس شرط پر ایڈریس دیا کہ "زندگی منال کی ہے فیصلہ بھی اسی کا ہوگا تم کس طرح اس کو مناتے ہو یہ تمہاری صلاحیتوں پر منحصر ہے۔" اس طرح وہ منال تک پہنچ گیا ماں کو بھی منا لیا مگر منال اپنی جگہ چٹان کی طرح جمی ہوئی تھی وہ اس کی شکل دیکھنے کی روادار نہیں تھی مگر ماں کے سمجھانے پر اس نے دعا سے ملنے کی اجازت دے دی تھی یہ اس کا شرعی حق تھا اور یہ خون کا اثر تھا کہ دعا اس سے بے حد مانوس ہوگئی تھی عموماً وہ منال کی غیر موجودگی میں ہی آتا تھا مگر ایک دن وہ جلدی آگئی تو دعا کی اس کے ساتھ والہانہ محبت دیکھ کر پھٹ پڑی۔

"کیوں میری بچی پر قبضہ جمانا چاہتے ہو کیوں اس کو مجھ سے دور کرنا چاہتے ہو۔ پہلے ماں کو بیوقوف بنایا اور اب بیٹی کو نا رہے ہو....." وہ روتے ہوئے اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑی ہوگئی۔

"تم خدا کے لیے ہم دونوں کی زندگی سے دور چلے جاؤ میری بیٹی میرے جینے کا سہارا ہے یہ مجھ سے مت چھینو، وہ محبت اور رشتوں کی تڑپ ہوئی ہے تمہارے قریب ہوگئی تو تمہاری جدائی اسے نفسیاتی مریض بنا دے گی۔" وہ منال کی بات سن کر تڑپ اٹھا اور گڑگڑا کر بولا۔

"مانا میرا جرم ناقابل معافی ہے مگر میری محبت

Scanned with CamScanner

اور خلوص پر شک مت کرو میں تو خود اپنی نظروں میں گر چکا ہوں بس تھوڑا صبر کرلو دعا کو اس کا حق دے کر میں تمہاری دنیا سے بہت دور چلا جاؤں گا.....'' اس کے جانے کے بعد اماں اسے سمجھانے بیٹھ گئیں۔

''دیکھو بیٹا! میں یہ نہیں کہتی کہ تمہارا غصہ بے جا ہے مگر دعا کا تو سوچو خون کی کشش اسے باپ کی طرف کھینچ رہی ہے مگر جب اسے حقیقت معلوم ہوگی تو کیا وہ یہ برداشت کر پائے گی؟''

''اماں جس کی وجہ سے میں زندگی کی ہر خوشی سے محروم ہوگئی آپ اس کی طرفداری کر رہی ہیں اگر میں بیوفائی کرتی تو کیا وہ مجھے معاف کر دیتا آخر عورت ہی مرد کی بے وفائی اور دغابازی کو معاف کرے کیوں؟'' وہ روتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی اور اماں سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

☆☆☆

اس مرتبہ کافی دن بعد جب حاشر آیا تو شکل ہی سے بیمار لگ رہا تھا اس نے کچھ کاغذات منال کے سامنے ڈالے تو وہ غصے میں چیخنے لگی۔

''چیخو مت.....'' وہ بگڑ کر بولا۔ ''میں اپنی بیٹی کو اس کا شرعی حق دے رہا ہوں کیونکہ میرے بعد وہی اس کی وارث ہے۔ مکان، فلیٹ اور بینک بیلنس سب اس کے نام کر دیا ہے کیونکہ میں تمہاری دنیا سے بہت دور جا رہا ہوں کہاں؟ مجھے بھی پتا نہیں.....'' اس دوران دعا بھاگ کر اس کی گود میں چڑھ گئی پھر گھبرا کر بولی۔

''انکل آپ کو کیا ہوا.....؟''

''بیٹا کئی دن سے بخار ہے شاید جان ہی لے جائے گا۔'' جب وہ جانے لگا تو منال نرمی سے بولی۔

''خود ڈاکٹر ہو اپنا علاج کیوں نہیں کرتے ورنہ کسی اور ڈاکٹر کو دکھا لو.....''

''میری ڈاکٹر تو تم ہو جب تم نے ہی انکار کر دیا تو کسی اور کا سہارا کیوں لوں؟'' وہ خاموشی سے چلا گیا۔

☆☆☆

''امی آج میں کالج سے واپسی پر حاشر کی طرف جاؤں گی دیر ہو جائے گی تو پریشان نہیں ہوئیے گا۔'' اس نے صبح کالج جاتے ہوئے ماں سے آہستگی سے کہا۔

''ایں... یہ تمہیں اچانک حاشر کا خیال کیسے آگیا میری تو تم نے ایک نہ سنی چلو دیر آید درست آید۔''

''آپ کی نصیحتوں کا اثر ہے۔'' امی نے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا اور ڈھیر ساری دعائیں دیں۔

اسے حاشر کے لگژری اپارٹمنٹ میں پہنچنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی دروازے کو ہاتھ لگایا تو وہ کھلتا چلا گیا حاشر بستر پر بے سدھ پڑا تھا منال نے لرزتا ہوا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھا تو اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں اور چہرہ خوشی سے جگمگانے لگا۔ اس نے بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہونٹوں سے لگا لیا۔

''خدارا آ ہی گئی ہو تو جانے کا نام مت لینا۔ لیما ایک سراب تھی، تم حقیقت ہو میں کم ظرف تھا تم اعلیٰ ظرف اور باوفا ہو خدارا مجھے معاف کر دو..... میرے لیے نہیں تو ہماری بیٹی دعا کی خاطر.....''

''حاشر میں لوٹ آئی ہوں ہمیشہ کے لیے اور میں نے تمہیں معاف کیا.....'' منال نے اس کی جلتی ہوئی پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھ دیے اور سوچنے لگی۔

''تمہیں اور اماں کو کبھی پتا نہیں چلے گا کہ یہ راتوں رات تبدیلی کیسے آئی۔ ٹی وی کی ایک خبر نے فیصلہ کرنے کی طاقت دے دی۔ ''شقی القلب سوتیلے باپ کا اپنی دس سالہ بیٹی پر مجرمانہ حملہ..... محلے والوں کی بروقت آمد نے سوتیلے باپ کی کوششوں کو ناکام بنا دیا اور پولیس کے حوالے کر دیا۔''

''اُف..... میں کیا کرنے جا رہی تھی پروفیسر حامد پھر ان کے ساتھ ان کا بیٹا بھی..... کیا میں اپنی بچی کی حفاظت کر پاتی؟ انسان کو شیطان بننے میں کتنی دیر لگتی ہے۔'' پھر اس نے حاشر کی طرف لوٹنے میں دیر نہیں لگائی اللہ تو ہم انسانوں کے ہزاروں گناہ معاف کر دیتا ہے اور ہم اتنے کم ظرف اور متکبر ہیں کہ انسان کا ایک گناہ معاف کرنے کے لیے تیار نہیں..... اس نے گڑگڑا کر توبہ کی اور سیدھی حاشر کے پاس آگئی جو اس کی بیٹی کا سگا باپ تھا۔

❁❁❁

Scanned with CamScanner

انوکھی قرعہ اندازی

مسکان قریشی

"رانیہ! یہ ذیکھنا کس کا فون ہے۔" روا نے امی کا سیل فون لا کر رانیہ کے ہاتھ میں تھما دیا کیونکہ آج کل وہ رانگ کالز کی وجہ سے کافی پریشان تھی اس لیے خود فون اٹینڈ کرنے سے گریز کرتی تھی جبکہ رانیہ آرام سے بات کر لیتی تھی۔

"کس کا ہے.....؟"

رانیہ جو ایک ہاتھ میں رسالہ لیے غنودگی کی حالت میں تھی۔ ہاتھ کے اشارے سے پوچھنے لگی تو روا

Scanned with CamScanner

digest library.com

نے کندھے اچکا کر لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس نے لیس کا بٹن دبا دیا تھا۔

"جی ہیلو!" چونکی ہو کر رانیہ نے سخت لہجے میں پوچھا۔

"جی میں ـــ السلام علیکم! آپ کے لیے ایک خوشی کی خبر ہے کہ آپ کا پانچ لاکھ کا انعام نکلا ہے۔ کیا یہ سم جو آپ کے زیر استعمال ہے۔ آپ کے نام ہے؟" دوسری طرف سے کوئی اجنبی شخص بہت ہی شائستہ لہجے میں بول رہا تھا۔

"جی، جی ـــ یہ سم ہماری ہے ـــ مطلب ہمارے ہی نام پر ہے۔" رانیہ شدید خوشی کی کیفیت کو سنجیدگی میں لپیٹ کر بولی۔

"جناب آپ کو بہت، بہت مبارک ہو اس کمپنی کی طرف سے آپ کا قرعہ اندازی میں پانچ لاکھ کا انعام نکلا ہے۔" اب کی بار کوئی عمر رسیدہ آواز والا مخاطب ہوا۔

"سر یہ کس سلسلے میں نکلا ہے؟ میرا مطلب ہے کون سی قرعہ اندازی میں نکلا ہے اور ہم یہ انعام کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟" وہ بے پایاں خوشی سے لبریز لہجے میں بولی۔

وہ خوشی سے پاگل ہونے کے قریب تھی اور جلدی سے ذہن کی گرد جھاڑتے ہوئے مطلب کی بات پر آ گئی۔

"مس! یہ جاننے کے لیے آپ ہمارے اس نمبر پر کال کریں۔ جو ایس ایم ایس کے ذریعے آپ کے پاس آ گیا ہوگا۔ شکریہ" دوسری طرف اسی عمر رسیدہ آواز والے شخص نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے کال منقطع کر دی۔

یہ اس وقت کی بات ہے جب لوگوں کے گھر نیا، نیا موبائل فون آیا تھا اور ایک ہی موبائل فون سے گھر کے تمام افراد مستفید ہوتے تھے۔

رانیہ خوشی و مسرت کی کیفیت میں گھری، بھاگتی ہوئی ابو کے کمرے کی طرف گئی۔ ردا بھی اس کے پیچھے بھاگی۔ ابو حسب معمول خبرنامہ سن رہے تھے جبکہ اس کے دونوں بھانجے فرحان اور رضوان برے، برے منہ بناتے ٹی وی کی جانب دیکھ رہے تھے۔

"ابو! جلدی سے میری بات سنیں۔ ہمارا پانچ لاکھ کا انعام نکلا ہے۔"

وہ پاگلوں کی طرح چیختے ہوئے بولی تو امی جان جو کچن میں مصروف تھیں۔ وہ بھی کمرے میں آ گئیں جبکہ ردا، فرحان اور رضوان منہ کھولے اس کی جانب دیکھتے بالکل ہونق لگ رہے تھے۔

"کہاں سے نکلا؟" ابو خبرنامہ بھول کر اب اس کی طرف مڑے۔ خوشی ان کے پورے ناتواں وجود پر چھا گئی تھی۔

"جی ابو! ہمارا پانچ لاکھ کا انعام نکلا ہے۔ ابھی کمپنی والوں کی طرف سے فون آیا ہے کہ اگر یہ سم آپ کے زیر استعمال ہے تو اس کی وجہ سے آپ کا پانچ لاکھ کا انعام نکلا ہے۔ ہائے امی! مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا۔" ابو جان سے بات کرتے، کرتے وہ شدت جذبات سے اپنی امی جان کے گلے لگ گئی جبکہ بچے بھی خوشی سے چیخیں مارنے لگے۔ امی، ابو خوشی سے پاگل ہوتے بچوں کو دیکھتے ہوئے خود بھی ہنس پڑے۔

"اب جلدی سے بیلنس ڈلوا لیں تاکہ میں انعام حاصل کرنے کی تفصیل معلوم کر لوں۔" رانیہ مدبر سی بنی اب ہدایات دینے لگی۔

"لیکن آخر نکلا کس چیز میں انعام ـــ؟" امی جان سب کے چہروں پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے بولیں۔

چونکہ مہینے کی یہ آخری تاریخیں تھیں اور وہ پیسوں کی تنگی کی وجہ سے کافی پریشان تھیں۔

"اوہو! آپ بیلنس ڈلوائیں گی تو پتا چلے گا ناں۔" رانیہ نروٹھے لہجے میں بولی۔

"ہائے امی جان! پورے پانچ لاکھ۔ مجھے لگ رہا ہے میں خوشی سے فوت ہی ہو جاؤں گی۔" اس کے لہجے سے بھرپور خوشی جھلک رہی تھی۔

"اچھا بس! تم دل پر قابو رکھو، یہ نہ ہو یہ سب فراڈ ہو۔ آج کل لوگ ویسے بھی پیسے کے پیچھے پاگل ہو رہے ہیں۔ یہ نہیں سوچتے کہ ان کی تو ذرا سی تفریح ہوگی اور کتنے گھروں میں لوگ فاقے کا شکار ہوں گے۔" امی

Scanned with CamScanner

نے رانیہ کو اچھی طرح ڈانٹ پلائی تو اس کی عقل میں بات کچھ سما گئی۔

''ہاں واقعی! ہو سکتا ہے یہ دھوکا ہو کیونکہ ہم نے تو کسی قرعہ اندازی میں حصہ ہی نہیں لیا۔'' وہ پُرسوچ انداز میں بولی تو روا نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔

''ہو سکتا ہے امی، ثمرہ باجی نے آپ کے فون سے کوئی ایس ایم ایس کر دیا ہو، آج کل قرعہ اندازی میں شامل ہونے کے لیے دو روپے کا ایس ایم ایس ریپلائی میں کافی ہوتا ہے۔'' وہ جلدی سے بولی۔

رانیہ اب بھی خوشی کی کیفیت میں مثبت انداز میں ہی سوچ رہی تھی۔

اس کی بات پر امی جان نے بھی غائب دماغی سے سر اثبات میں ہلا دیا۔

''غریبوں کے گھر خوشی بھی آتی ہے تو خوف و ڈر ساتھ لاتی ہے۔'' روا یہ کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی جبکہ رانیہ موبائل ہاتھ میں لیے بیلنس آنے کا انتظار کرنے لگی پھر جیسے ہی بیلنس کا میسج آیا تو وہ ... ان بکس کھول کر بیٹھ گئی کہ شاید کمپنی والوں کی طرف سے کوئی پانچ لاکھ ملنے کے بارے میں میسج آیا ہو لیکن بیچارے ان بکس میں پیکج (ایس ایم ایس پیکج اور کال پیکج) کا شیڈول بھرا ہوا تھا۔

دو روپے ننانوے پیسے میں پانچ سو ایس ایم ایس۔

چار روپے ننانوے پیسے میں ایک گھنٹا بات کریں۔

پوری رات صرف پچاس روپے میں بات کریں

اور بھی نہ جانے کیا کچھ۔ اب بھلا ان سے پوچھے پوری رات کون کیا بات کرے بھئی۔

ابھی وہ ان بکس پڑھ کر فارغ ہی ہوئی تھی کہ ابو بڑے جوش میں کمرے میں داخل ہوئے۔

''ہاں ملایا نمبر.....؟'' امید کے دیے آنکھوں میں مشعل جگنو ٹمٹمانے لگے۔

''نہیں!'' وہ اپنی جگہ ہڑبڑائی۔ ''ابھی ملاتی ہوں۔''

رانیہ نے فون ملایا ایک بار دو بار، تین بار، چار بار لیکن ہر بار بیل ہوتی رہی کسی نے فون ریسیو نہیں کیا۔

''کیا ہوا.....؟'' ابو جان نے بے تابی سے پوچھا۔

''بیل جا رہی ہے لیکن کوئی فون ہی نہیں اٹھا رہا۔'' رانیہ پریشانی میں گھری بولی تو روا آس و نراس کی کیفیت میں گھر گئی۔

''ہو سکتا ہے وہ دوسری لائن پر مصروف ہوں آخر اتنا بڑا نیٹ ورک ہے.....''

''ہاں ہو سکتا ہے۔ لیکن اگر یہ فراڈ نہ ہوا تو.....؟ ورنہ لازمی وہ پہلی بیل پر کال ریسیو کر لیتے۔ آخر کوئی چھوٹی موٹی رقم تھوڑی ہے پورے پانچ لاکھ ہیں۔'' رانیہ کے منہ سے پانچ لاکھ نکلنے کی دیر تھی سب کی آنکھوں میں پھر سے امید کے ننھے ننھے دیے روشن ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پھر سے فون ملایا۔ اب کی دفعہ فون ریسیو کر لیا گیا۔

''جی مس! آپ کو خوشخبری دی جاتی ہے کہ آپ کا پانچ لاکھ کا انعام بذریعہ قرعہ اندازی نکلا ہے۔ آپ کو بہت مبارک ہو۔ آپ جلدی سے لاٹری نمبر اور فائل نمبر نوٹ کریں۔'' دوسری جانب سے ایک نہایت مہذب آواز سنائی دی تو رانیہ جلدی سے باہر بھاگی کیونکہ سب بڑے کمرے میں تھے جبکہ وہ کچن میں خاموشی کی وجہ سے آ گئی تھی کہ یہاں سکون سے بات ہو جائے گی۔

''روا کاپی پنسل لے کر آؤ جلدی سے.....''

روا اس کی خوشی سے پھٹتی آواز پر حواس باختہ سی کاپی پین اٹھا لائی۔

رانیہ نے دونوں چیزیں جھپٹنے والے انداز میں اس سے لیں پھر دی جانے معلومات نوٹ کرنے لگی۔ مستقل پتا، شناختی کارڈ نمبر، بینک اکاؤنٹ نمبر، شہر اور ضلع پوچھا گیا۔

رانیہ نے فر، فر تمام معلومات اسے مہیا کیں۔

''روا ابو کا شناختی کارڈ لاؤ۔'' رانیہ ایک دفعہ پھر کچن سے چیخی تو بڑے کمرے میں ایک دفعہ پھر کھلبلی مچ گئی۔

''ابو اپنا اکاؤنٹ نمبر لکھوا دیں۔''

رانیہ اب باقاعدہ کنٹری والے انداز میں بول رہی تھی۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

گھر میں ایک دم افراتفری کا سا سماں ہو گیا جیسے کوئی گھر کے دروازے پر بم رکھ گیا ہو۔

اب پھر سے وہ پوری یکسوئی کے ساتھ تمام معلومات دُہرا رہی تھی۔

"او کے مس! آپ لائن پر رہیں۔ ابھی ہمارے آفیسر آپ کو مبارک باد دیں گے اور چیک نمبر وغیرہ سب بتا دیں گے۔ آپ اپنی مطلوبہ رقم حاصل کر لیجیے گا۔" تھوڑا وقفہ ہوا پھر آواز آئی۔

"فون بند مت کیجیے گا۔ میں آپ کی کال اب کنیکٹ کر رہا ہوں۔ آپ تھوڑا سا انتظار کریں۔"

پھر ایک دم میوزک شروع ہو گیا یہ وہی ٹون تھی جو اس نے امی جان کے موبائل پر سیٹ کروائی تھی۔ رانیہ نے کچھ بھی بتانے سے پہلے ابو کو مزید بیلنس ڈلوانے بھیجا کہ کہیں کال نہ ڈراپ ہو جائے۔

"جی مس! میں اب کال کنیکٹ کر رہا ہوں۔ آپ تھوڑا سا انتظار کریں۔"

پھر یک دم میوزک ٹون بجنا شروع ہو گئی۔ ابو بیلنس کروا کے واپس آئے تو رانیہ جوش میں کھڑی فون پر مبارک باد وصول کر رہی تھی۔

دوسری طرف کوئی عمر رسیدہ بارعب آواز میں مخاطب تھا پھر ایک اور شائستہ لب و لہجے میں مردانہ آواز نے مبارک باد دی۔

آواز کا سحر، انعام ملنے کی امید رانیہ کی حالت خوشی و مسرت سے دیدنی تھی۔

"میں کہہ رہی تھی ناں ایہ فراڈ نہیں ہے۔ کتنے اچھے اور مہذب طریقے سے انہوں نے بات کی ہے۔"

روا کی حالت بھی رانیہ سے مختلف نہ تھی۔

نواز صاحب کا تعلق ایک سفید پوش خاندان سے تھا۔ ان کی تین بیٹیاں تھیں۔ جس میں سے ایک شادی شدہ اور دو بچوں والی تھی۔ رانیہ بی اے کرنے کے بعد گھر میں بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی تھی۔ اس سے دو سال چھوٹی روا تھی جس نے حال ہی میں بی ایس سی مکمل کیا تھا اور بس اب نتیجے کے انتظار میں تھی۔

یہ ہفتے کا ایک خوشگوار دن تھا۔ ٹیوشن والے بچے صحن میں پڑھنے کے لیے آنا شروع ہو گئے تھے۔ بارہ سے تین بج گئے تھے۔ وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا تھا۔ سارے اہلِ خانہ اب بیٹھک میں بیٹھے مستقبل کا لائحہ عمل ترتیب دے رہے تھے۔

"میں تو سوچ رہی ہوں رانیہ کے ابو! اب حج پر چلیں گے۔" امی ہنسی خوشی جیتنے والی رقم کے بارے میں اپنا ارادہ بتانے لگیں۔

"میں سوچ رہا ہوں اوپر کی منزل پر شاندار قسم کا گھر بنا کر کرایے پر چڑھا دیں۔ ویسے بھی دو پورشن تو بن ہی جائیں گے۔ کیا خیال ہے.....؟" ابو نے اپنی دنیا بچانے کی کوشش کی پھر امی کے مایوس چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے بولے۔

"اچھا، ایسا کریں گے پہلے اللہ نام کی دیگ چاول تیری پسند کے پکوائیں گے پھر میلاد کروائیں گے پھر دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے۔" ابو نے پُرسوچ انداز میں تسلی کروائی۔

"رانیہ! کیوں نہ ہم دونوں یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیں۔ خوب مزے سے دونوں ماسٹرز کریں گے۔ کیا کہتی ہو.....؟" روا نے بھی اپنا سب سے اہم مسئلہ (دیرینہ خواب) زیرِ بحث لا کر رانیہ کی رائے لینی چاہی جبکہ رانیہ ان سنی کرتے ہوئے امی سے کہہ رہی تھی۔

"ہائے امی! بس جلدی سے وہ لیکس نمبر اور چیک نمبر بتا دیں جو انہوں نے بتایا تھا۔ میں نے تو طے کر لیا ہے۔" وہ پُرجوش ہوئی۔ "امی اب سے پہلے آپ مجھے صفحے اور پین منگوا کر دیں گی۔ میں اپنی کہانیاں پوسٹ کرواؤں گی۔" پھر کچھ یاد آنے پر تیزی سے بولی مبادا امی جان بھول جائیں۔

"اور ہاں ڈاک خرچ بھی ایڈوانس میں دے دیجیے گا کہیں پیسے خرچ نہ ہو جائیں۔" پھر وہ خواب کی سی کیفیت میں بولی۔

"ہائے اللہ! پورے پانچ لاکھ..... مجھے تو لگ رہا ہے خوشی سے میرا دل ہی نہ پھٹ جائے۔"

Scanned with CamScanner

روا نے بغیر برا منائے اس کی ہاں میں ہاں ملائی کیونکہ ہر ماہ بچت کرنے کے باوجود وہ اس کام کے لیے پیسے نکالنے سے گریزاں رہتی تھی درحقیقت وہ ہی بچت ہمیشہ مہینے کے آخر میں امی یا ابو کے کسی کام آجاتی تھی۔

"خالہ! ہمیں بھی آپ نے جوتے دلانے ہیں اور کپڑے بھی۔" چھوٹے والے فرحان نے لاڈ سے اس کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا تو بڑا رضوان بھی فرمائش نوٹ کروانے لگا۔

"ہاں جی! سیر پر بھی لے کر چلنا ہے اور آئس کریم، گول گپے، فروٹ چاٹ بھی کھلانی ہے۔ پکا والا وعدہ کریں۔" رانیہ نے بھی بڑی ترنگ میں ان سے وعدہ کرلیا اور ان کے گال چوم لیے۔ وہ سب اپنے، اپنے خواب لیے مستقبل کے منصوبے بنا رہے تھے مگر خدشے، وسوسے، ڈر اور خوف کے سائے کسی سانپ کی طرح پھن پھیلائے تھے۔

"میں جا کر موبائل دیکھوں..... کہیں انہوں نے فون نہ کرلیا ہو۔" رانیہ یہ کہتے ہوئے تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

جیسے ہی اس نے فون اٹھایا فون بند تھا کیونکہ اس کی چارجنگ ختم ہو چکی تھی۔

سر اٹھا کر پنکھے کی جانب دیکھا شکر ہے لائٹ آ رہی تھی۔ جلدی سے موبائل فون چارجنگ پہ لگایا تو موبائل کے آن ہوتے ہی پھر سے اسی نمبر سے بیل آنے لگی۔ جیسے ہی فون اٹینڈ کیا دوسری طرف سے کوئی سخت لہجے میں بولا۔

"آپ نے فون کیوں بند کیا تھا؟ آپ کو معلوم ہے ہم کتنے مصروف ہیں یہاں کتنے لوگ لائن پر ہوتے ہیں۔ لیکن آپ تو....." لائن پر جو بھی تھا..... شدید غصے میں مخاطب تھا۔

"سر میرے موبائل کی چارجنگ ختم ہو گئی تھی۔" رانیہ اس کی بات قطع کرتے بڑی لجاجت سے بولی تو اس نے فی الفور نرم لہجہ اختیار کیا۔

"ٹھیک ہے پھر موبائل چارجنگ پر لگائیں اور مجھے کال کریں۔" فون لمحے سے بند، رانیہ ہراساں سی دوبارہ کال ملانے لگی۔ کال ملتے ہی پھر سے وہی پروسیجر شروع ہو گیا۔

"آپ کو مبارک ہو آپ کا 5 لاکھ کا انعام نکلا ہے۔ ابھی ہم آپ کو لاٹری نمبر اور فائل نمبر بتائیں گے۔ آپ لائن پر رہیں۔ شکریہ....."

پھر کافی انتظار کے بعد جب خاموشی چھا گئی۔

رانیہ کا سکتہ ٹوٹا۔

"سر! مجھے فائل نمبر، لاٹری نمبر سب کچھ بتا دیا گیا ہے۔ اب صرف ٹیکس نمبر اور چیک نمبر بتانا ہے کہ پیسے کب اور کیسے ملیں گے۔" رانیہ یاددہانی کروانے لگی۔

"ٹھیک ہے! میں آپ کی کال متعلقہ ڈیپارٹمنٹ میں کنیکٹ کر رہا ہوں۔ آپ بات کیجیے گا۔" دوسری جانب مٹھاس بڑھی۔

"جی سر!" رانیہ نے تابعداری سے اثبات میں سر ہلایا۔ آدھے گھنٹے کے وقفے سے جیسے ہی رابطہ ہوا۔ وہی ٹون سنائی گئی اور پھر سے وہی مبارک باد کے جملے دہرائے گئے۔

وہ صبر و تحمل سے سنتی گئی پھر یک دم ٹون بدلی۔ اس بار کوئی عمر رسیدہ شخص مخاطب تھا۔

"جی سر! آپ نے کبھی ہزار کا کارڈ لوڈ کروایا ہے۔"

"نو سر! کبھی نہیں۔" رانیہ نے اطمینان سے جواب دیا۔

"اوہ!" دوسرے پھر پُرجوش انداز میں بولے۔

"پھر چھ سو یا تین سو والے کارڈ.....؟"

انداز سوالیہ تھا۔

"نو سر" رانیہ احساسِ کمتری کا شکار ہونے لگی۔

"اچھا پھر بلاشبہ سو والے کارڈ تو ضرور استعمال کیے ہوں گے۔"

"جی، جی سر" رانیہ خوشی سے پُرجوش ہوئی۔

"تو پھر سسٹر! آپ ایسا کریں ڈھائی ہزار کے سو والے کارڈ لیں اور ان کے کوڈ نمبر اور پن نمبر مجھے نوٹ کروا دیں۔ جیسے ہی آپ یہ نمبر مجھے نوٹ کروائیں

Scanned with CamScanner

digest library.com

گی۔ کمپیوٹر پر یہ نوٹ کرلیا جائے گا۔ آپ یہ کارڈز لے کر فلاں بینک جائیے گا۔ جیسے ہی آپ یہ کارڈ دکھائیں گی آپ کو مطلوبہ رقم ادا کردی جائے گی۔ خیال رہے آپ کو یہ کارڈز وہاں ساتھ ہی جمع بھی کروانے ہوں گے۔ آپ کو پھر پانچ ہزار الگ سے دیے جائیں گے۔ یاد رہے آپ نے اس بارے میں ابھی کسی کو کچھ نہیں بتانا اور نہ ہی یہ کارڈ کسی اور کال میں استعمال کرنے ہیں۔ ہماری کمپنی والے آپ کی اور باقی تمام جیتنے والے لوگوں کے ساتھ تین گھنٹے کی ویڈیو بنائیں گے جو باقاعدہ ٹی وی پر دکھائی جائے گی۔" رانیہ کو اپنے اردگرد لوگوں کا ہجوم، اسٹیج پر اس کے نام کی اناؤنسمنٹ، لوگوں کی تالیاں، سارے خاندان میں واہ، واہ اور چاروں طرف بس پانچ لاکھ کی پکار سنائی دینے لگی۔

"جی! آپ کتنی دیر میں یہ ڈھائی ہزار کے کارڈ پر چیز کرلیں گی؟" اکساتا ہوا پُرکشش لہجہ اس کی سماعت سے ٹکرایا تو وہ ہوش کی دنیا میں واپس لوٹ آئی۔

"سر! مجھے نہیں معلوم۔ میں ابو جان سے پوچھ کر آپ کو بتاتی ہوں۔" رانیہ کا لہجہ بے ربط ہوا۔ پورے جسم پر ایک عجیب سی کپکپاہٹ طاری ہوگئی۔

"ہاں ٹھیک ہے، آپ پتا کرلیں اور لائن پر رہیں۔" دوسری طرف لہجے میں بے پروائی برتی گئی۔

"میں دس منٹ کے بعد آپ سے بات کرتی ہوں۔" رانیہ عجلت میں جواب دے کر یونہی موبائل الٹا کرکے باہر کی طرف بھاگی جہاں سب وقتاً فوقتاً اندر آکر اشاروں میں پوچھ چکے تھے مگر چونکہ وہ فون پر بات کررہی تھی اس لیے اس نے سب کو اشارے سے واپس بھیج دیا تھا۔

"ابو..... امی..... ردا۔" وہ حواس باختہ بھاگتی ہوئی بیٹھک میں داخل ہوئی اور پھر تیزی سے بولنا شروع کردیا۔

"ابو جی! پانچ لاکھ ہمارے ہوگئے۔ بس اب ہمیں یہ کرنا ہوگا کہ ڈھائی ہزار کے کارڈ منگوانے ہوں گے پھر ان کے نمبر نوٹ کروانے ہوں گے۔ جب یہ کارڈ لے کر ہم بینک جائیں گے تو وہ کمپیوٹر سے پہلے تصدیق کریں گے اس کے بعد الگ سے پانچ ہزار اور ساتھ ہی انعامی رقم "پانچ لاکھ" بھی..... اُف۔" رانیہ کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آگئے پھر وہ روہانسے لہجے میں بولی۔

"وہ لوگ ہماری تین گھنٹے کی مووی بنائیں گے اور اس کے علاوہ یہ ساری بات چیت جو ہوئی ہے۔ اس کی ریکارڈنگ آج رات دس بج کے بیس منٹ پر ٹی وی چینلز پر براہ راست سنائی جائے گی۔

"اس کی آواز میں لرزش نمایاں تھی۔ رانیہ کی بات سن کر جہاں سارے خوش ہوئے وہیں "ڈھائی ہزار کہاں سے لائیں گے؟" کا سوالیہ نشان سب کے دماغ میں گردش کرنے لگا۔

"لیکن رانیہ ہم ڈھائی ہزار کا انتظام کہاں سے کریں گے؟ پہلے ہی پانچ سو روپے بیلنس کروانے میں اڑ گئے ہیں۔ مہینے کا آخر چل رہا ہے۔ ٹیوشن والے بچوں کی فیس (ٹیوشن والے) بھی کمیٹی میں چلی گئی ہے جبکہ تمہارے ابو جان کی پینشن کے پیسے جو بچے تھے وہ فریج کی قسط میں چلے گئے ہیں..... اب گھر کے خرچے کے لیے بمشکل رقم بچی ہے۔" امی جان نے بڑی دل گرفتگی سے ساری صورتِ حال واضح کردی۔

موجودہ صورتِ حال کا سوچتے ہوئے سب مایوس اور پریشان نظر آنے لگے۔

"پھر اب کیا کریں؟" رانیہ اندیشوں، وسوسوں سے ڈرتے، ڈرتے پوچھا جھڑاتے ہوئے بولی۔

"غریبوں کے گھر خوشی بھی آتی ہے تو ڈر اپنے ساتھ لاتی ہے۔" ردا اچانک بولی اور نم آنکھیں لیے کمرے سے نکل گئی۔

"تم تھوڑی کمی بیشی کی بات کرو اور کہو کہ ہماری اتنی استطاعت نہیں ہے۔" ابو نے آس و نراس میں گھرے آخری امید کے تحت کہا۔

"اچھا!" رانیہ نے بے دلی سے سر ہلایا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

"ہیلو سر! ڈھائی ہزار کی رقم ہمارے پاس نہیں

Scanned with CamScanner

ہے۔" وہ ڈرتے، ڈرتے بولی۔

"تو پھر آپ کتنی اماؤنٹ کے کارڈ افورڈ کر سکتی ہیں؟" دوسری طرف جیسے کوئی پہلے سے اس جواب کا منتظر بیٹھا تھا۔

"سر!" رانیہ پھر سے کشمکش میں پھنس گئی۔ دل پھر سے خوش امیدی کا جال بننے لگا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ جیسے ہی وہ رقم کے نہ ہونے کا بتائے گی۔ آگے سے معذرت کر لی جائے گی مگر یہاں تو جیسے پہلے سے ساری صورتِ حال کا لائحہ عمل ترتیب دے دیا گیا تھا۔

"سر، سو روپے کی بھی رقم نہیں ہے۔" رانیہ مرے، مرے لہجے میں بولی۔

"اچھا پھر ایسا کریں کہ ہزار کے دو کارڈ منگوا لیں۔" دوسری طرف سے آپشن دیا گیا۔

"سر، میں آپ کو کہہ رہی ہوں، میرے پاس ایک روپیہ بھی نہیں ہے۔" وہ بری طرح زچ ہوئی۔

"تو میڈم! میں اب کیا کروں؟ آج آپ کے انعام حاصل کرنے کی آخری تاریخ ہے۔ تین دن سے ٹی وی پر باقاعدہ آپ کی رقم کا نمبر، شناختی کارڈ نمبر اور لاٹری نمبر کا اعلان ہو رہا ہے۔ کیا آپ کے گھر ٹی وی نہیں.....؟" دوسری طرف سے پھر اسے گھیرنے کی کوشش کی گئی۔

"سر! ٹی وی تو ہے۔" رانیہ پھر سے ڈانواں ڈول ہونے لگی۔

"تو پھر اب آپ مجھے بتائیں کہ آپ کتنے تک کے کارڈ پر چیز کر سکتی ہیں؟" دوسری طرف سے پھر امید افزا انداز میں پوچھا گیا۔

"سر! بہت مشکل ہے سو روپے بھی نکل آئیں تو بڑی بات ہے۔" رانیہ بے بسی سے رو دینے کو تھی۔

"سر! بہت مشکل ہے۔ مہینے کا آخر ہے۔ ہمارے پاس تو پیسے نہیں ہیں۔ ہم تو لاٹری والے پیسوں کے انتظار میں ہیں۔"

رانیہ کو لگ رہا تھا کہ وہ اب غصے سے یقیناً فون بند کر دے گا، مگر اگلا لمحہ حیران کن تھا۔

"اب آپ فائنل بتا دیں کہ آپ کتنی اماؤنٹ کے کارڈ خرید سکتی ہیں تاکہ میں آگے سرے سے بات کروں۔" دوسری طرف سے آنے والی دلکش آواز نے پینترا بدلا۔

"آپ لوگ بلاشبہ بہت غریب ہیں اور میں دلی طور پر چاہتا ہوں کہ یہ انعام آپ کو ضرور ملے۔ اب آپ مجھے جلدی سے بتائیں کہ آپ کتنے کارڈز کا انتظام کر سکتی ہیں.....؟ تاکہ میں آگے بات کرنے کی پوزیشن میں ہوں۔"

تھوڑی دیر خاموشی چھائی رہی۔

"سر! میں ابو جان سے پوچھ کر آپ کو بتاتی ہوں۔"

رانیہ ہوش کی دنیا میں آتے ہی خوشی سے بھاگتی ہوئی ابو کے پاس گئی۔ ساری صورتِ حال بتائی تو امی، ابو کو لگوں کی کیفیت میں گھر گئے جبکہ رداشکرانے کے نفل پڑھنے چلی گئی کہ شاید یہ خدا کی طرف سے غیبی امداد ہو۔

"رانیہ کے ابو! ساتھ والی باجی ہاجرہ کی کل کمیٹی نکلی تھی۔ پانچ سو ادھار لے آتی ہوں۔ 10 تاریخ کو آپ کی پینشن میں سے دے دوں گی۔ ٹھیک ہے ناں؟" امی جان گھٹنوں پر زور دے کر اٹھتے ہوئے بولی۔

آخر میں لہجہ ابو کی رائے لینے والا ہو گیا۔

"ہاں! یہ ٹھیک ہے۔"

ابو اور رانیہ بچوں کی طرح خوش ہو گئے پھر جیسے ہی ابو جی تو سو کے پانچ کارڈ لے کر آئے۔ سب کمرے میں جمع ہو گئے۔ رانیہ مہمانِ خصوصی بنی دوسری طرف فون پر کارڈز کے پن کوڈ اسکریچ کر کے نوٹ کروانے لگی۔ سبھی چہروں پر اپنی، اپنی خواہشات کو پا لینے کی آس تھی۔ امنگ تھی۔ ایک نیا جہاں آباد کرنے کا اشتیاق تھا..... اس بات سے بے خبر کہ آخر وہ کارڈ نمبر لوڈ کروانے پر کیوں اصرار کر رہے ہیں۔

"ٹھیک ہے اب آپ ایسا کریں کہ ساڑھے تین ہزار کی رقم ہمارے نمائندے کی فیس ادا کریں، ارے آن لائن کر دیں اور یہ بھی بتا دیں کہ آپ پانچ لاکھ بینک کے ذریعے لیں گے یا پھر ہماری ٹیم صرف دو گھنٹے میں آپ تک پہنچا دے؟"

Scanned with CamScanner

digest library.com

رانیہ نے موبائل کان سے ہٹا کر نیچے رکھا اور نہایت خاموشی سے بیٹھے امی، ابو اور روا کے پاس چلی آئی اور انہیں تمام بات بتائی۔

"ان سے کہو..... رقم گھر دے جائیں اور یہ ساڑھے تین ہزار ابھی ادا کرتے ہیں یا پھر رقم لینے کے بعد.....؟"

امی نے مشورہ دیا تو ابو بھی تائیدی انداز میں سر ہلانے لگے پھر رانیہ نے ہیلو کہتے ہی جیسے بات شروع کی۔ دوسری طرف سے پھر وہی دلکش آواز سنائی دی لیکن اس بار لہجہ سنجیدہ اور روکھا تھا۔

"جی نہیں! پہلے آپ کو ہمارے نمائندے کو ساڑھے تین ہزار کی رقم ادا کرنی ہوگی۔ اس کے بعد آپ کو پانچ لاکھ دیے جائیں گے۔"

"لیکن یہ رقم ہم آپ کو کیسے دیں.....؟"

"کیا مطلب.....؟" لہجے میں غصہ یک دم عود آیا۔

"میرا مطلب ہے۔" رانیہ گڑبڑائی۔ "آپ کہاں ملیں گے بینک میں یا پھر اپنی کمپنی والے آفس میں....." رانیہ ہچکچائی۔

"ہمارا نمائندہ نہ آپ کو بینک میں ملے گا اور نہ ہی آفس میں.....؟"

"تو پھر....." رانیہ نا سمجھی کی کیفیت میں بولی۔

"بلکہ ابھی آپ کو یہ ساڑھے تین ہزار کی رقم جیتے کارڈ پچھلے طریقے سے مجھے پن کوڈ نمبر کے ذریعے ہی پہنچانے ہوں گے۔"

دوسری طرف رانیہ بری طرح زچ ہوئی۔

"ہمارے پاس ساڑھے تین ہزار نہیں ہیں۔" رانیہ کے اردگرد دھما کے ہونے لگے۔

"نہیں ہیں تو بی پی انتظام کریں کہ آج آپ کو رقم پہنچانے کی آخری تاریخ ہے..... ورنہ.....؟"

دوسری طرف تھوڑی دیر کے لیے خاموشی چھا گئی اور رانیہ کو لگا اس کی سانس بند ہوگئی ہے۔

"خیر میری دلی خواہش ہے کہ یہ انعام کی رقم آپ کو ہی ملے۔" دوسری طرف سے پھر امید کے دیے جلائے گئے۔

"اور ہاں ایک خاص بات کہ رقم ملنے سے پہلے آپ نے کسی کو نہیں بتانا۔ یہ نہ ہو اتنی بڑی رقم آپ کو دینے آئیں اور کوئی بڑا نقصان ہو جائے۔"

"تو پھر اب میں کیا کروں؟"

"آپ جلدی سے رقم کا انتظام کریں۔ میں بھی کچھ کوشش کرتا ہوں۔" وہ خوشدلی سے ہنسا تو رانیہ کے دل کو ڈھارس ملی۔

"ٹھیک ہے سر! میں امی جان سے بات کرتی ہوں۔" رانیہ موبائل ہولڈ پر رکھ کر امی ابو کے پاس بھاگی تو وہ لوگ پھر سے ہراساں و پریشان ہوگئے۔

اتنے میں ثمینہ باجی آگئیں۔

جب انہیں خوشی، خوشی ساری تفصیل بتائی گئی تو وہ اور ان کے میاں ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ دونوں بچے بھی اپنی منصوبہ بندی فر، فر رٹنے لگے۔

"رانیہ! پہلے تم یہ بتاؤ، تم نے کسی قرعہ اندازی میں حصہ لیا تھا.....؟" ثمینہ باجی نے حیرت سے انگلی دانتوں میں داب لی پھر کڑے تیور لیے رانیہ سے مخاطب ہوئیں۔

"نہیں..... میرا نہیں خیال کہ میں نے ایسا کچھ کیا تھا۔" وہ گڑبڑائی۔

"جب تم نے حصہ ہی نہیں لیا اور نہ کوئی ایس ایم ایس کیا تو پھر انعام کہاں سے نکل آیا۔" ثمینہ باجی اس کے لتے لینے لگیں۔

"دوسری بات یہ کال کس نمبر سے تھی۔ بے شک وہ نمبر اس کمپنی کا ہے لیکن اگر کمپنی کی طرف سے ہوتا تو کمپنی کا نام یا کوئی خاص کوڈ نمبر ہوتا..... نہ کہ تمہارے میرے جیسے عام سم کے نمبر۔"

ثمینہ باجی کی باتیں سب کو سمجھ آنے لگیں جبکہ رانیہ کے چہرے کا رنگ اڑتا ہوا دکھائی دینے لگا۔

"تیسری بات! ٹون وہ کوئی کمپنی کی نہیں سنا رہے تھے بلکہ عام سی ٹون جو تم نے ابو کے موبائل پر بھی سیٹ کروائی تھی۔ اس کمپنی کی یہ مشہور بلکہ علامتی ٹون ہے۔" ثمینہ باجی کے اندازوں پر رانیہ کا دماغ بھک

Scanned with CamScanner

سے اڑ گیا۔

"رہی بات کمپنی کے نمائندے سے بات کرنے کی تو کال کمپنی کی طرف سے آتی..... یہ نہیں کہ تمہارے بیلنس پر وہ اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتے تو تمہیں ہولڈ کرنے کا کہتے اور پھر مختلف آوازیں بدل، بدل کر اپنا مدعا تم تک پہنچاتے۔"

رانیہ دل ہی دل میں پشیمان ہوتی اپنی عقل کو کوسنے لگی۔

"چوتھی بات! اگر اس کی فیس ڈھائی ہزار تھی تو وہ پانچ سو روپے میں کیسے بہ آسانی راضی ہو گئے.....؟"

ثمینہ باجی کے سوالیہ انداز پہ رانیہ کا شرم سے ڈوب مرنے کو دل چاہا، جس کی وجہ سے سب پریشانی میں پڑ گئے تھے۔

"اور اب، تم نے چار ہزار ادھار منگوا لیے ہیں تو سوچو! اگر یہ سب فراڈ ہوا تو ہم یہ رقم کہاں سے واپس کریں گے؟"

ثمینہ باجی کی بات پر رانیہ کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔

"تم سوچ رہی ہو گی اس رقم سے....."

بات ادھوری چھوڑ کر ثمینہ باجی نے حاضرینِ محفل پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جہاں خواہشوں کے جنجال اور فضول کی لالچ نے سب کو اپنے زیرِ اثر لے رکھا تھا۔

"لیکن میری بہن! تمہاری نیت جو بھی ہو..... یہ صرف اس وقت ممکن ہو گا جب رقم ملے گی۔"

اتنے میں ابو جان اور ثمینہ باجی کے شوہر اندر آتے نظر آئے تو انہوں نے تھوڑے سے توقف کے بعد بات پھر سے شروع کی۔

"تمہارے بھائی روزانہ نہ جانے کتنے ہزار کے کارڈ لوڈ کرتے ہیں لیکن آج تک انہیں کوئی انعام نہیں ملا۔۔۔ کوئی مبارک باد نہیں ملی بلکہ الٹا چاروں طرف فراڈ کی کہانی ضرور سننے کو ملی۔" ان کی موبائل کارڈ کی شاپ تھی۔

امی جان تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئیں یقیناً وہ بطور ادھار لی گئی چار ہزار کی رقم واپس کرنے گئی تھیں۔

"ہمیں بے شک کاروبار میں فائدہ ہو رہا ہے لیکن آج کل لوگوں میں دولت کی لالچ بہت بڑھ گئی ہے..... بے روزگاری، کم آمدنی، روز بروز بڑھتی ہوئی آبادی اور نہ جانے کتنے مسائل سے نجات حاصل کرنے کے لیے لوگ ان فراڈیوں کے ہاتھوں لٹ رہے ہیں۔" ثمینہ باجی خاموش ہوئیں تو ان کے شوہر نیاز بولے۔ لہجے میں ناصحانہ انداز اور معاشرتی تلخ حقائق واضح تھے۔

"لیکن بھائی وہ لوگ کہہ رہے تھے کہ جیسے ہی آپ یہ فیس بھریں گے آپ اپنی مطلوبہ رقم بینک سے جا کر لے سکتے ہیں۔"

رانیہ کو پھر سے کچھ یاد آیا تو بولی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ کھلی آنکھوں سے دیکھا سہانا خواب پلک جھپکتے ہی کیسے ٹوٹ گیا۔

"لیکن آج تو بینک بند ہے۔"

بہنوئی برا منائے بغیر وضاحتی انداز میں بولے۔

"میں اور انکل ابھی پتا کر کے آئے ہیں۔ وہاں پر جتنے بھی لوگ ملے انہیں اصل بات سے آگاہ کرنے پر یہی معلوم ہوا کہ یہ لوگ فراڈ ہیں، جو معصوم عوام کو بیوقوف بنا کر دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہے ہیں۔"

"اگر ایسی بات ہے تو آپ خود ان سے بات کر لیں مجھے نہیں سمجھ آ رہا کہ اب میں کیا کہوں.....؟"

رانیہ نے آخری کوشش کے طور پر موبائل بہنوئی کو لا کر دیا تو بیلنس ختم تھا۔

اس نے پندرہ روپے کا ایڈوانس منگوایا اور اسپیکر کا بٹن آن کر دیا تو آگے سے جواب موصول ہوا۔

"آپ کا مطلوبہ نمبر اس وقت بند ہے۔ براہ مہربانی کچھ دیر بعد کوشش کیجیے۔"

بات صرف اتنی سی ہے.....

فریب نے روزے رکھے اور دن بڑے آئے!

❁❁❁

Scanned with CamScanner

ناولٹ

دلی سرائے

عظیم الشان عہدِ رفتہ کی یاد دلاتی سونیا نوید کی ایک لاجواب تحریر

Digestlibrary.com

اندرونِ لاہور کی تنگ اور تاریک گلیوں میں اگر گھستے چلے جائیں، یہاں تک کہ حکیم عبداللطیع کا معجونوں اور عروق و سفوف سے بھرا چوبارا بھی گزر جائے اور نکڑ والے گامے حلوائی کی کڑاہی سے نکلتی گرم اور شیرے میں ڈوبی جلیبیوں کی خوشبو بھی ماند پڑنے لگے۔ تو اچانک سے دلی سرائے کی عمارت نظروں کے سامنے آجاتی ہے۔

خستہ حال اور بوسیدہ..... گلی میں تعمیر شدہ دیگر

Scanned with CamScanner

digest library.com

مکانوں کی طرح مختصر راستے پر سا قدیم طرز کا بدنما سا مون۔ عمارت کے چہرے پر موٹی کیلوں کی مدد سے ٹھونکی گئی ہرے رنگ کی روغن زدہ لکڑی کی تختی پر لکھے ''ولی سرائے'' کے الفاظ اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ یہ ایک سستا سا نچلے درجے کا ہوٹل ہے۔

آیئے، اب ذرا سرائے کے اندر کا حال بھی جان لیتے ہیں۔ داخلی دروازہ اندر کی جانب ایک لال اینٹوں کے فرش والے صحن میں کھلتا ہے جس کے چاروں طرف کمرے بنے ہیں۔ دروازے کے برابر دائیں جانب سے سیڑھیاں ایک تنگ و تاریک سرنگ نما رستے سے چکر کھاتی اوپر کی منزلوں کو جاتی ہیں۔ دروازے کے بائیں جانب ایک غسل خانہ ہے جس میں لوہے کا بڑا سا ٹب ڈونگے سمیت ہمہ وقت پانی سے بھرا رہتا ہے۔ صابن اور تولیا البتہ نہانے والا خود اپنے ساتھ اندر لے کر جاتا ہے۔

صحن کے اطراف بنے کمروں میں سے ایک جانب کے کمرے کو باورچی خانے کے طور پر اور دوسری جانب کے کمرے کو نعمت خانے کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جہاں سوکھی اشیائے خورد و نوش ذخیرہ ہوتی ہیں۔

صحن کے اوپر چھت کے درمیان میں لوہے کی سلاخوں کا ایک جنگلا ہے۔ عمارت کا نقشہ نیچے سے اوپر تک یکساں ہے اور ہر منزل کی چھت کے درمیانی حصے میں لوہے کی ایسی ہی سلاخیں گڑی ہیں۔ نچلی منزل کے صحن میں کھڑے ہو کر اوپر دیکھو تو آسمان یوں نظر آتا ہے جیسے کسی قید میں ڈالے مجرم کو زندان کے پار کی دنیا دکھتی ہوگی۔ ایسی دنیا، جس کی کھلی اور آزاد فضاؤں کی ہلکی سی جھلک زندان کی گھٹن کا اور بھی شدت سے احساس دلاتی ہو۔

گھٹن زدہ ہی سہی۔ مگر ان سلاخوں کے درمیان سے چھن کر آنے والی مختصر سی روشنی نچلی منزلوں کو قبر سے بھی زیادہ تاریک اور خوفناک ہونے سے بچالیتی ہے۔

سرائے کی ہر منزل مخصوص لوگوں کے لیے مختص ہے۔ سب سے اوپر والی ہوادار اور روشن منزل پر اہلِ خانہ کا ٹھکانا ہے۔ درمیانی منزل کے چار کمرے سرائے میں ٹھہرنے والے مہمانوں اور مسافروں کے لیے مخصوص ہیں۔ سب سے نچلی منزل پر باورچی خانے اور نعمت خانے کے علاوہ ایک عدد بیٹھک بھی ہے جو سرائے کا سب سے کشادہ اور سب سے کم استعمال ہونے والا کمرا ہے۔ پرانی دلی سے ساتھ لائی گئی یادگاریں اب صرف اس بیٹھک تک ہی محدود ہو کر رہ گئی ہیں۔ ماسوائے سلیم بھائی کے۔

مرزا سلیم، عرف سلیم بھائی، اس مکان نما عمارت کے مالک مکان اور ولی سرائے کے کرتا دھرتا ہیں جو دلی سے کی گئی ہجرت کو دو، تین دہائیاں گزر جانے کے باوجود بھی دلی کے رہن سہن کو اب تک سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔

تو یہ ہے لاہور کی گنجلک گلیوں کے درمیان بسا ہوا ہمارا چھوٹا سا دلی سرائے۔

☆☆☆

ولی سرائے میں صبح کی شروعات خاصی ہنگامہ خیز انداز میں ہوتی تھی۔ فجر کی اذان کے ساتھ بیدار ہونے والے سلیم بھائی نماز اور تسبیحات سے فارغ ہوتے ہی اپنے روز مرہ کے معمول کی شروعات کر دیتے۔ اس کے بعد کسی کا بھی سرائے میں سوئے پڑے رہنا ممکن نہیں رہتا۔

''ارے چھٹن میاں، پیاز ذرا باریک کترے گا۔ کل کی طرح الگ، الگ ڈی زائن (ڈیزائن) کے بھدے اور موٹے نہیں جو شوربے میں آدھے جلے اور آدھے کچے تیر رہے ہوں۔ اور میاں اختر، آپ بھی دانت نکوسنا بند کیجیے اور جا کر سل پر مسالا پیس کر تیار کریے۔ کاروبار کا وقت نکلا جا رہا ہے۔''

سلیم بھائی کو فخر تھا کہ وہ جدی پشتی خانساماؤں کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں اور ان جیسا طعام کوئی تیار نہیں کر سکتا۔

سلیم بھائی کا یہ دعویٰ کسی حد تک درست بھی تھا۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

دلی سرائے میں ٹھہرے مہمانوں کی تعداد چاہے کم ہو یا زیادہ۔ مگر صبح ہی صبح تازہ تلی کچوری، پوری حلوا اور آلو چنے کا ناشتا لینے کے لیے آئے لوگوں کا رش لگ جاتا جنہیں سلیم بھائی گلی میں کھلنے والی باورچی خانے کی کھڑکی کا شٹر اٹھا کر یہ سب چیزیں تھماتے تھے۔

"اختر میاں۔ جلدی سے کڑاہی دھریے آگ پر۔ ابے چھٹن، یہ سوجی بھگو کر کہاں رکھ دی تو نے؟"

تیسری منزل پر اپنے بستر پر لیٹے فیروز نے جھنجلا کر تکیے پر اپنا سر پٹخا۔ کڑچھوں اور دیگچوں کی کھڑ پٹر کے ساتھ سلیم بھائی کا صبح سویرے جاری ہونے والا ہدایت نامہ بھی پورے سرائے میں گونج رہا تھا۔

روشنی اور ہوا کی آمد و رفت کے لیے تمام منزلوں کے فرشوں کے محض سلاخوں سے پر کیے درمیانی حصوں کا ایک نقصان یہ بھی تھا کہ آوازیں ایک سے دوسری اور دوسری سے تیسری منزل کے درمیان بلا روک ٹوک سفر کرتی تھیں۔ کسی اعلیٰ پائے کے فلمی تھیٹر کے مقابلے کا صوتی نظام تھا دلی سرائے کا۔ اتنا پُراثر کہ سلیم بھائی کو فیروز کو تیسری منزل سے نیچے طلب کرنے کے لیے کسی کو اوپر بھیجنے کی ضرورت نہیں پیش آتی تھی۔ وہیں صحن میں جنگلے کے نیچے کھڑے ہو کر نام لیا اور پکار عمارت کے ہر کونے سے چکر کھاتی، گھومتی، فیروز کے کانوں تک پہنچ جاتی۔ اگر فیروز کبھی جواب دینے میں آلکسی دکھاتا تو اس پکار میں درمیانی منزل پر ٹھہرے مہمانوں کی یاد دہانیاں بھی شامل ہو جاتیں۔

"اے بیٹا فیروز، باپ کب سے پکار رہا ہے تمہیں، جواب تو دے دو۔"

آنکھ کب کی کھل چکی تھی مگر فیروز ہٹ دھرمی سے بستر پر آنکھیں میچ کر لیٹا روٹھی نیند کو منانے کی کوشش کر رہا تھا۔ نیچے مہمانوں کے لیے مختص درمیانی منزل پر مائی جنتاں موٹے تنکے والی جھاڑو سے دگڑ دگڑ کر صفائی کر رہی تھی۔

ٹھک، ٹھاہ، ٹھک۔ مائی جنتاں نے درمیانی منزل کی لیٹرین کا دروازہ زور سے بجایا۔

"اے بنگلا بابو۔ اندر سو گیا کیا؟ باہر نکل۔ میرے کو لیٹرین کی صفائی کرنی ہے۔"

مائی جنتاں کی کراری آواز سیدھی فیروز کی کھوپڑی میں آ کر لگی۔

"کیا مصیبت ہے۔" فیروز نے تلملا کر سرہانے رکھا تکیہ اٹھا کر دور پھینکا۔

☆☆☆

دور کہیں سے ریل گاڑی کی سیٹی کی آواز ہوا کے دوش پر تیرتی ہوئی آئی۔ چھت پر بیٹھی اللہ رکھی کے مٹر چھیلتے ہاتھ لمحہ بھر کو رکے، آنکھیں سامنے کسی نہ دکھائی دینے والے نقطے پر ٹھہر سی گئیں۔ ذہن نے کچھ یاد کرنے کی تگ و دو کی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ اللہ رکھی کی آنکھوں میں آیا سوچ کا تاثر مدھم ہو کر ختم ہو گیا۔

مائی اللہ رکھی۔ سفید کھچڑی بال، بڑھاپے سے جھکا نحیف جسم، کھنے والی ہوش و مدہوشی کی دہلیز پر کھڑی دلی سرائے کی ایک مستقل مکین..... وہ اصل میں کون تھی؟ کہاں سے آئی تھی؟ یہ کسی کو بھی ٹھیک سے معلوم نہیں تھا۔ سلیم بھائی کے والد مرزا شہنشاہ، تقسیم پاک و ہند کے بعد بنائے گئے ڈھیروں مہاجر کیمپوں میں سے کسی ایک میں سے اسے اٹھا کر لائے تھے۔

"یہ کون ہے ابا میاں؟" مرزا سلیم نے مرزا شہنشاہ سے حیرت کے عالم میں استفسار کیا تھا جب وہ برسوں پہلے ایک مخبوط الحواس بڑھیا کو سرائے کی دہلیز پار کرا کر اندر لا رہے تھے۔

"ہے ایک بدنصیب لاوارث۔" مرزا شہنشاہ نے جواب دیا تھا۔ "اپنے قافلے کے ساتھ ہجرت کر کے نئی سرزمین کی جانب آ رہی تھی کہ راستے میں بلوائیوں نے گھیر لیا۔ ظالم درندوں نے بے دردی سے نہتے مسلمان مسافروں کے ٹکڑے، ٹکڑے کر ڈالے۔ اس کی قسمت اچھی تھی کہ بچ گئی مگر بربریت کے اس مظاہرے کو دیکھ کر اپنے حواس کھو بیٹھی۔ قافلے کے ایک اور بچ جانے والے نیک صفت مسافر نے سرحد پار کرا کر مہاجر کیمپ میں پہنچا دیا۔"

"اس کا نام کیا ہے؟" مرزا سلیم نے تذبذب

Scanned with CamScanner

digest library.com

کے عالم میں سر سے پیر تک چادر میں لپٹی عورت کو دیکھا جو بغل میں کپڑے کی گٹھری متاعِ حیات کی طرح دبوچے کھڑی تھی۔

"اسے اللہ نے ظالموں سے بچائے رکھا اس لیے اس کا نام آج سے اللہ رکھی ہے۔" مرزا شہنشاہ نے جواب دیا تھا۔

مرزا سلیم کو اگر ایک ہوش و حواس سے بیگانہ بڑھیا کو گھر میں رکھنے پر اعتراض تھا بھی تو پرانی روایات کے مطابق دی گئی تربیت میں اطاعت کا سبق کچھ اس طرح گھٹی میں شامل تھا کہ وہ باپ کے فیصلے سے انحراف کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اتنے سال گزر جانے کے بعد بھی اللہ رکھی کی ذہنی حالت میں تو کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی البتہ اس کا جھکا ہوا کمزور وجود کچھ اور بھی جھک گیا۔ بالوں میں چھلکتی سفیدی مکمل برف میں ڈھل گئی اور چہرے اور ہاتھوں کی سلوٹوں میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔ سلیم بھائی کو یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار نہیں تھا کہ اللہ رکھی ایک معصوم اور بے ضرر عورت ہے۔ اسے جو کھلایا اس نے کھالیا، جو پہننے کو دیا پہن لیا، جو چھوٹا موٹا کام ذمے لگایا وہ کر دیا۔ اس نے کبھی کسی چیز سے انکار کیا نہ خود سے کبھی کچھ مانگا۔ اس کا ٹھکانا ابھی تک چھت پر بنی وہ چھوٹی سی کوٹھڑی تھی جہاں اسے روز اول لا کر ٹھہرایا گیا تھا۔ اللہ رکھی میں ملکیت جتانے کی تھوڑی سی بھی حس باقی ہوتی تو وہ اتنی دہائیوں کی رہائش کے بعد چھت پر اپنا مکمل قبضہ جما چکی ہوتی۔ مگر اللہ رکھی اب ان تمام دنیاوی خواہشات سے مبرا ہو چکی تھی۔

افق کے پار جی اللہ رکھی کی نظر دھیرے دھیرے ہاتھ میں تھامی مٹر کی پھلی کی طرف لوٹ آئی۔ اس نے پھلی کے شکم میں ناخن کی مدد سے چیرا دے کر اسے بند کمرے کے کواڑ کی طرح آہستہ سے کھولا اور اندر کی سبز دانوں کی لڑی کو انگوٹھے کے دباؤ سے خول کی قید سے آزاد کر کے گود میں رکھی ٹوکری میں گرا دیا۔ کچھ دیر پہلے گزرنے والی ریل گاڑی کی سیٹی مائی کے ذہن سے بالکل خارج ہو چکی تھی۔

☆☆☆

ولی سرائے کی بنیاد مرزا سلیم کے مرحوم والد، مرزا شہنشاہ کے ہاتھوں ڈلی تھی۔ پر یہ سرائے پرانے لاہور کی بھول بھلیوں جیسی گلیوں میں نہیں بلکہ سرحد پار پرانی دلی میں واقع تھا۔ مرزا شہنشاہ کے آباؤ اجداد نسلوں سے خانساماں گیری کے پیشے سے وابستہ تھے۔ ان کے لذیذ پکوانوں کے خاندانی نسخے اور ترکیبیں نسل در نسل سفر طے کرتی ہوئی مرزا شہنشاہ تک منتقل ہوئی تھیں۔

کھاری باؤلی، دریا گنج، کوچہ چیلاں، پرانی دلی کا کون سا ایسا محلہ تھا جہاں مرزا شہنشاہ کے پکائے کھانوں کی دھوم نہ تھی۔ پرانی دلی مرزا شہنشاہ کی دلی تھی۔ ان کی اولین محبت..... مرزا شہنشاہ اور دلی کا رشتہ عاشق و معشوق کا رشتہ تھا۔ جان جائے تو جائے، پر ساتھ نہ جائے۔ پر حالات و واقعات ہمیشہ انسان کی مرضی کے مطابق نہیں رہتے۔ دلی سے ہجرت کا فیصلہ مرزا سلیم کا تھا۔

مرزا سلیم، مرزا شہنشاہ کی یکے بعد دیگرے بچپن ہی میں وفات پا جانے والی ڈھیروں اولاد کے بعد جنم لینے والی وہ واحد اولاد، جو اس وقت سن بلوغت کو پہنچی جب مرزا شہنشاہ کے ہاتھوں میں رعشہ آ چکا تھا اور بینائی میں بڑھتی عمر نے دھندلاہٹیں گھول دی تھیں۔ دلی سے انسیت مرزا سلیم کو بھی تھی مگر اس لگاؤ میں مرزا شہنشاہ والی شدت نہیں تھی۔ سن 47ء میں کھیلی جانے والی خون کی ہولی جس نے پہاڑ گنج کی سڑکوں کو نہتے مسلمانوں کے خون سے رنگ دیا، مرزا سلیم کو دہلا گئی۔ رہی سہی کسر میونسپلٹی کے ہیلتھ افسر، ڈاکٹر مفتی کے قتل نے پوری کر دی جو پہاڑ گنج میں اس جگہ کی صفائی کا معائنہ کرنے گئے تھے جہاں نہتے مسلمانوں کا خون بہا تھا اور ساتھ معائنے کے لیے جانے والے انہی کے ہندو ماتحتوں نے ڈاکٹر مفتی کے بھی ٹکڑے، ٹکڑے کر ڈالے۔ اب یہ محض اتفاق تھا کہ ڈاکٹر مفتی، مرزا شہنشاہ کے کھانوں کے مداح تھے اور ان سے ربط ملیک سلیک بھی رکھتے تھے۔ ڈاکٹر مفتی کے قتل کی خبر کے ساتھ ہی مرزا شہنشاہ کی دلی کبھی نہ چھوڑنے کی ضد بھی بھربھری

Scanned with CamScanner

digest library.com

مٹی کے ڈھیر کی طرح ڈھے گئی۔

جامع مسجد کے میناروں کے سائے سے نکل کر بادشاہی مسجد کے پہلو میں آبسنے کا سفر آسان نہیں تھا۔ حالیہ دلی سرائے کا نام مرزا شہنشاہ کا ہی دیا ہوا تھا۔ یہ ان کی اپنے محبوب شہر سے تعلق جوڑے رکھنے کی ایک بیکار سی کوشش تھی۔ اب یہ مرزا شہنشاہ کی بدقسمتی تھی کہ تقسیم پاک و ہند کے برسوں گزر جانے کے بعد بھی ان کے مشہور زمانہ پکوانوں کی شہرت محلے کی چند گلیوں اور سرائے میں آ کر ٹھہرے چند مہمانوں سے آگے نہ جا سکی۔

☆☆☆

"اے بہار گواہ رہنا، اے نگار گواہ رہنا
دونوں نے زندگی بھر ساتھ رہنے کی قسم کھائی ہے"

فیروز گنگناتا ہوا سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ زبان پر رات دیکھی فلم کا گیت اور ذہن کے پردے پر فلم کے خوب صورت مناظر گھوم رہے تھے۔ تصور ہی تصور میں وہ محمد علی کی جگہ خود کو شمیم آرا کا ہاتھ تھامے، پہاڑی وادیوں میں گیت گاتا جھومتا دیکھ رہا تھا۔

"برخوردار، ذرا یہاں تشریف لائیں۔"

ایسے حسین خیالوں کے درمیان سلیم بھائی کی کرخت آواز کانوں میں یوں چبھتی ہوئی اتری جیسے کسی نے کان میں گرم سیسہ انڈیل دیا ہو۔ شمیم آرا کا صبیح چہرہ، خوشنما پہاڑی وادیاں، سب اڑنچھو ہو گیا۔ فیروز سخت بدمزہ ہوا۔

بدقسمتی سے سیڑھیوں کا آخری چکر پہلی منزل کے صحن میں آ کر ختم ہوتا تھا جہاں سلیم بھائی کڑاہیوں اور دیگچوں کے بیچ گھرے بیٹھے تھے۔

"جی ابا جان۔" فیروز نے سامنے آ کر بیزاری سے کہا۔

"تشریف رکھیے۔"

ایک گولے سے بھرے غلاف والے موڑھے پر سلیم بھائی خود بیٹھے تھے، دوسرا ہاتھ کے اشارے سے فیروز کو پیش کیا۔

"رات کہاں تھے آپ؟"

غزل

تیرے اردگرد وہ شور تھا مری بات بیچ میں رہ گئی
نہ میں کہہ سکا نہ تو سن سکا مری بات بیچ میں رہ گئی
مرے دل کو درد سے بھر گیا مجھے بے یقین سا کر گیا
تیرا ہات، ہات پہ ٹوکنا مری بات بیچ میں رہ گئی
ترے شہر میں مرا ہم سفر وہ دکھوں کا جم غفیر تھا
مجھے راستہ نہیں مل سکا مری بات بیچ میں رہ گئی
"وہ جو خواب تھے مرے سامنے جو سراب تھے مرے سامنے
میں انہی میں ایسے الجھ گیا مری بات بیچ میں رہ گئی
تھا جو شور میری صداؤں کا مری نیم شب کی دعاؤں کا
ہوا لمحہ لمحہ جو سرا فنا مری بات بیچ میں رہ گئی
تری کھڑکیوں پہ جھکے ہوئے کئی پھول تھے ہمیں دیکھتے
تری چھت پہ چاند ٹھہر گیا مری بات بیچ میں رہ گئی
مری زندگی میں جو لوگ تھے مرے آس پاس سے اٹھ گئے
میں تو رہ گیا انہیں روکتا مری بات بیچ میں رہ گئی
تری بے رخی کے حصار میں ہم زندگی کے فشار میں
مرا سارا وقت نکل گیا مری بات بیچ میں رہ گئی
مجھے وہم تھا ترے سامنے نہیں کھل سکے گی زباں مری
سو حقیقتاً بھی وہی ہوا مری بات بیچ میں رہ گئی

کلام: امجد اسلام امجد
پسند: ثوبیہ، پنجاب

غزل

یاد رکھو گے ایسا تحفہ بھیجوں گی
اپنی آنکھ کا بہتا دریا بھیجوں گی
میری آنکھ میں ہجر سمندر بہتا ہے
پاس رہو گے پھر بھی پیاسا بھیجوں گی
تم پردیس سے واپس بھی آ سکتے ہو
تم کو پیار بھرا سندیسہ بھیجوں گی
کاش تمہاری آنکھ سے جل تھل ہو جائے
دھوپ کا جنگل، درد کا صحرا بھیجوں گی
خط میں آنسو کچھ تصویریں میری ہیں
بھیگی آنکھیں بھیگا چہرہ بھیجوں گی
فری کیسے پیار ہوا اک لڑکے سے
چاہت سے بھرپور خلاصہ بھیجوں گی

کلام: فریدہ جاوید فری، لاہور

Scanned with CamScanner

digest library.com

"افضل کے ساتھ فلم دیکھنے گیا تھا۔" فیروز نے گلا کھنکھار کر صاف کرتے ہوئے احتیاط سے جواب دیا۔

"اتنی رات گئے؟"

"دن کے ٹکٹ نہیں ملے۔ کل فلم "صائقہ" کی ریلیز کا پہلا دن تھا۔ رش بہت زیادہ تھا۔" فیروز نے موڑھے پر پہلو بدلا۔

"تو برخوردار یہ کس کتاب میں لکھا ہے کہ ریلیز کے پہلے روز ہی فلم دیکھنا لازمی ہے۔" سلیم بھائی کی آواز میں غصہ چھلکنے لگا۔

"آئندہ گھر کے تمام دروازے رات کے نو بجے کے بعد مقفل کر دیے جائیں گے۔ اگر آپ اس وقت تک گھر کے اندر تشریف نہ لا چکے ہوئے تو بقیہ رات بھی گھر سے باہر ہی گزارنے گا۔ آئی بات سمجھ میں؟"

"جی۔" فیروز سرخ چہرے کے ساتھ موڑھے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"اور یہ بالوں کو کنگا کر کے سلیقے سے سنوارلے۔ ایسے حلیے میں باہر مت نکل جایئے گا۔ لوگ دیوانہ سمجھیں گے۔" سلیم بھائی نے فلم اسٹار درپن کے اسٹائل میں ماتھے پر گرائی گئی لٹ کو دیکھ کر فیروز کی طبیعت صاف کر دی۔ فیروز تلملاتا، پیر پٹختا وہاں سے چلا گیا۔

فیروز کا فلمیں دیکھنے کا جنون سلیم بھائی سے پوشیدہ نہیں تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ٹکٹ کے پیسے وہ اپنی ماں سے وقتاً فوقتاً بٹور کر لے جاتا ہے۔ سلیم بھائی کو صفائی والی مائی جناں نے پلنگ کے نیچے چھپا کر رکھے چھوٹے سے ٹرانزسٹر ریڈیو کے بارے میں بھی بتایا ہوا تھا جس پر وہ کمبائنڈ کے گانے سنتا تھا۔ سلیم بھائی نے کبھی ان چیزوں کے بارے میں فیروز سے استفسار نہیں کیا کیونکہ یہ سب کچھ فیروز ان سے چھپ کر کرتا تھا۔ ابھی تک کچھ شرم اور جھجک فیروز میں باقی تھی جو اسے باپ کے سامنے اپنے شوق کا کھلم کھلا اظہار کرنے سے روک دیتی تھی۔ سلیم بھائی فیروز کی جھجک ٹوٹ جانے سے ڈرتے تھے۔☆☆☆

"ابے دھیان سے۔" سلیم بھائی نے لپک کر چھٹن کے ہاتھ سے پھسلتی تلوار کو تھاما۔

"معلوم بھی ہے کس قدر تاریخی تلوار ہے یہ؟" سلیم بھائی نے عقیدت سے چمکتی نیام پر ہاتھ پھیرا۔ دستے پر ہلکا سا زور ڈالتے ہی تلوار میان سے باہر پھسلتی چلی آئی۔

اتوار کا دن بیٹھک میں بچی نوادرات کی صفائی کا دن ہوتا تھا۔ اس دن سلیم بھائی اپنی نگرانی میں عظمتِ رفتہ کے نادر نمونوں کی جھاڑ پونچھ کرواتے تھے۔

"واہ شولیم بھوائی۔ کیا گوجب کی کولاکاری ہے۔"

(واہ سلیم بھائی۔ کیا غضب کی کلاکاری ہے)

بنگلا بابو نے تلوار کی منقش دستھی کو سراہا جس کا ہلالی پھل سوئی کی سی باریک نوک پر جا کر ختم ہو رہا تھا۔

درمیانی منزل پر ٹھہرے صوفی جان اور چٹا کانگ والے بنگلا بابو بھی چھٹی کا دن گزارنے بیٹھک میں اتر آئے تھے۔

"غضب کی کلاکاری کیسے نہ ہو بابو۔ جھجھر کے نواب کی خاندانی تلوار ہے۔ چل چھٹن مہمانوں کے لیے چائے لے کر آ۔" سلیم بھائی نے جھاڑ پونچھ کرتے چھٹن کو کمرے سے باہر دھکیلا۔

"ہمارے دادا مرحوم، نواب جھجھر کے شاہی باورچی خانے کے خانساماں اعلیٰ تھے۔ یہ تلوار نواب صاحب نے ان کی خدمت کے عوض انہیں تحفے میں عطا کی تھی۔"

سلیم بھائی نے تلوار کو میان میں ڈال کر واپس دیوار پر لٹکایا اور ایک جنگجو کی کمر سے کھل کر سرائے کی دیوار پر آ لٹکنے والی تلوار کی تاریخی داستان کو مہمانوں کے گوش گزار کرنے کی شروعات کی۔

"بڑے دیالو انسان تھے نواب عبدالرحمٰن خان۔ کیا شان تھی ان کے دربار کی۔ کیا دبدبہ تھا ان کی شخصیت میں۔ حسن اتنا کہ دیکھنے والے کی نظر نہ ٹھہرے۔ دلیر اتنے کہ شیر چیتوں پر سواری کریں۔ ہک ہا..... پر قسمت

Scanned with CamScanner

digest library.com

نے ساتھ نہ دیا۔ سوئے انگریزوں نے 1857ء کی جنگِ آزادی میں وطن پرستوں کا ساتھ دینے کے جرم میں انہیں سولی چڑھا دیا۔ کیسے کیسے ہیرا صفت لوگ تھے جو مٹی میں جا ملے۔" سلیم بھائی نے گہری سانس لی۔

"خیر، اب تو وہ زمانے رہے نہ وہ دریا دل لوگ جو نوازنے پر آئیں تو خزانے لٹا دیں۔ یہ تسبیح دیکھ رہے ہیں آپ؟" سلیم بھائی نے چاندی کے پیالے میں رکھی یاقوتی پتھر کی تسبیح انگلیوں میں اٹھا کر صوفی جان اور بنگالی بابو کے سامنے لہرائی۔ "کیسی سرخ انار کی سی رنگت ہے پتھر کی۔ یہ دلی کی مشہور مغنیہ نے ابا مرحوم کو عنایت کی تھی۔ بارہ برس ابا میاں نے ان کا باورچی خانہ سنبھالے رکھا۔ کیا غضب کی گائیکہ تھیں۔ سُر تال پر کیا کمال گرفت تھی ان کی۔ سُر چھیڑتیں تو چلتی ہواؤں کے رخ بدل جاتے، بہتا پانی بھی آواز کی جاشنی کا مزہ لینے کو ٹھہر جاتا۔ بڑے بڑے وزرا، گلیکٹر، کمشنران کے فن کے مداح تھے اور اپنی دعوتوں کو چار چاند لگانے کے لیے انہیں مدعو کیا کرتے تھے۔ ابا بتاتے تھے کہ 1911ء کے دلی دربار میں شاہ برطانیہ، جارج پنجم اور ملکہ میری کے سامنے فن کا مظاہرہ کرنے کے لیے انہیں بطورِ خاص مدعو کیا گیا اور ان کی خدمات کے عوض، شاہ و ملکہ برطانیہ کی چھاپ والا چاندی کا تمغہ بھی ان کی نذر کیا گیا۔ وہ دلی دربار کے کچھ ہی عرصے بعد حج بیت اللہ کی غرض سے مکہ شریف تشریف لے گئیں۔ وہاں اللہ نے ایسا دل پلٹا کہ سُر سنگیت سے ہمیشہ کے لیے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ جو انگلیاں ستار کے تاروں کو چھیڑ کر مدھر سنگیت بکھیرتی تھیں، تسبیح کے دانے گرانے میں مشغول ہو گئیں۔ وہ موسیقی کی محفلیں، وہ مدح سرائیاں، سب قصۂ پارینہ ہوئیں۔ ایسی دو تسبیحاں مدینہ شریف سے لے کر آئی تھیں۔ ایک اپنے پاس رکھی، دوسری ابا مرحوم کو عنایت کی۔" سلیم بھائی نے تسبیح کے انگارے جیسے سرخ پتھروں کو عقیدت سے چوم کر واپس پیالے میں رکھا۔

"ابا میاں بتاتے تھے کہ پرانی دلی میں اپنے خود کے کاروبار کی داغ بیل ڈالنے کے واسطے ابتدائی سرمایہ بھی انہی خاتون نے ان کو عطا کیا تھا۔ ابا میاں دلی سرائے کو اس مہمان مغنیہ کے ہی قدموں کی دھول گردانتے تھے۔" سلیم بھائی نے بتایا۔

"اب سمجھ میں آیا آپ کے ہاتھ کے ذائقے کا راز سلیم بھائی۔ یہ بادشاہوں کے پکوان ہیں جو ہم غریبوں کے پیٹ میں اتر رہے ہیں۔" صوفی جان نے تعریف کرنے میں کنجوسی سے کام نہیں لیا۔

"نوازش ہے آپ کی۔" سلیم بھائی نے کہا۔

"اب تو بادشاہ رہے، نہ بادشاہوں کے پکوان۔ ہر دور کے حکمران الگ۔ جس کی قسمت کا ستارہ چمک جائے وہی شاہِ وقت۔"

"بے شوک، بے شوک۔" (بے شک، بے شک) بنگلا بابو نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔

"چلیے چھوڑیے ان قصوں کو۔ یہ تو چلتے ہی رہیں گے۔ آپ چائے لیجیے۔"

سلیم بھائی نے چھٹن کی طرف اشارہ کر کے کہا جو ٹرے میں دھری چائے کی پیالیاں لیے اندر آ رہا تھا۔

☆☆☆

افضل نے سیڑھیوں کے بیچ رک کر اپنی پھولی ناہموار سانسوں کو قابو میں لانے کی کوشش کی۔ نہ جانے کتنی سیڑھیاں چڑھ آیا تھا اور کتنی ابھی باقی تھیں۔ افضل کو اندرونِ شہر کے پرانے مکانوں کی یہی ایک چیز بری لگتی تھی۔ منزل کے اوپر نئی منزل اور ان منزلوں تک رسائی کے لیے اوپر ہی اوپر چڑھتی ان گنت سیڑھیاں۔ ایسا لگتا تھا کہ پرانے معمار سیڑھیوں کے ذریعے آسمان تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

ایسا نہیں تھا کہ خود افضل کسی پوش علاقے میں بنے بنگلے کا رہائشی تھا۔ اس کا اپنا چار منزلہ مکان بھی گوال منڈی کی تنگ و پیچیدہ گلیوں میں واقع تھا جہاں کبوتروں کے دڑبے کی طرح کمرے کے اوپر کمرا دھرا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اپنے خود کے گھر

Scanned with CamScanner

digest library.com

میں افضل نے کبھی بھی دو منزلوں سے اوپر جانے کی زحمت نہیں کی تھی اور یہاں فیروز اسے زبردستی چھت پر لے جانے پر بضد تھا۔ چھریرے بدن کا فیروز، خود تو دو دو سیڑھیاں ایک ساتھ پھلانگتا کب کا چھت پر پہنچ چکا تھا جبکہ افضل اپنے بھاری بھرکم وجود سمیت بیچ سیڑھیوں میں ہی کہیں اٹک گیا۔ جب تک افضل ہانپتا کانپتا اپنی ہاتھی جیسی جسامت کے ساتھ چھت پر پہنچا تب تک فیروز اپنا پہلا سگریٹ سلگا چکا تھا۔ افضل آخری سیڑھی پر ٹھٹک گیا۔ ٹھٹکنے کی وجہ فیروز کے ہاتھ میں دبا سگریٹ یا اس سے اٹھتے دھویں کے مرغولے نہیں تھے بلکہ فیروز کے پیچھے چھت پر بچھی چادر پر سوکھنے کے لیے لال مرچیں بکھیرتی ایک جھرجھری سے بھری بڑھیا تھی۔

"یہ؟"

افضل نے فیروز کے قریب آتے ہوئے کن انکھیوں سے مرچوں پر جھکے بوسیدہ وجود کی طرف دیکھا۔

"یہ..... یہ اللہ رکھی ہے۔" فیروز نے اللہ رکھی کی طرف حقارت سے دیکھا۔ "یہ بھی میرے دادا مرحوم کے جمع کردہ بوسیدہ اور بیکار نوادرات میں سے ایک ہے۔"

سلیم بھائی کو باپ کی چھوڑی ایک، ایک چیز سے جتنا عقیدت کی حد تک پیار تھا، فیروز کو اتنی ہی چڑ۔

"بے فکر رہو، یہ کچھ نہیں بولے گی۔ گونگی ہے۔" فیروز نے بے پروائی سے کہہ کر افضل کے حصے کا سگریٹ اسے تھمایا۔

اللہ رکھی کے چہرے کے تاثر یا جسم کی کسی حرکت سے ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ اس نے فیروز کی بات سنی ہو۔

"شاید گونگی ہونے کے ساتھ، ساتھ بہری بھی ہے۔" افضل نے سوچا۔ مگر کم از کم اندھی نہیں تھی۔ اس کا اندازہ افضل کو اسے لال مرچوں سے بھری ٹوکری میں سے ایک، ایک مرچ نکال کر چادر پر کسی آرٹ کے فن پارے کی طرح سجاتا دیکھ کر ہو گیا تھا۔

"اگر اس نے نیچے جا کر کسی کو بتا دیا؟ آخر گونگے بہرے لوگ بھی تو کسی نہ کسی طرح اپنی بات اگلے تک پہنچاتے ہیں۔" افضل کوئی فکر نے آگھیرا۔ "پھر اتنی ڈھیر ساری سیڑھیاں اوپر چڑھ کر آنے کا کیا فائدہ ہوا؟" افضل نے مزید بددلی سے سوچا۔ فیروز لاکھ بڑبولا اور باغی طبیعت کا سہی، مگر دل میں ابھی باپ کا اتنا خوف باقی تھا کہ پکڑے جانے کے ڈر سے نیچے کے کسی کمرے میں سگریٹ نوشی کا شوق پورا کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ افضل کو پکڑے جانے کے ڈر سے زیادہ فضول میں اتنی سیڑھیاں اوپر چڑھ کر آنے کا قلق تھا۔ پھر اس نے فیروز کے بے خوف رویے کو دیکھ کر ڈھارس پکڑی۔ "اگر فیروز کو مخبری کی فکر نہیں تو پھر واقعی بڑھیا بے ضرر ہوگی۔ اور بالفرض اگر پکڑے بھی گئے تو چھترول تو فیروز کی ہوگی۔ میں تو مہمان ہوں۔ پتلی گلی سے نکل لوں گا۔" افضل نے مطمئن ہو کر سگریٹ کا لمبا سا کش بھرا۔

سامنے فیروز چھت کی منڈیر سے ٹیک لگائے کھڑا منہ سے دھویں کے چھلے نکال رہا تھا۔ گول، روپے کے برابر چھلا جو فیروز کے منہ سے خارج ہو کر پس منظر میں دکھنے والے نوتعمیر شدہ یادگارِ پاکستان کو اپنے حجم میں سمیٹتا اوپر کو اٹھتا اور مینار کی نوک سے خارج ہو کر ہوا میں تحلیل ہو جاتا۔

مینارِ پاکستان۔ اندرون شہر کے مکانوں کی چھتوں کے پار، قلعے کی مضبوط فصیلوں سے ہٹ کے کھڑا ایک سفید برج۔

ایک شاندار عمارت ماضی کی عظمتوں کی گواہ اور دوسری عہدِ حاضر کے ایک معجزے کا نشان۔ ایسا معجزہ جو ایک اجلاس میں پیش کی گئی قرارداد سے شروع ہو کر ایک آزاد مملکت کی صورت پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

فیروز کی طرح افضل بھی پیدائشی پاکستانی تھا۔ ایک وطن کی شہریت سے دوسری پر منتقل ہونے کا مرحلہ دونوں میں سے کسی نے بھی طے نہیں کیا تھا لیکن فیروز کے آبا کے برعکس، افضل کے بزرگوں کو اپنا گھر بار چھوڑ کر نئی اور انجان جگہ پر اپنی زندگی از سرِ نو شروع کرنے کا کشٹ نہیں اٹھانا پڑا تھا۔ وہ پشتوں سے

Scanned with CamScanner

digest library.com

گوال منڈی کے اسی گھر میں مقیم تھے جہاں اب بھی افضل کی رہائش تھی۔

فیروز کی دیکھا دیکھی افضل نے بھی ہونٹ سکیڑ کر سگریٹ کے دھویں کو دائرے کی صورت خارج کرنا چاہا مگر کوشش کے باوجود دھواں بدہیت بھاپ کی صورت ہوا میں اِدھر اُدھر بکھر گیا۔ افضل نے ہاتھ میں تھامے سگریٹ کے ٹکڑے کو یوں ناگواری سے دیکھا جیسے ہوا میں گھلتے ان بدوضع مرغولوں کے پیچھے اس کی اپنی نااہلی نہیں بلکہ سگریٹ کا قصور ہو۔ ایک لمحے کے لیے افضل کا جی کیا کہ سگریٹ کے ٹکڑے کو پیروں کے پاس لگے جنگلے میں سے نیچے پھینک کر سلاخوں کے پار، صحن کے سرخ اینٹوں والے فرش پر گرتا دیکھے۔ اس کے بعد کتنی دیر لگے گی سلیم بھائی کو آسمان سے گرے سگریٹ کے اس ٹکڑے کے پیچھے چھپی کہانی کو سمجھنے میں؟ انگلیوں کے بیچ دبے سگریٹ پر گرفت ڈھیلی ہونے اور فیروز کی باپ کے ہاتھوں بننے والی متوقع درگت والے کمینے خیال کے حقیقت میں تبدیل ہونے سے قبل افضل سر جھٹکتا جنگلے سے پرے ہٹ گیا۔

افضل کے ان غیر دوستانہ نوعیت کے خیالوں سے بے خبر فیروز کبوتروں کے پنجرے میں آدھا دھڑ گھسائے بیٹھا تھا۔ ایک زمانے میں چھت کے کونے میں یہ پنجرے فیروز کے کبوتر بازی کے شوق کو پورا کرنے کے لیے بنوائے گئے تھے۔ وقت کے ساتھ کبوتر بھی مرمرا گئے اور فیروز کا شوق بھی ختم ہو گیا۔ اب ان خالی پنجروں میں کاٹھ کباڑ اور زمانے بھر کا فالتو سامان بھرا رہتا تھا۔

اللہ رکھی نے مرچوں کی خالی ہوئی ٹوکری کو الٹا کر کے جھٹکا اور پانی کے چھینٹے دے کر بھائی انگیٹھی کے باہر منہ سے دھواں نکالتے افضل کو نظر انداز کرتی ہوئی سیڑھیاں اترتی نیچے چلی گئی۔ افضل پر اس لمحے اچانک ادراک ہوا کہ بڑھیا سے مخبری کا خطرہ نہ ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ بڑھیا کی ذات غیر اہم اور بے ضرر ہے بلکہ یہ ہے کہ بڑھیا کی نظر میں وہ اور فیروز غیر اہم لوگ ہیں، جن کی حرکات و سکنات مخبری کے لائق نہیں۔

ذہن میں آئے اس نئے مگر ہتک آمیز خیال کو ہٹانے کے لیے اس نے فیروز کی سمت رخ پھیرا۔

"چل آ... پچا لڑاتے ہیں۔" افضل کے کچھ بھی کہنے سے قبل، کبوتروں کے دڑبے سے ڈور اور گڈیاں (پتنگیں) نکالتے فیروز کی پیشکش نے افضل کے ذہن میں تانے بانے بنتی سوچ کے دھاگوں کو ادھیڑ کر بھلا دیا۔

دو عدد سگریٹ پھونک لینے اور ایک گڈی کٹا لینے کے بعد سیڑھیاں اتر کر نیچے آتے ہوئے افضل نے صحن کے سرخ اینٹوں والے فرش پر گود میں بڑا سا تھال رکھ کر بیٹھی اللہ رکھی کو دال میں سے کنکر چنتے دیکھا۔ وہ اتنے ہی انہماک سے انگلیوں کی پوروں سے اٹھائے کنکر ہتھیلی پر جمع کر رہی تھی جتنے انہماک سے وہ کچھ دیر پہلے چادر پر مرچیں سجا رہی تھی۔ اردگرد کے ماحول سے قطعی بے نیاز اور بیگانہ۔

"دلی سرائے کی بھوتنی۔" افضل نے جھرجھری لے کر دروازے سے باہر نکلتے ہوئے سوچا۔

☆☆☆

سلیم بھائی جانے کتنی دیر سے نچلی منزل کے چھوٹے سے صحن میں آگے پیچھے چکر کاٹ رہے تھے۔ صحن کا فرش پکی اینٹوں کا نہ ہوتا تو ان کے قدموں تلے آنے والی جگہ سے اب تک گھس چکا ہوتا۔ جانے کیسی بے چینی تھی جو پیروں کو ٹھہرنے نہیں دے رہی تھی۔ چھٹن ایک بار دوپہر کے کھانے میں ڈالے جانے والے مسالاجات کے تناسب کا پوچھنے کے لیے رسوئی سے باہر آیا پر سلیم بھائی کے ماتھے پر پڑے بلوں کی تعداد گن کر واپس مڑ گیا۔

داخلی دروازے پر کھٹکا ہوا۔ فیروز دروازہ کھول کر اپنی رو میں گنگناتا اندر داخل ہوا۔ سلیم بھائی کے حرکت کرتے قدم اسے دیکھ کر ٹھہر گئے۔ فیروز، سلیم بھائی کو صحن کے بیچ کھڑا دیکھ کر ٹھٹکا۔ پھر کترا کر اوپر کی سمت جاتی سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔

"برخوردار، یہاں آیئے۔" سلیم بھائی نے

Scanned with CamScanner

digest library.com

سیڑھی پر قدم رکھنے سے قبل ہی فیروز کو پکار لیا۔ آواز اور لہجہ اس چیز کی اجازت نہیں دے رہا تھا کہ ان کی بات کو نظر انداز کیا جا سکے۔ اس نے گہری سانس لے کر صحن میں استادہ باپ کی طرف رخ موڑا اور خود کو ذہنی طور پر ایک اور پیشی کے لیے تیار کیا۔ کچھ عرصے سے ایسی پیشیوں میں بتدریج اضافہ ہو رہا تھا۔

''جی ابا جان۔'' فیروز نے سامنے آ کر اپنے تئیں نہایت مؤدبانہ انداز میں کہا۔

''کہاں سے تشریف لا رہے ہیں آپ؟'' سلیم بھائی کا لہجہ بدستور بے لچک تھا۔

''جی وہ..... کالج سے آ رہا ہوں ابا جان۔'' فیروز ہلکا سا گڑبڑایا۔

''وہ کالج جہاں آپ پڑھائی کی غرض سے جاتے ہیں؟'' سلیم بھائی نے عجیب سے انداز میں پوچھا۔

''جی، جی۔''

''تو پھر بتائیے۔ کیسی جا رہی ہے پڑھائی آپ کی؟''

''جی بہت اچھی ابا جان، بہترین۔'' فیروز کے لہجے میں تھوڑی سی پریشانی چھلکنے لگی۔

''پرچے کب ہیں آپ کے؟''

''بس یہی دو ڈھائی ماہ تک۔''

''اور تیاری کیسی ہے اس بار؟'' سلیم بھائی پیروں کے پنجوں پر آگے پیچھے جھول جھول کر سوال پر سوال داغ رہے تھے۔

''بہترین ابا جان۔ ایک دم فسٹ کلاس! (فرسٹ کلاس)

''سوچ کر جواب دیجیے۔ ایسا نہ ہو کہ پچھلی بار کی طرح اس بار بھی امتحان میں کامیاب نہ ہو سکیں۔''

''نہیں ابا جان۔ اس سال ایسا نہیں ہوگا۔'' فیروز کی پیشانی پر پسینے کے قطرے چمکنے لگے۔

''ہونا بھی نہیں چاہیے۔ پہلے دو سال دسویں میں ضائع کیے آپ نے اور اب یہ دوسرا سال بارھویں میں بھی جا رہا ہے۔ ہمارا ارادہ تو تھا کہ پرکھوں کی روایات کے مطابق آپ کو اپنے جدی پشتی کام میں لوٹ کرتے مگر آپ کی اماں جان کی خواہش تھی کہ ان کے اکلوتے سپوت کو پڑھا لکھا کر افسر بنایا جائے۔ ہم نے سوچا یہ خیال بھی برا نہیں۔ پر اب اس سپوت کا کیا کریں جسے پڑھنے لکھنے میں کوئی دلچسپی ہی نہ ہو۔'' سلیم بھائی کے لہجے میں غصے کے ساتھ مایوسی بھی تھی۔

''نہیں ابا جان۔'' اس بار نتیجہ پچھلے سال جیسا نہیں ہوگا۔ اس مرتبہ پرچوں کی بہت تگڑی تیاری کی ہے میں نے۔'' فیروز ہکلایا۔

''ہوں.....'' انہوں نے فیروز کو تیکھی نظروں سے دیکھا۔ ''ویسے برخوردار، یہ پرچے آپ دیں گے کہاں؟''

''جی؟'' فیروز نے حیرانی سے باپ کی طرف دیکھا۔ ''کالج کے امتحان کے کمرے میں ابا جان۔''

''اس کالج کے امتحان کے کمرے میں جہاں سے آپ کو نکالا جا چکا ہے۔'' سلیم بھائی نے فیروز کے سر پر بم پھوڑا۔ وہ چکرا کر دو قدم پیچھے ہوا۔

''صبح آپ کے کالج کی طرف سے یہ چٹھی موصول ہوئی۔'' سلیم بھائی نے جیب سے رقعہ نکالا، یعنی دوسرے لفظوں میں تھیلے میں سے بلی برآمد کی۔

''اس میں لکھا ہے کہ کالج کی فیس نہ بھرنے کی وجہ سے آپ کا نام کالج سے خارج کر دیا گیا ہے۔ یقین نہیں آیا؟ مجھے بھی نہیں آیا تھا۔ اسی لیے میں خود کالج گیا معاملے کی تحقیق کرنے۔ وہاں جا کر یہ انکشاف ہوا کہ نہ صرف آپ نے پچھلے چھ ماہ سے کالج کی فیس نہیں بھری بلکہ آپ خود بھی اتنے عرصے سے مسلسل غیر حاضر ہیں۔ چھ ماہ سے کسی نے کالج میں آپ کی شکل بھی نہیں دیکھی۔ جہاں تک میرے علم میں ہے فیس اور کالج آنے جانے کا روزمرہ کا خرچہ تو آپ اپنی والدہ سے باقاعدگی سے لیتے ہیں۔ تو سوال یہ ہے میاں صاحبزادے کہ اگر آپ کالج نہیں جا رہے اور فیس نہیں ادا کر رہے تو آپ روزانہ جاتے کہاں ہیں اور تمام پیسے کس استعمال میں لے کر آتے ہیں؟ خاموش کیوں کھڑے ہیں۔ جواب دیجیے۔''

فیروز کے پاس ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا

Scanned with CamScanner

digest library.com

پھر کم از کم ایسا کوئی جواب نہیں تھا جس سے سلیم بھائی کی تسلی ہو سکے۔ وہ سرخ چہرہ لیے سر جھکائے کھڑا رہا۔ اس نے اب غور کیا کہ سلیم بھائی کے پیروں میں پٹی والی چمڑے کی چپل تھی اور استری شدہ جوڑے پر واسکٹ بھی پہن رکھی تھی۔ یہ وہ پہناوا تھا جو سلیم بھائی سرائے سے باہر آنے جانے کے لیے استعمال کرتے تھے۔

"حد ہے۔" سلیم بھائی نے طیش کے عالم میں کالج سے آیا رقعہ فیروز کے پیروں میں پھینکا۔ "حد ہے ڈھٹائی، جھوٹ اور دوغلے پن کی۔ آپ چھ مہینے سے اپنے ہی ماں باپ کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں۔ شرم نہیں آئی ایسا کرتے ہوئے؟" ان کی آواز غصے سے لرزنے لگی۔

"بس... بہت ہو گیا۔" انہوں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ "بہت ڈھیل دے دی آپ کو۔ یہ سب اسی ڈھیل کا نتیجہ ہے۔ کل سے آپ اپنے پرکھوں کے کام کو سیکھنے کا آغاز کریں گے۔ آپ کی تربیت کی شروعات پٹھن کے ساتھ کھانے میں پڑنے والے مسالاجات کے تناسب کو سمجھنے سے شروع ہوگی۔ کل صبح پو پھٹنے ہی پٹھن منزل پر تشریف لے آیئے گا۔" سلیم بھائی نے قطعی لہجے میں کہا۔

"نہیں۔" فیروز کا جھکا ہوا سر اٹھا۔

"نہیں کا کیا مطلب؟" سلیم بھائی کی آنکھیں باہر ابل آئیں۔

"یہ کام مجھے پسند نہیں۔ میں نہیں کروں گا یہ کام۔" فیروز نے سلیم بھائی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"باپ دادا کا پیشہ آپ کو پسند نہیں۔ پڑھائی آپ سے ہوتی نہیں۔ تو پھر آپ ہی بتا دیجیے، کیا کرنا چاہتے ہیں آپ؟" سلیم بھائی نے بمشکل غصہ ضبط کیا۔

"میں فلم اسٹار بننا چاہتا ہوں۔" فیروز نے گردن اٹھا کر کہا۔

سلیم بھائی کے سر پر کوئی ٹھنڈے پانی کا گڑھا الٹا دیتا تو ان کا دماغ اتنا ماؤف نہ ہوتا جتنا فیروز کی بات

بہترین تحریریں، لاجواب روداد اور
اعلیٰ داستانیں پڑھنے والوں کے لیے
سرگزشت کا مطالعہ ضروری ہے

ماہنامہ سرگزشت کراچی

شمارہ فروری 2026ء
کی جھلکیاں

خوش نصیبی

نومولود کو والدین نے سڑک کنارے پھینک دیا، اسی بچی کو قسمت نے ہندو کی ملکہ بنا دیا

منصوبہ

مشہور سرنگ کا تذکرہ، تعمیر مکمل ہوئی کہ انجینئر نے خودکشی کر لی مگر کیوں؟

خوابی مسودہ

مصنف نے پبلشر کے خون سے پورا ناول تحریر کیا

معروف ادیب کی خودنوشت کا آخری حصہ

بددعا

ایک ایسی سچ بیانی جسے پڑھتے ہوئے آپ حیران رہ جائیں گے۔

بہت سی سچ بیانیاں، سچے قصے، تاریخی واقعات جنہیں آپ پڑھنا چاہتے ہیں آپ کو پڑھنا چاہیے

یہ شمارہ بہت خاص ہے، ضرور ملاحظہ کریں

Scanned with CamScanner

digest library.com

سن کر ہو گیا۔

فیروز کو فلموں کا شوق تھا، وہ سینما جا کر ایک ہی فلم بار بار دیکھتا تھا، ٹرانزسٹر پر فلمی گیت سنتا تھا، فلمی اداکاروں کی تصویریں بستر کے گدے کے نیچے چھپا کر رکھتا تھا، یہ سب سلیم بھائی کو معلوم تھا۔ مگر اس کا دیوانہ پن اس حد تک بڑھ گیا ہوگا، اس بات کا انہیں اندازہ نہیں تھا۔

"آپ کا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا میاں صاحبزادے؟ ہوش کے ناخن لیجیے۔ آپ کو فقط ظاہری چمک چوند نظر آ رہی ہے۔ اس چمک دمک کے پیچھے کتنی بدصورتی اور کتنا جھوٹ چھپا ہے وہ آپ کو دکھائی نہیں دے رہا۔ خدارا ایسے نامعقول کام میں پڑ کر نہ خود کو خوار کیجیے گا اور نہ ہی اس عمر میں میری عزت کا جنازہ نکالیے گا۔"

"تو باورچی بن جانے میں کون سا عزت میں چار چاند لگ جائیں گے؟ نکے نکے کے لوگوں کے آگے جھک کر کھانا پیش کرنے میں کون سی عزت محسوس ہوتی ہے آپ کو؟" فیروز نے بدتمیزی سے کہا۔

"یہ ہمارے بزرگوں کا پیشہ ہے۔ ہمارے پرکھوں کی روایات ہیں جن کی آپ تذلیل کر رہے ہیں۔ اگر آج ہم پر برا وقت آیا ہے تو کیا ہوا۔ ایک زمانہ وہ بھی تھا جب ہمارے باپ دادا کے پکوان نوابین اور رؤسا کے دسترخوان کی زینت بنا کرتے تھے۔" سلیم بھائی نے سنبھل کر کہا۔

"کہاں کے نواب؟ کون سے رؤسا؟ کبھی دیکھے ہیں آپ نے؟ کسی ایک سے بھی کبھی ملاقات ہوئی آپ کی؟ یہ نوابوں کے قصے، یہ شاہی باورچی خانوں کی داستانیں، یہ سب دادا مرحوم کے گھڑے جھوٹے قصے ہیں۔ یہ رام پور کے نواب کا بخشا چاندی کا پاندان، بھوپال کی بیگم کا عنایت کیا ہوا دوشالہ، پٹیالہ کے مہاراجا کی دی ہوئی منقش پگڑی اور سرائے کی بیٹھک میں سجے داجاؤں مہاراجاؤں سے منسلک یہ سارے نوادرات جھوٹے ہیں، جنہیں دادا مرحوم خود جا کر بازار سے خرید کر لائے تھے۔ آپ کو کیا لگا تھا کہ اتنی پرانی بات مجھے یاد نہیں رہی ہوگی مگر میری یادداشت اتنی کمزور نہیں ابا جان، مجھے سب یاد ہے۔ آپ کو لگتا ہے کہ فلمی دنیا میں بدصورتی اور جھوٹ ہے، تو یہاں کون سے سچ نے جھنڈے گاڑ رکھے ہیں۔ اس دلی سرائے کی تو بنیاد ہی دادا مرحوم نے جھوٹ پر کھڑی کی ہے۔" فیروز نے اپنے دونوں بازو وا کر کے عمارت کے در و دیوار کی طرف اشارہ کیا۔

"کہاں کے شاہی خاندان اور کدھر کے شاہی خانساماں؟ سچ تو یہ ہے کہ پرانی دلی کی تنگ و تاریک گلیوں میں پائے جانے والے ڈھیر سارے معمولی باورچیوں میں سے ایک تھے دادا مرحوم۔ نہیں چلنا مجھے ان کے نقش قدم پر۔ نہیں آگے لے جانا مجھے کسی ایسی وراثت کو جس کا کوئی وجود ہی نہیں، جس کی حقیقت ایک بیمار بوڑھے کی گھڑی ہوئی من گھڑت کہانیوں سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔"

فیروز کے الفاظ تھے یا آگ برساتے انگارے۔ سلیم بھائی کا تن من جھلس گیا۔

فیروز خاموش کیا ہوا جیسے ساری دنیا پر سناٹا چھا گیا۔ دلی سرائے کی عمارت جو کبھی آوازوں سے خالی نہ رہی اس وقت مکمل سکوت کی زد میں تھی۔ رسوئی سے آنے والی برتنوں کی کھٹر پٹر کب کی بند ہو چکی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ عمارت کے در و دیوار تک کسی آنے والے طوفان کے ڈر سے دم سادھے کھڑے ہیں۔

پر طوفان تو آ کر چلا بھی گیا اور اپنے ساتھ برسوں کی سینت کر رکھی عزت کو بہا کر لے گیا۔

☆☆☆

سلیم بھائی اور فیروز کے مابین بول چال اسی روز بند ہو گئی تھی۔ فیروز نے اپنی بدزبانی کی معافی مانگی، نہ سلیم بھائی نے مفاہمت کی کوئی پیشکش کی۔ سلیم بھائی کی جانب سے زباں بندی، فیروز کی بدتمیزی پر ناراضی کے سبب تھی یا اس کے کڑوے انکشافات پر شرمندگی کی بدولت، یہ بات واضح نہ تھی۔ سرائے میں سجے نوادرات

Scanned with CamScanner

digest library.com

کی اصلیت سے سلیم بھائی ناواقف نہیں تھے۔ تقسیم کے بعد ڈھونڈنے والوں کو بازاروں میں ایسی موروثی نشانیاں بہ آسانی مل جاتی تھیں جنہیں سرحد پار سے آنے والے افراد پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے اونے پونے داموں فروخت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔

ان نوادرات کو دلی سرائے میں لا کر سجانا ایک کاروباری مجبوری تھی۔ یہ سرائے کی کامیابی کے لیے ایک ایسی کوشش تھی جس میں مرزا شہنشاہ کو چنداں کامیابی حاصل نہ ہو سکی اور اتنے برس گزر جانے کے بعد بھی دلی سرائے اتنا ہی بے نام اور غیر معروف رہا جتنا بیس سال قبل تھا۔ ان فرضی نوادرات کی حقیقت سے واقف ہونے کے باوجود سلیم بھائی کو ان سے منسلک اپنے بزرگوں کے شاندار ماضی کی داستانوں پر کبھی پہلے شبہ تھا اور نہ اب ہوا۔ ہاں اتنا ضرور ہوا کہ وہ پہلے کی طرح فیروز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان کی سچائی کا دعویٰ کرنے کے قابل نہیں رہے۔

☆☆☆

فیروز گنگناتا ہوا چھت پر آیا۔ اس کا موڈ بہت اچھا تھا۔ افضل کے چچا کی ایور نیو اسٹوڈیو کے کسی کیمرا مین سے علیک سلیک تھی جس نے وعدہ کیا تھا کہ وہ فیروز کو فلم پروڈیوسر سے ملوا دے گا۔ تب سے فیروز ہواؤں میں اڑ رہا تھا۔

چھت کے کونے میں بنی کوٹھری میں مائی اللہ رکھی چارپائی پر پڑی تھی۔ کئی دنوں سے اس کی طبیعت ناساز تھی۔ لگتا تھا کہ موسمی بخار کی زد میں آ گئی ہے۔ فیروز کے لیے مائی اللہ رکھی چھت کے کونے میں دھری مٹی کی فالتو مٹکیوں کے ڈھیر سے زیادہ قابلِ توجہ کبھی نہیں رہی تھی۔ وہ اب بھی اس کے نحیف وجود کو نظر انداز کرتا کبوتروں کے دڑبے کی طرف بڑھا۔ کاسنی اور گلابی رنگوں کے امتزاج والی پتنگ اور سرخ رنگی ڈور دڑبے سے نکالتے ہوئے اسے پیچھے عجیب سی بھنبھناہٹ سنائی دی، ایسے جیسے ریڈیو کسی دور کے اسٹیشن سے ہوا کے دوش پر آتی صوتی لہروں کو ٹھیک سے پکڑ نہ پا رہا ہو۔

"مورے را..... راجا مور....."

فیروز نے حیرت زدہ ہو کر پیچھے دیکھا۔ یہ بھنبھناہٹ نما سنگیت چارپائی پر ادھ موئی پڑی مائی اللہ رکھی کے منہ سے برآمد ہو رہا تھا۔ فیروز گھبرا کر پیچھے ہوا اور عقب میں دھری مٹکیوں کے ڈھیر پر جا گرا۔ ہاتھ میں تھامی گڈی پھٹ کر بیکار ہو گئی۔ ڈور کا گولا لڑھکتا ہوا مائی کی چارپائی کے نیچے جا ٹھہرا۔ مائی کے منہ سے نکلنے والی بھنبھناہٹ کسی ساون کے ٹوٹے پھوٹے گیت میں تبدیل ہونے لگی۔

"مورے راجا..... آوے مورے آنگن..... لگی ساون جھڑی۔"

فیروز خوف سے تھر تھر کانپنے لگا۔ مائی کے منہ سے گیت کے بول نکلنا اتنا ہی ناقابلِ یقین تھا جیسا سورج کا مغرب سے اگ آنا۔ جیسے سلیم بھائی کی ذبح کی ہوئی مرغی کا پھر سے جی اٹھنا۔

"ابا..... ابا۔" فیروز ٹوٹی مٹکیوں کے ڈھیر سے اٹھ کر گرتا پڑتا نیچے کو بھاگا۔ خوف کے عالم میں پکارتا وہ یہ بھی بھول گیا کہ اس کی باپ کے ساتھ بول چال کئی دنوں سے بند ہے۔

☆☆☆

ڈیڑھ دن اللہ رکھی حالتِ نزع میں مبتلا رہی۔ اس ڈیڑھ دن کے دوران اس کی برسوں سے بند زبان ایک لمحے کے لیے بھی خاموش نہ ہوئی۔

کبھی اس کی زبان پر حملہ کرتے بلوائیوں سے رحم کی فریاد ہوتی تو کبھی ایسے ناقابلِ فہم جملے جو سننے والوں کی سمجھ سے بالاتر ہوتے۔ یہ فقرے اس مائی کی زبان سے ادا ہو رہے تھے جس کے منہ سے پچھلے بیس برس میں کسی نے ایک لفظ بھی نہیں سنا تھا۔ مائی کی زندگی معما اور موت معجزہ بن گئی۔ ڈیڑھ دن نیم بے ہوشی کی کیفیت میں جھولتے رہنے کے بعد بالآخر مائی اس وقت دنیا سے پردہ کر گئی جب سورج بھی دن بھر کا سفر تمام کر کے افق کے پار غروب ہونے کو تھا۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

ایک عہد تھا جس کا اختتام ہوا۔ سلیم بھائی نے افسردگی سے سوچتے ہوئے مائی کی کوٹھری پر نظر دوڑائی۔ دیوار کے ساتھ لگی ایک عدد چارپائی۔ چارپائی کے برابر کھڑی گھڑونچی پر رکھا پانی کا گھڑا اور گھڑے کے اوپر دھرا تانبے کا گلکاریوں والا بھدا سا گلاس۔ دیوار کی ایک کھونٹی سے لٹکتی چادر اور دوسری پر ٹنگا مائی کا اضافی جوڑا۔ تمام عمر مائی اللہ رکھی دو ہی جوڑے بدل بدل کر پہنتی رہی۔ ایک وقت میں دو جوڑوں سے زیادہ مائی اللہ رکھی نے کبھی استعمال نہ کیے۔ کبھی سلیم بھائی کی زوجہ، شہناز بیگم دو کے علاوہ کوئی تیسرا جوڑا سلوا دیتیں تو وہ کھونٹی پر بنا استعمال کیے تب تک ٹنگا رہتا جب تک پچھلے جوڑوں میں سے کوئی ایک پھٹ کر پہننے کے قابل نہ رہتا۔ یہی تھی مائی اللہ رکھی کی کل کائنات۔ مائی اللہ رکھی کے ساتھ سلیم بھائی کا کوئی رشتہ نہیں تھا ماسوائے انسانیت کے رشتے کے۔ اسی رشتے کے سہارے وہ سالوں چھت پر بنی اس چھوٹی سی کوٹھری میں پڑی رہی۔ نہ سلیم بھائی نے جانے کو کہا، نہ وہ خود گئی۔ شاید اس کے پاس جانے کے لیے کوئی جگہ بھی نہیں تھی اور سلیم بھائی کے دل میں باپ کا ادب و لحاظ اتنا تھا کہ ان کے گزر جانے کے بعد بھی ان کی گھر میں لائی چیزوں کو گھر سے باہر نہ نکال سکے۔

مرزا شہنشاہ گئے، مائی اللہ رکھی گئی اور ایک دن وہ خود بھی اس دارِ فانی سے کوچ کر جائیں گے۔ تب ولی سرائے میں پرانے وقتوں کی یادوں کو سینے سے لگا کر رکھنے والا کوئی بھی باقی نہیں بچے گا۔ پرانی پیڑھی کی جگہ نئی پیڑھی جنم لے گی جس کے لیے ہجرت کی صعوبتیں اور جان و مال کی قربانیاں محض کتابوں میں لکھی کہانیاں بن کر رہ جائیں گی۔ رفتہ رفتہ ناپید ہو جائیں گے وہ تمام لوگ جن کی رگوں میں پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ لہو بن کر دوڑا تھا۔ جو اپنے قائد کی ایک پکار پر اپنا جان و مال تیاگ کرنے کو اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ جانے ایسا قائد پھر کب نصیب ہو؟ جانے یہ قوم پھر ہے کب جاگے؟

سلیم بھائی نے یاسیت سے سوچتے ہوئے گہری سانس لے کر چارپائی کے نیچے سے مائی کی گٹھری گھسیٹ کر نکالی، اس نیت کے ساتھ کہ اگر اس میں کوئی قابل استعمال سامان ہو تو غریب غربا میں تقسیم کر کے ثواب کمایا جا سکے۔

گٹھری میں بندھے سفید رنگ کے لباس کی رنگت وقت کے ساتھ پیلی پڑ چکی تھی۔ دوپٹا اور قمیص پر جا بجا نسواری دھبے پڑے تھے۔ سوکھے ہوئے خون کے دھبے۔

سلیم بھائی نے بدک کر لباس کو پرے پھینکا تو تہوں کے بیچ چھپی چھوٹی سی دھات کی ڈبیا باہر آ گئی۔ سلیم بھائی نے ڈبیا اٹھا کر احتیاط کے ساتھ کھولی۔ کسی ٹوٹی ہوئی مالا کے ادھر سے اُدھر لڑھکتے چند بچے کھچے یاقوتی موتی اور ایک چمکیلی سی نکیا۔ بس یہی کچھ تھا ڈبیا کے اندر۔ سلیم بھائی نے انگلیوں کی مدد سے ڈبیا کی تہ سے گول چمکتی نکیا کو اٹھایا۔ دیکھنے میں سکہ سا تھا مگر عام سکوں کی نسبت بھاری اور تھوڑا سا بڑا۔

سکے کے ایک رخ پر کسی تاج پوش باریش و بارعب آدمی اور موتیوں کی ڈھیروں مالائیں پہنی ہوئی عورت کی چھاپ تھی۔ اور دوسرے رخ پر عبارت۔

سلیم بھائی نے سکہ آنکھوں کے قریب لا کر عبارت پڑھنے کی کوشش کی۔ یکا یک ان کے جسم پر رعشہ طاری ہو گیا۔ سکہ ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر جا گرا اور لٹو کی طرح چکریاں کھا کر سلیم بھائی کے پیروں کے درمیان ٹھہر گیا۔ پر سلیم بھائی نے ہاتھ بڑھا کر سکے کو زمین سے اٹھانے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ وہ سکتے کے عالم میں پیروں کے بیچ پڑی چاندی کی نکیا... پر کندہ عبارت کو تکے جا رہے تھے۔

ولی 1911ء

دربار جارج پنجم

قیصر ہند بادشاہ مالک

❁❁❁

Scanned with CamScanner

بلا تحقیق

امیرہ مغل زاد

digestlibrary.com

"میں ڈر گئی... میں نے سن رکھا تھا کہ یونیورسٹیوں میں بھی ایسی بری اور بدکردار لڑکیاں ہوتی ہیں لیکن مجھے لگا کہ شاید وہ کوایجوکیشن میں ہوں جہاں لڑکے بھی ساتھ، ساتھ پڑھتے ہیں۔ بھلا جو یونیورسٹی ہی صرف لڑکیوں کی ہو وہاں کیسا ڈر؟ اور اسی لیے تو بابا نے مجھے پڑھنے کی اجازت بھی دی تھی مگر انیلا کی بات سن کر مجھے واقعی ڈر لگنے لگا ہے۔" نگہت انگلیاں مروڑتے ہوئے ہراساں انداز میں کہہ رہی تھی۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

"بری اور بدکردار لڑکیاں صرف کو ایجوکیشن میں نہیں ہوتیں نگہت..... وہ کہیں بھی ہو سکتی ہیں۔ مسئلہ ان کا ہونا نہیں ہے۔ مسئلہ ان سے بچنا ہے۔ ان کی صحبت سے دور رہنا ہے۔" صبح ملنے والی لڑکی اسے رسان سے سمجھانے لگی۔

دونوں کی ملاقات آج صبح بس میں ہی ہوئی تھی۔ وہ لڑکی اس کی سینئر تھی۔ بس میں ہی بات چیت ہوئی، سلام دعا اور پھر دوستی۔ نگہت کا جامعہ میں آج پہلا دن تھا سو بری طرح الجھی ہوئی تھی۔ ایسے میں وہ لڑکی اس کی الجھن کا حل بن کر آئی تھی۔ اسی نے سارا ڈیپارٹمنٹ دکھایا تھا۔ کینٹین، لان، لائبریری، جماعت کے کمرے، شیڈول وال، انتظامیہ، شکایت سیکشن وغیرہ سب کچھ۔

نگہت چھوٹے شہر سے آئی تھی اور اپنے خاندان میں واحد لڑکی تھی جو یونیورسٹی پڑھنے آئی تھی۔ اسے یہاں یونیورسٹی کے ہاسٹل میں رہنا تھا۔ چھوٹے شہر سے آئی تھی تو ڈرتی تھی۔ ذرا، ذرا سی چیز سے گھبرا جاتی۔

اس نے پہلی کلاس لی تو کلاس کی ہی ایک لڑکی انیلا نے اسے بری طرح پریشان کر دیا۔ اگر ایسی باتیں کوئی سینئر کرتا تو وہ اسے ریگنگ سمجھ کر بھول جاتی مگر اپنی ہی کلاس کی لڑکی اسے یوں کیوں ڈرائے گی؟

اب وہ کینٹین میں میز کے آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھی اسی مسئلے پر بحث کر رہی تھیں۔

"آپ پلیز مجھے بتائیں کیا آپ حنا احمد کو جانتی ہیں؟ اگر آپ کو پتا ہے تو مجھے بھی دکھا دیں تاکہ میں اس سے دور رہوں اور اس کے پاس بھی نہ بھٹکوں۔" وہ حقارت سے بولتے ہوئے آگے ہوئی۔

"پہلے یہ بتاؤ اس لڑکی نے تم سے کیا کہا ہے حنا احمد کے بارے میں.....؟"

"وہ لڑکی انیلا خان..... میرے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ سلام دعا ہوئی۔ اس نے اپنا نام بتایا پھر مجھ سے پوچھا کہ میں کیا کرتی ہوں۔ کہاں رہتی ہوں؟ کہاں سے آئی ہوں؟ ظاہر ہے میں نے جو بھی بتایا نام کے علاوہ سب غلط بتایا۔ یونہی پہلے ہی دن سب کھول کر نہیں رکھنا چاہیے۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ پھر وہی انیلا کہنے لگی کہ میں حنا احمد سے دور رہوں۔ وہ اس ڈیپارٹمنٹ کی غنڈا لڑکی ہے۔ بدمعاش ہے اور کسی کو بھی داموں دام بیچ سکتی ہے۔ اس کے تعلقات بہت اوپر تک ہیں۔ میں معصوم ہوں۔ چھوٹے شہر سے ہوں، اس لیے مجھے تو لازماً احتیاط کرنی چاہیے۔"

"اور.....؟"

"اور یہ کہ وہ لڑکی خود پر برقع کا لبادہ اوڑھ کر پارسا بنی رہتی ہے۔ اسے دیکھ کر ایسا نہیں لگتا کہ وہ....." اس نے عجیب لفظ کہا۔

"کیا.....؟" لڑکی بری طرح چونکی۔

"ہاں..... وہ کہہ رہی تھی۔ وہ رقاصہ ہے ایک بے عزت لڑکی ہے۔ وہ ہی نہیں اس کی ساتھی لڑکیاں بھی ایسی ہی ہیں۔ میں اس سے دور رہوں ورنہ وہ مجھے بھی اپنے ساتھ ملا لے گی۔"

"دیکھو..... ایسا کچھ بھی نہیں ہے، وہ لڑکی جس کا نام تم انیلا بتا رہی ہو وہ صرف تمہیں ڈرا رہی ہے۔ اگر ایسا کچھ بھی ہوتا تو وہ لڑکی یعنی حنا احمد، ابھی تک یونیورسٹی سے نکالی نہ جا چکی ہوتی؟" لڑکی نے قابلِ فہم انداز میں اعتراض کیا۔

"نہیں، اسے یونیورسٹی سے نہیں نکال سکتے۔ اس نے بتایا ہے کہ اس لڑکی کے بہت اونچے اثر رسوخ ہیں۔ وہ نکالی گئی تو یونیورسٹی کو ازالہ بھگتنا پڑ سکتا ہے۔ وہ لڑکی کوئی بھی فساد کر سکتی ہے جس سے یونیورسٹی کی ریپوٹیشن خراب ہو جائے گی۔" نگہت نے دہشت سے کہا۔

"دیکھو یہ اتنی بڑی یونیورسٹی ایک لڑکی سے نہیں ڈر سکتی۔ وہ لڑکی ضرور اپنے کسی مقصد کے لیے کہہ رہی ہوگی۔"

"لیکن اس سب میں اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ آپ خود سوچیں؟"

"کیا معلوم وہ لڑکی، حنا احمد کی کوئی پرانی دشمن ہو؟ ان کی کوئی چپقلش چل رہی ہو؟ اور وہ اس کے خلاف برا تاثر پھیلا رہی ہو؟" لڑکی نے رسان سے کہا۔

"اس کا بھی پہلا دن تھا آج۔ پہلے ہی دن اس

Scanned with CamScanner

کی حنا احمد سے کون سی دشمنی بن گئی؟'' نگہت نے سوالیہ نظروں سے سامنے بیٹھی لڑکی کو دیکھا۔

''میں نے بھی تو تین سال گزارے ہیں یہاں، میں نے تو حنا احمد کے متعلق ایسا نہیں سنا۔ بلکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے حنا احمد تو ہماری ٹاپر ہے۔ اس نے ہر سال ہر سمیسٹر میں ٹاپ کیا ہے۔ اس یونیورسٹی کی ریپوٹیشن برقرار رکھنے میں اسی کا ہاتھ ہے۔ اور یہ سب جو تم کہہ رہی ہو وہ سراسر غلط ہے۔''

''آپ حنا احمد کو جانتی ہیں؟'' نگہت نے آگے ہو کر اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''بالکل جانتی ہوں۔ تم نے جس حنا احمد کے بارے یہ سارے غلیظ فقرے سنے ہیں وہ حنا احمد انتہائی شریف اور سلجھی ہوئی لڑکی ہے۔''

''وہی تو مسئلہ ہے..... کوئی اسے برا مانتا ہی نہیں کیونکہ وہ برقع پہنتی ہے۔ حجاب کرتی ہے۔ اس کے ہاتھ میں تسبیح ہوتی ہے اور اکیلی رہتی ہے لیکن اندر سے وہ پورا سسٹم چلا رہی ہے۔''

''تمہیں انیلا کی بات پر یقین ہے؟'' لڑکی نے آگے ہو کر اسے زخمی نظروں سے دیکھا۔

''ہاں..... کیونکہ وہ میری کلاس فیلو ہے۔ بغیر مفاد کے میرا بھلا چاہ رہی ہے تو میں کیوں یقین نہ کروں اس کی بات پر..... اور میں خود جانتی ہوں کہ ہر تعلیمی ادارے میں ایسی کالی بھیڑیں ہوتی ہیں جو نظر نہیں آتیں لیکن ہوتی ہیں۔'' نگہت یقین سے کہہ رہی تھی۔

''یہ میں بھی مانتی ہوں لیکن ہم ہر کسی کی بات پر یقین نہیں کر سکتے۔ قرآن میں کسی بھی انسان کی بات پر یقین کرنے سے قبل اس کی کریڈیبلٹی (ساکھ) معلوم کرنے کا حکم آیا ہے۔ کیا تم خود انیلا کی کریڈیبلٹی (ساکھ) پر یقین کرتی ہو؟''

''لیکن وہ مجھ سے جھوٹ کیوں بولے گی؟''

''سوال یہ نہیں ہے۔ دیکھو سورۂ حجرات آیت 6 میں ہے کہ اگر کوئی فاسق کسی بھی گروہ کے خلاف کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی کے خلاف ایکشن لے لو اور پھر بعد میں پچھتانا پڑے اور تمہیں میں یہی کہہ رہی ہوں۔''

''میں اس کے خلاف تحقیق کیسے کروں؟ کیسے معلوم کروں کہ حنا احمد ایسی ہے یا نہیں ہے، میں تو نئی ہوں۔'' وہ بے چینی سے آگے ہوئی۔

''تم انیلا کی ساکھ پرکھو نہ کہ حنا احمد پر ریسرچ کرو۔ انیلا کی شخصیت دیکھو کہ وہ قابلِ یقین ہے یا نہیں۔ اس کے بعد حنا احمد کی طرف جانا۔'' لڑکی بیگ اٹھا کر جانے لگی۔

''لیکن میں انیلا کی تحقیق کیسے کروں؟''

''یہ تم خود سوچو۔ میں جا رہی ہوں، میری کلاس ہے۔'' وہ اٹھ گئی تھی۔

''آپ ایسے مت جائیں پلیز۔ مجھے بتائیں میں اس سب سے کیسے بچوں؟'' وہ ہراساں نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

''مجھے نہیں معلوم نگہت۔ اس کا پیچھا کرو، اس کی حرکات دیکھو۔ وہ جن سے ملتی ہے ان سے پوچھو۔ جو ہو سکتا ہے کرو لیکن بلا تحقیق کسی کو ایذا مت پہنچانا۔'' وہ تنبیہ کرتی وہاں سے چلی گئی۔

نگہت نے سر پکڑ لیا۔ اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

☆☆☆

آج وہ بس میں بیٹھی تو نظر اپنی اسی سیٹ پر گئی۔ وہ کھڑکی کے ساتھ بیٹھی نیچے جھانک رہی تھی۔ وہ دبے قدموں اس تک آئی اور ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ نگہت ایک ہفتے بعد اس سے مل رہی تھی۔

''اسلام علیکم.....'' اس نے نرمی سے کہا۔

''وعلیکم السلام نگہت۔ کیسی ہیں آپ؟'' لڑکی چونکی اور اپنائیت سے کہا، ہاتھ مصافحے کے لیے آگے بڑھایا۔ نگہت نے تھاما۔ لڑکی نے ہلکا سا دبایا پھر چھوڑ دیا۔

''اچھی ہوں، آپ سنائیں؟ کافی بجھی، بجھی لگ رہی ہیں۔'' وہ بیگ گود میں رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

''نہیں تو..... میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' وہی نرم اور قابلِ ستائش انداز۔ ''تم سناؤ انیلا کے بارے

میرا پیارا شہر

آج میں آپ کو حویلیاں کینٹ اور اس کے گردو نواح کے خوب صورت علاقوں کے متعلق بتانا چاہتی ہوں۔ حویلیاں کینٹ ایک خوب صورت وادی ہے جو کہ تین اطراف سے پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے یہ ضلع ایبٹ آباد کی تحصیل ہے۔ حویلیاں سے ایبٹ آباد کا فاصلہ تقریباً بیس سے پچیس منٹ کی ڈرائیو پر ہے۔ یہاں میں نے زندگی کے بہترین دن گزارے ہیں اور میرے بچے تو ابھی تک بھولتے ہی نہیں ہیں۔ میں نے تقریباً 32 سال اور میرے شوہر نے 38 سال گزارے ہیں۔

اس کے مشرق میں مری کے پہاڑ اور ایک جانب کشمیر کے پہاڑ نظر آتے ہیں۔ شمال مشرق میں ایبٹ آباد کے پہاڑ نظر آتے ہیں۔ تمام پہاڑ سرسبز ہیں۔

ہم نے جن علاقوں کی وہاں پر سیر کی وہ ایبٹ آباد، مانسہرہ، بالاکوٹ، شوگراں، ٹھنڈیانی، کالا پانی، گلیات، مری، نتھیا گلی، پتریاٹہ، ناران، کاغان، بابوسر ٹاپ، سیر تو ہم نے بہت سے علاقوں کی ہے لیکن جو یادگار مزہ آیا وہ جھیل سیف الملوک پر جانے کا آیا وہ کبھی بھولتا۔ وہاں پر جانے کے لیے خصوصی جیپیں ہوتی ہیں جو کہ برف پر چلتی ہیں۔ ناران سے جھیل سیف الملوک کا سفر ایک گھنٹے کا ہے۔ تمام سفر برف کے اوپر کیا یہ اگست کا مہینہ تھا۔ جب جھیل سیف الملوک پہنچے ہیں تو ہم نے چاول جھیل کے ٹھنڈے یخ بستہ پانی سے دھوئے۔ کیونکہ کھانے پکانے کا سامان ہم ساتھ ہی لے گئے تھے۔ جب مسالا بھوننے کی باری آئی تو نمک کی جگہ ہم چینی لے آئے۔ پھر بغیر نمک کے ہی ہم نے

digest-library.com

کچھ معلوم ہوا؟"

"کچھ خاص نہیں۔ اس کی انسٹاگرام اور فیس بک آئی ڈی کا جائزہ لیا کل..... کافی فیشن ایبل ہے ہر پوز میں اس کی تصویر موجود ہے اور شاید نک ٹاکر بھی ہے کیونکہ بے جا ویڈیوز لگائی ہوئی تھیں وال پر....."

"اوہ..... پھر.....؟"

"اس کی فرینڈ لسٹ بھی دیکھی تو وہاں کچھ عجیب، عجیب سے لوگ تھے۔ کچھ غیر ملکی، کچھ نیک ٹاکرز اور کچھ فیشن سے جڑے تھے۔ وہ شاید ان سب چیزوں کے قریب ہے۔"

بس چلنے لگی تو اس نے سامنے والی سیٹ کی پشت کو تھام لیا۔

"اچھا..... تو پھر....."

"پھر کیا اس سب سے کچھ ثابت نہیں ہوا۔ وہ کیس ہے قابلِ یقین ہے یا نہیں۔ کچھ معلوم نہیں ہو گا۔" وہ ناامیدی سے بولی۔

"تم نے اس کے جاننے والوں سے پوچھا؟ آئی مین اس کی فرینڈ لسٹ میں کسی کو میسج کیا ہو؟"

"نہیں۔ اگر کبھی لوں تو وہ مجھے کیوں انیلا کے خلاف باتیں بتائیں گے۔ وہ دوست ہیں، وہ کور کر سکتے ہیں۔" اس نے شانے اچکائے۔

"صحیح کہا۔ خیر تم کوشش کرنا مت چھوڑنا۔ تمہیں خود پتا چل جائے گا۔" وہ اس کا شانہ تھپک کر بولی۔

"آئی ہوپ سو....." وہ ایک گہری سانس لے کر بولی۔

☆☆☆

"انیلا..... مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

وہ کلاس روم میں تھیں۔ ابھی انگریزی ادب کی استانی نہیں آئی تھیں۔ ساری لڑکیاں اپنی، اپنی نشستوں پر براجمان تھیں۔ انیلا فون پر لگی ہوئی تھی۔ نک جیز، ہاب کٹ ہال، سرخ لپ اسٹک، چیونگ چباتی کچھ ٹائپ کر رہی تھی۔ اس کی طرف قطعی دھیان نہیں تھا۔

Scanned with CamScanner

چاول بنائے کیونکہ پہاڑی علاقوں میں پیدل چل کر بھوک بھی عروج پر پہنچ چکی تھی۔ اس طرح ہم نے پھیکے چاول ہی مزے لے، لے کر کھائے۔ جھیل سیف الملوک کا حسن تو بیان سے باہر ہے۔ جن جن علاقوں کی ہم نے سیر کی ہے اگر لکھنا شروع کروں تو یقیناً ایک کتاب تیار ہو جائے۔ باقی علاقوں کا حال آئندہ تحریر کروں گی۔ ہم ملتان تو آ گئے ہیں لیکن وہاں کی یادیں نہیں بھولتیں۔ دل لگانے کی یہاں ہر کوشش کر رہے ہیں لیکن دل یہی چاہتا ہے کہ واپس چلے جائیں۔

تحریر: ناہید نعیم ملتان

ہنی مون

کیا آپ جانتے ہیں 'ہنی مون' یعنی شادی کے بعد پہلا مہینہ منانے کا تصور سب سے پہلے عراق کے علاقے بابل میں ایجاد ہوا۔ جی ہاں، تقریباً دو ہزار سال پہلے بابل کے لوگ وقت کا حساب چاند کے مہینے کے حساب سے رکھتے تھے۔ یعنی چاند کے ظاہر ہونے سے لے کر اگلی بار ظاہر ہونے تک، جو تقریباً ایک مہینہ بنتا ہے۔

اس دور میں ایک دلچسپ رسم یہ تھی کہ دلہن کا خاندان شادی کے پورے مہینے تک نئے جوڑے کو شہد سے بنی کوئی بیئر پینے کو دیتا تھا۔ یہی وہ روایت تھی جس سے Honey+Moon وجود میں آیا، بابل کے لوگ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ یہ مشروب صحت اور طاقت دونوں کو بڑھاتا ہے۔ اس لیے شادی کے بعد کے پورے 30 دن جوڑا یہی مشروب پیتا تھا۔ (کتاب the secrets of babylon سے ماخوذ)۔

از: ساجدہ ظفر.....کمالیہ

''انیلا.....آپ پلیز ایک منٹ میری بات سن لیں۔'' وہ عاجزی سے بولی مگر انیلا نے چیونگم کا غبارا بنا کر پھاڑ دیا۔ یعنی اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔

''دیکھیں.....بس ایک منٹ.....''

''ہیلو چوزے.....'' انیلا نے اب ویڈیو کال ملائی تھی۔ وہ فون چہرے کے آگے اونچا کر کے کسی لڑکے سے مخاطب ہو گئی۔ نگہت ایک دم پیچھے ہوئی مبادا اس کی تصویر نہ آ جائے۔

''کیسی ہو چوزی.....؟'' وہ لڑکا بھی برابر بولا۔

''ٹھیک ہوں.....مجھے ایک بات بتاؤ گدھوں، تم لوگ کل رات اکیلے کیسے چلے گئے تھے ہاں؟ میں بار کی بیسمنٹ میں پورے دو گھنٹے انتظار کرتی رہی۔ پھر میں نے اس الو کو کال ملائی تب جا کر وہ مجھے لینے آیا۔''

''الو رات کو جاگتے ہیں اس لیے آ گیا ہو گا۔'' لڑکا بھی ہنسی کرنے لگا۔

''بکواس بند کرو.....ساڑھے چار بجے لینے آیا تھا وہ ورنہ میں اُدھر ہی مر کھپ جاتی اور تم لوگوں کو خبر بھی نہ ہوتی.....''

''تو چلی جاتیں ناں کسی کے ساتھ.....'' لڑکے نے آنکھ کا کونا دبایا۔

ہاں.....یہ اچھا جواب ہے۔ تھک گئی تھی میں.....کیسے جاتی؟'' وہ برا منا کر بولی۔

''حد کرتی ہو.....چلو آج تمہیں لیتے ہوئے جائیں گے۔'' لڑکا معاملہ رفع دفع کرنے والے انداز میں بولا۔ وہ یک ٹک سن رہی تھی۔ وہ لڑکے سے اتنی بے باکی سے بات کر رہی تھی۔ اس کا انداز، بولنے کا اسلوب۔ وہ یک دم وہاں سے اٹھ گئی اور دوسری سیٹ پر چلی گئی۔ اسے عجیب سی جھرجھری ہونے لگی تھی۔ سینئر لڑکی کی باتیں اسے یاد آنے لگیں۔

وہ یہی سوچ رہی تھی جب انیلا اس کے پاس آ گئی۔

''ہاں تو دوست.....تم کچھ کہہ رہی تھیں۔'' وہ اس کی سیٹ پر پیچھے سے جھکی۔ وہ کرنٹ کھا کر کھڑی

Scanned with CamScanner

digest library.com

ہو گئی اور اسے پیٹ سے دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا؟ کانٹا چبھا ہے کیا؟" انیلا اس کا اچھلنا دیکھ کر متحیر ہوئی۔

"نہ ـــ نہیں تو۔" وہ ہکلائی۔

"سوری، تمہاری بات نہیں سن سکی ـــ میں دراصل فون پر ضروری بات کر رہی تھی۔ تم بتاؤ کیا کہہ رہی تھیں؟" وہ بالوں کو ماتھے سے ہٹاتے ہوئے کہنے لگی۔

"میں ـــ ی ـــ وہ ـــ وہ ـــ" وہ گھبرا گئی۔

"انیلا احمد ـــ" دفعتاً کمرے میں کسی نے اسے آواز لگائی۔ وہ دونوں پلٹیں دروازے پر کوئی فربہ عورت ہاتھ میں کچھ پکڑے کھڑی تھی۔

"میرا نام انیلا سمیز ہے ـــ احمد نہیں ـــ" وہ کوفت سے ہاتھ جھلا کر بولی۔

"مس آپ ہی ... انیلا سمیز احمد ہیں؟" فربہ عورت جس کے گلے میں وکیل عورتوں والی ٹائی رسن تھی ذرا غرا کر بولی۔ "ادھر آیئے فوراً۔"

وہ خفیف سی ہوئی پھر جھنجلاتے ہوئے قدم اٹھا کر دروازے تک آئی۔

"فرمایئے ـــ" وہ بے نیازی سے سینے پر ہاتھ باندھ کر بولی۔ کلاس کی باقی لڑکیاں غور سے دیکھنے لگیں۔

"تم نے حنا احمد کے خلاف نئے بیچ میں جو غلط باتیں اور تخریبی فساد پھیلایا ہے اس پر یونیورسٹی کے دوسرے دن آپ کے لیے ایک تحفہ لائی ہوں۔" فربہ عورت نے طنزیہ لہجے میں کہا اور ہونٹ سکائے پھر ہاتھ میں پکڑی فائل سے گلابی رنگ کا ایک کاغذ نکالا۔

"یہ لیجیے آپ کی پہلی پنک سلپ۔"

"پنک سلپ ـــ؟" انیلا نے کاغذ کو دیکھ کر ہچکچے سے کہا۔

(پنک سلپ کسی بھی ادارے کی وارننگ سلپ ہوتی ہے۔ تین پنک سلپ کے بعد طالب علم اس ادارے سے خارج ہو جاتا ہے۔)

کاغذ کو پڑھتے ہوئے اس کی آنکھیں تیزی سے دائیں سے بائیں ہل رہی تھیں۔

"یہ کس نے شکایت کی ہے؟" وہ دانت کچکچا کر بولی۔

"خود حنا احمد نے ـــ" فربہ عورت مسکرا کر کہتی وہاں سے چلی گئی۔

وہ دانت پیس کر رہ گئی۔ غصہ ایسا آیا کہ ماتھے کی رگیں پھڑ پھڑانے لگیں۔ وہ کاغذ کو مٹھی میں بھینچ کر تیزی سے وہاں سے نکل گئی۔

راہداری میں تیز، تیز چلتی وہ سب سے حنا احمد کا پوچھ رہی تھی جب لان میں اسے اپنی ایک دوست کے ہمراہ دیکھا۔ وہ دوزانو بیٹھی، کتاب گود میں رکھے پڑھ رہی تھی۔ سیاہ برقع، حجاب، نفیس چہرہ، مدھم تاثرات اور ہاتھ میں تسبیح ـــ

وہ جارحیتی انداز میں اس تک آئی۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی میری شکایت کرنے کی؟" وہ اس کے سر پر کھڑے ہو کر غرائی۔ غراہٹ اتنی تھی کہ وہاں بیٹھی سب لڑکیاں چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

حنا احمد نے دھیرے سے سر اٹھایا۔ اس کے ہاتھ میں پنک سلپ دیکھی تو نرم مسکراہٹ نے ہونٹوں کو چھو لیا۔

"دوسرے ہفتے ہی پنک سلپ؟ چ چ چ ـــ" وہی تعزیتی و ہمدردانہ انداز" کسی ادارے میں تو ٹھہر جایا کرو میری پیاری کزن ـــ یہ پانچویں یونیورسٹی ہے جسے تم تبدیل کر رہی ہو۔"

"تم نے میری شکایت کیوں لگائی؟" وہ پھنکاری۔

"کیا میں نے تم سے پوچھا کہ تم نے آتے ہی میری یونیورسٹی میں میرے ہی خلاف سب کو کیوں بھڑکایا ـــ ڈرایا اور ہراساں کیا؟"

"میں نے کچھ غلط نہیں کہا۔ تم جیسی ہو ویسا ہی بتایا۔ یہ جو پارسائی اور باکرداری کا لبادہ اوڑھ کر چلتی ہو ناں تم ـــ اندر سے پوری ہو۔ کیسے تم راتوں کو ـــ سب معلوم ہے مجھے ـــ"

وہ زہر خند ہوئی۔ حنا کے تاثرات بگڑ گئے، وہ اٹھی اور زناٹے دار تھپڑ انیلا کے گال پر جڑ دیا۔ وہ تلملا کر پیچھے ہٹی۔

"اپنی گندی زبان سے میرے کردار پر کچھ بھی اچھالنے کی کوشش مت کرنا انیلا ورنہ تم میرا وہ روپ دیکھو گی جو تم نے آج تک نہیں دیکھا۔" وہ شہادت کی

Scanned with CamScanner

انگشت اٹھا کر غیظ سے بولی اور انیلا گال پر ہاتھ رکھے اسے دیکھنے لگی۔

"اس یونیورسٹی میں کسی کو یہ جاننے کی ضرورت نہیں ہے کہ حنا احمد کیسی لڑکی ہے۔ کیونکہ تین سال سے میں یہاں ہوں۔ ہر سمیسٹر میں ٹاپ کیا۔ ہر مقابلے میں اول آئی۔ ہر جگہ اپنی یونیورسٹی کا نام روشن کیا ہے۔ یہاں تم صرف حنا کہو گی تو لوگ "احمد" آگے خود لگا لیتے ہیں۔ سب جانتے ہیں میں کیسی ہوں اور کیسی نہیں۔ تمہیں انہیں بتانے کی ضرورت نہیں ڈیئر کزن..... اور ابھی تمہیں صرف پنک سلپ دی ہے۔ لیکن اگر تم اسی طرح میرے خلاف محاذ بناتی رہیں تو مجھے تمہیں اس ادارے سے نکالنے میں چند منٹ لگیں گے۔ حنا احمد کا اتنا ڈنکا تو بجتا ہے یہاں کہ تمہیں نکال سکے....."

"میں تمہارا منہ توڑ دوں گی..... ڈائن کہیں کی..... گھر پر بھی تمہارے چرچے..... سرکل میں تمہاری واہ، واہ..... رشتے داروں میں بھی تمہاری تعریفیں..... میں کہاں جاؤں..... ہاں؟ اب ہر جگہ تو تم راج نہیں کر سکتی ناں.....!" انیلا اب رو بھی رہی تھی اور غصہ بھی تھی۔

"تو یوں کہو کہ "تمہیں" مجھ سے جلن ہوتی ہے۔ اس لیے یہ اناپ شناپ بک رہی ہو۔ میں ایسی ہوں، ویسی ہوں یہ سب بکواس کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی..... بابا کو بتاؤں گی ان کی لاڈلی بھتیجی نے مجھے سب کے سامنے تھپڑ مارا ہے اور مجھے پنک سلپ دلوائی ہے۔ دیکھنا تم..... میں تمہیں نہیں چھوڑوں گی....." وہ اس کاغذ کے ٹکڑے، ٹکڑے کر کے اس کے منہ پر پھینکتے ہوئے چلی گئی۔

"خیال سے..... تمہارے بابا نے تمہیں آخری چانس دیا ہے..... اس کے بعد وہ نہیں پڑھائیں گے..... انیلا احمد....." وہ پیچھے سے جتا کر بولی۔

اسی لمحے اس کی نگاہ سامنے لابی میں کھڑی نگہت پر گئی جو اسے پھٹی، پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ قدرے سنبھل گئی۔ نگہت کے تاثرات میں عجیب سی دہشت تھی۔ حنا نے اپنا بیگ اور کتابیں اٹھائیں پھر قدم، قدم چل کر اس کے پاس آئی۔

"تمہارا انیلا کی ساکھ معلوم کرنے کا کام کہاں تک پہنچا؟" اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اس نے نرمی سے پوچھا۔

"آپ نے بتایا کیوں نہیں کہ حنا احمد آپ ہی ہیں؟" وہ گلاسز میز نظروں سے اپنی سینئر کو دیکھنے لگی۔

"تم نے پوچھا ہی نہیں....." وہ مسکرا دی۔

"آپ بہت خراب ہیں۔" وہ شاکی انداز میں بولی۔

"پنک سلپ دلوا دوں گی..... بس چپ کر جاؤ....." اس نے مسکرا کر کہا تو نگہت ہنس دی۔

"بلا تحقیق کسی کی بات پر یقین کرنا قطعی اچھی بات نہیں..... چاہے اس انسان کا مفاد آپ سے نہ بھی ہو لیکن وہ جس کے خلاف بول رہا ہے، اس سے ہو؟ کسی کو کیا معلوم؟" اتنا کہہ کر حنا خاموش ہو گئی۔

متحدہ عرب امارات میں مقیم

اردو قارئین کے لیے خوشخبری

جاسوسی ڈائجسٹ پبلیکیشنز کراچی (پاکستان)

کے چاروں رسائل

جاسوسی ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ،

ماہنامہ پاکیزہ اور ماہنامہ سرگزشت

ایک فون کال کے فاصلے پر

آپ کال کریں، مطلوبہ رسالہ آپ کو گھر بیٹھے مل جائے گا۔

اردو بک ورلڈ ایف زیڈ سی۔ بزنس سینٹر، شارجہ پبلشنگ سٹی

فری زون، الزاہیہ، شیخ محمد بن زاید آر ڈی، ای 311 شارجہ

971604805734

URDU BOOKS WORLD FZC.
BUSINESS CENTRE
SHARJAH PUBLISHING CITY
FREE ZONE, AL ZAHIA,
SHEIKH MOHAMMED BIN ZAYED RD,
E311, SHARJAH, UNITED ARAB EMIRATES

Scanned with CamScanner

ناولٹ

میری دسترس میں ستارے رکھ

سیما بنت عامر

سیاہ مخملی ڈائری کے حاشیہ دار صفحے پر ماورا کی خوب صورت رائٹنگ میں لفظ بکھرتے چلے جا رہے تھے۔

"یہ کیسا اضطراب، یہ کیسی تھکن ہے جو روم روم میں اتر کر اندر سے مضمحل کرتی جا رہی ہے اور یہ کیسا درد ہے جو رہ رہ کر اٹھتا اور کبھی کبھی جسم و جاں کو اپنی لپیٹ میں لے کر نڈھال کر دیتا ہے اسی جان کی اذیت کے سبب میں ٹوٹ رہی ہوں..... ہار رہی ہوں، کبھی، کبھی لگتا ہے..... یہ تھکن، یہ اضطراب رفتہ، رفتہ چاٹ کر ختم کر دے گا..... مجھے آہستہ، آہستہ فنا ہوتی جا رہی ہوں۔"

ڈائری کا صفحہ بکھرتے ہوئے یک دم ماورا کا قلم تھم گیا۔ اس نے اک گہری سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے آس پاس اک نظر ڈالی۔ ماورا کو ان کہی داستانیں سنانے کو اک سامع درکار تھا۔ وہ جب بکھر جاتی تو صفحات پر اس کا قلم لفظ بکھیرتا جاتا وہ یونہی کبھی اپنے آپ کو ٹٹولنے بیٹھتی تو چونک اٹھتی..... اپنی ذات سے جڑے دور، دور تک پھیلے ہوئے کارِ دنیا اپنے

digest library.com

Scanned with CamScanner

digest library.com

آپ سے ملاقات کرنے کی اجازت ہی کب دیتے تھے..... اور جب کھل کر اپنے ہی سامنے آن کھڑی ہوتی تو سرتاپا اک تھکاوٹ کا احساس رگ و پے میں اتر کر روح تک میں اترنے پر آمادہ ملتا جبکہ روح نڈھال ہونے کو تھی۔ جسے خود اپنی ذات نے اپنے ہونے کا اذن بخشا تھا۔ اس ذات نے جڑی محرومیاں جو جانے کب سے اس کے اندر سسک رہی تھیں..... ماورا نے اپنی ذات سے ہی نظریں چرا رکھی تھیں تو پھر ان محرومیوں پر بھی نظر کیسے کرتی اور اب جبکہ اندر کی تمام تر فرسٹریشن اس پر حاوی ہو کر اپنا آپ منوانے پر کمربستہ تھی..... وہ بکھر، بکھر جاتی۔ اس کے اندر چھپی ترستی، سسکتی عورت اپنے ہونے کی گواہی مانگتی..... خواہشیں بھوکی چمگادڑوں کے مانند تن کے کھنڈر میں کرلاتی پھرتیں تو وجود کو اک دلاسا دیتا احساس تھپکیاں دینے لگتا۔ شاید وہ اس مقام پر تھی۔ جس کے دہانے پر "وہ" محبتوں کے پھول لیے اس کا منتظر تھا..... اور ایسے میں دامن بچالینا اتنا سہل نہ تھا۔ لاکھ ماورا کے اندر بیٹھی اک غیر جانبدار عورت آنکھیں دکھاتی اسے ڈپٹتی مگر روتی دھوتی خواہشات کو تھپکنا اتنا سہل ہوتا تو یہ کھینچ تان ہی نہ چلتی۔

یہ تو طے تھا کہ ماورا کے اندر اک کشمکش اور جنگ کی سی کیفیت تھی..... اس کشمکش اور جنگ کی کیفیت میں کیا کچھ ٹوٹ پھوٹ رہا تھا۔ کتنا نقصان ہو رہا تھا..... اس نے پروا کرنی ہی چھوڑ دی تھی..... وہی عورت کے خمیر میں گندھی ازلی سرکشی و ہٹیلے پن کی خو..... جو پہلے کبھی اس کے مزاج کا خاصہ نہیں رہی تھی مگر اب عود کر آتی تو یہی کشمکش اور جنگ چھڑ جاتی۔ اک دل و روح کو جھنجوڑ کر رکھ دینے والی جنگ جو ہر بار اسے کمزور کر جاتی تھی۔ وہ عقل کو ڈپٹتی تو پیروں میں پڑی بیڑیاں کھنکنے لگتیں..... اپنے اندر بیٹھی آئینہ دکھاتی عورت ذات کو پھٹکارتی، للکارتی تو محبت ہاتھ باندھے سوالی بن کر سامنے آن کھڑی ہوتی اور بس یہیں آکر وہ کمزور پڑ جاتی۔ محبت جس کے ایک جانب "وہ" کھڑا نظروں میں ڈھیروں ڈھیر شکوے سموئے سوال کرتا۔

"دوسروں کی جان سولی پر لٹکائے رکھنے میں آپ کو کیا خاص لطف نصیب ہوتا ہے؟"

یہ استحقاق بھرے لفظ کوئی ہمارے لیے دیدہ و دل فرشِ راہ کیے بیٹھا ہے یا پھر اپنے تمام تر خاص الخاص جذبے صرف اسی کے نام کر دینے پر آمادہ ہے۔ یہ یقین تھما دینا خصوصاً ماورا جیسی توجہ کی ماری عورت کے لیے حاصلِ زیست بن کر رہ گیا تھا۔ مگر جب وہ اپنی ازدواجی زندگی پر اک نظر ڈالتی تو یہی اضطراب دُگنا ہو کر اسے سرکشی پر اکساتا..... وہ خود سمیت ہر اک شے سے دامن بچانے لگتی جیسے کوئی ناشکرا بھری تھالی کو لات مار دے۔ بلا کی اکتاہٹ و سرکشی..... ماورا اتنی بے خبر یا ناشکری تو کبھی نہیں رہی تھی مگر اپنے اندر سسکتی ان محرومیوں کا کیا کرتی..... جو اک "محرک" پا کر کئی گنا ہو کر اس سے اپنا آپ منوانے پر تل گئی تھیں..... اس حد تک کہ ماورا کبھی، کبھی سہم جاتی..... اپنی ادھوری شکستہ ذات پر طمع چڑھائے عورت کا وجود اسے ملامت کرنے لگتا..... مگر وہ "محرک" اتنا پاور فل تھا کہ سب کچھ نیست و نابود کرنے پر تلا تھا۔ عرصے سے اپنے آپ پر چڑھایا ہوا اک آسودہ و مطمئن عورت کا خول چٹخنے لگتا..... ماورا کے اندر دور، دور تک کوئی بین کرتا چلا جاتا..... اور وہ آنکھیں بند کیے بس ساعتوں میں گونجتی اسی بازگشت میں گم رہتی۔

"ماورا..... کبھی آپ کو کسی نے بتایا کہ آپ کتنی حسین ہیں.....؟"

ماورا لاکھ سر جھٹکتی، ایسی ہی کئی آوازیں اس کے آس پاس گونجتی رہتیں اور بھلا کس نے بتایا تھا اک اجنبی غیر محرم کو اس کی ذات کا آزار..... وہ آزار جو جانے کب سے اس کے اندر پلتا، پنپتا رہا تھا۔ اور کسی ناسور کے مانند جانے کتنی دور تک اپنی جڑیں پھیلا گیا تھا۔ اس نے کب زبان بخشی تھی اپنے اندر سسکتی، ان ناآسودہ خواہشات کو..... بالکل اچانک غیر متوقع اور یک دم..... دو دن ہی ایسا میسر آیا تھا جو سارے وجود کو

Scanned with CamScanner

لیئے آزردگی و اضطراب کو سرکشی بخش گیا۔ اس حد تک کہ اس کے اندر بیٹھی خوابیدہ عورت ذات بظاہر خوش وضع، ذمے دار و وفا شعار عورت سے مات کھا گئی تھی۔

"بھلا کوئی دیکھے، سنے تو کیا کہے؟" آج کل یہی ہوا اسے ڈراتا، سہماتا رہتا۔ تیس کی دہائی کو کراس کرتی..... شادی شدہ تین بچوں کی ماں محبت کی اسیر؟ جب کبھی اس کی اصلیت اسے ملامت کرنے پر آتی..... وہ خود اپنے آپ کو پھٹکارنے بیٹھ جاتی..... مادرا نے ہار ہا سر جھٹکا مگر وہی اک جان لیوا، دل کو چیر کر رکھ دینے والا احساس کسی طور جاں بخشی پر آمادہ نہیں تھا۔ اس میں تو کوئی شک ہی نہیں تھا کہ وہ ہار رہی تھی۔ شاید اسی تھکن و اضطراب کی بدولت یا اس جذبے کے تحت جو اس کی ذات سے وابستہ تمام تر مصلحتوں کو پچھاڑ کر اپنا آپ منوانے پر کمر بستہ کسی عذر یا توجیہہ کو ماننے پر آمادہ ہی نہیں تھا..... جانے کب سے سسکتی روح کی آبیاری پر تلا تھا۔ روح جو سیراب ہو کر بھی سیراب نہیں ہو پائی تھی۔ وجود، جو تمام بشری تقاضوں کی تسکین کے باوجود نوحہ کناں رہتا۔

مادرا پر اب اکثر یونہی یاسیت کا غلبہ رہتا..... دل پر ملال کے بادل چھائے رہتے..... نارسائی کا کرب..... انسانوں کی بھیڑ میں تنہائی غالباً اسی کو کہتے ہیں..... جب بندہ بولنے کی سکت رکھتے ہوئے بھی اظہار سے محروم رہے۔ سامع ہی بے نیاز بے پروا ٹھہرے..... سو اس کے بھی لفظ گونگے ہو چلے تھے۔

بظاہر مادرا کی زندگی کتنی مکمل تھی۔ اعلیٰ عہدے پر فائز ذمے دار شوہر کی بدولت آسودہ و خوش حال زندگی، تین خوب صورت بچے مکمل گرہستی، جس کی وہ... بلاشرکت غیرے مالک تھی۔ پھر کمی کہاں تھی..... خلا کیونکر پیدا ہوا کہ نامحسوس طریقے سے ہی کوئی رہزن شب خون مارنے پر تل گیا۔ اس کی عقل و حواس گم کر ڈالے۔ اس حد تک کہ مادرا کو معلوم بھی نہ ہو سکا۔ کس غیر محسوس طریقے سے وہ اسیر ہوتی چلی گئی کہ اب جائے فرار بھی ممکن نہیں رہی تھی۔

☆☆☆

لاؤنج میں فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ ایک بار، دو بار، سہ بار۔ مادرا بہری بنی بیٹھی رہی۔ اتفاق تو اسے یاد تھا۔ حماد رضا رہائی کے آفس اور بچوں کے اسکول سدھارنے کے بعد وہ اک ڈرا دم لینے کو لاؤنج میں پڑی ڈائننگ ٹیبل کی چیئر سنبھال کر بیٹھی تھی۔ لاؤنج میں پھیلی وہی ابتری۔ جو ہر روز اس کی محنت و توجہ سمیٹتی۔ دیوار پر نصب ایل ای ڈی پر اب بھی مناظر چل رہے تھے۔ حماد بلاناغہ صبح کی خبریں بھگتا کر ہی آفس سدھارتا۔

سب کچھ کتنا سہل، سہل سا تھا۔ جب تک اک نامانوس جذبے نے اسے آشنائی نہیں بخشی تھی۔ وہی معمول کی لگی بندھی روٹین لائف سے نبرد آزما مادرا کا روبوٹ سا وجود۔ زندگی کو متحرک رکھنے پر آمادہ رکھتی۔ گرہستی اور اس گرہستی سے منسلک ہزار تفکرات۔ پھر رخنہ کہاں پڑا اور کیونکر پڑا۔ وہ بے نام تھکن جو کب سے اندر ہی اندر پل رہی تھی۔ اب وجود کی فصیلیں پاٹ رہی تھی۔ یہ تو طے تھا کہ درست کچھ بھی نہیں رہا تھا مگر غلط کہاں تھا اور غلط کیا ہو رہا تھا۔ دل و دماغ جس خطا کو تسلیم کر لینے کے باوجود اس سے ہٹنے کو آمادہ نہ تھے۔ ہیرا پھیری ہی نہیں..... ٹھیک ٹھاک بے ایمانی ہو رہی تھی اور یہ تمام اسباب سننے میں دھڑکتے اک ننھے سے گوشت کے لوتھڑے کی تسکین کی خاطر تھے۔ جواب لاکھ ڈپٹنے پر بھی بس میں نہیں آ کے دیتا۔ اگرچہ مادرا اتنی ارزاں کبھی نہیں رہی تھی۔ مگر اسی دل کے تقاضوں کے سبب با آسودہ عورت رال ٹپکانے لگی تھی اور خطائیں ہو رہی تھی۔

آج کی تاریخ میں اسے گھر سے ہٹ کر ڈھیروں ڈھیر کام اکٹھے ہی بھگتانے تھے۔ سب سے پہلے بازار کا نمبر آتا تھا۔ باتھ روم میں واش بیسن کی ٹونٹی لیک ہو رہی تھی۔ بجلی کا بل دو ماہ سے غائب تھا۔ اب اکٹھا آتا تو بجٹ کا ڈسٹرب ہونا لازمی تھا۔ اس نے جوڑ توڑ کر کے بجٹ مین ٹین رکھنا ہی تھا۔

اگرچہ مادرا عام سی عورت تھی۔ وہی شوہر اور اولاد کی خدمت گزاری میں دن رت ایک کیے

Scanned with CamScanner

digest library.com

رکھنا..... گھر گرہستی کے نام پر اپنی جان ہلکان رکھنا..... مگر جواباً نہ دل کو برماتا کوئی جملہ..... نہ ستائش کا اِک لفظ۔ وہ کبھی تعریف کی تمنائی نہیں رہی تھی۔ بے نیازی کا ملمع اوڑھے لیے دیے مزاج کے شوہر کی بے توجہی پر سمجھوتا کر چکی تھی۔

مگر اس سے پہلے کبھی اپنی ذات نے اپنے ہونے کی نوید بھی تو نہیں سنائی تھی۔ ستائش پسند تو خیر وہ کبھی نہیں رہی تھی۔ مگر لبوں کو باہم پیوست رکھنے کا عادی اسپیچو نما شخص اگر اظہارِ رائے کے معاملے میں اتنا بخیل نہ ہوتا تو اس کے اندر سلگتی، تڑپتی عورت اتنی تشنہ بھی نہ رہتی۔ حماد رضا رہانی کو بے ترتیبی کے نام پر ماچس کی تیلی بھی ناپسند ہوتی۔ صفائی کے معاملے میں گرد کی معمولی تہ بھی ناقابلِ برداشت ہوتی تو وہ اپنی جان ہلکان کر ڈالتی مگر ان کی لب کشائی سے قبل ہی ماورا نے گرہستی کے نام پر تمام آزار اپنے بخت میں درج کر ڈالے تو یہ انتہا کی ذمے داری ہی تو تھی مگر جواباً سراہنے یا دل کو برماتے کسی ایک تعریفی جملے کی بھی اہل نہیں..... یہ کہاں درج تھا۔

شاید اسی لیے چپ چپاتے نقب لگ گئی۔ کسی کے فرشتوں کو بھی نہیں پتا چلا۔ ایک بالکل ناآشنا اجنبی ماورا کے دل و دماغ میں گھس کر اس کے تمام آزار پا گیا تو شکست کس کی ٹھہری۔ حماد رضا رہانی کی یا ماورا کے اندر بین کرتی ارزاں سی ذات کی۔ یا پھر آسودگی و سکھ کا ملمع چڑھائے بظاہر پُرسکون نظر آتی عورت کی..... یہیں آ کر وہ ہار جاتی۔ ٹوٹ کر بکھر جاتی..... اور شاید یہی احساس تھکن بخشتا۔ تریاہٹ پر اکساتا..... مگر تابہ کہ..... اسے اپنے آپ کو سمیٹ کر پھر سے جنبش دینی تھی۔ جیسے اب گھڑی کی سوئیوں پر نظر پڑتے ہی اس نے کچن کا رخ کیا تھا۔ رات کا فراغی قیمہ بچا ہوا تھا۔ بمشکل بچوں کے لیے نوڈلز تیار کیے۔ کچھ چاول دم دے دیے۔ ہمراہ اپنی ازلی پھرتی سے کام لیتے ہوئے کچن سمیٹتی رہی اور اِدھر اُدھر کے کاموں میں وقت کیسے گزرا..... پتا بھی نہ چل سکا۔

☆☆☆

لاؤنج میں کارنس پر دھرے فون کی گھنٹی اِک تواتر سے بج رہی تھی۔ یہ وقت بچوں کے ٹیوٹر کے لیے مخصوص ہوتا تھا۔ سو فون ماورا نے ہی اٹھانا تھا اور اس کے ہیلو کے جواب میں جو گمبھیر آواز دھڑکنوں کو اتھل پتھل کر جاتی تھی اب قدموں تلے سے زمین نکال لے گئی۔ اس نے بے ساختہ مڑ کر لاؤنج کی مغربی دیوار کے پار کمپیوٹر کے سامنے بیٹھے کی بورڈ پر تیزی سے انگلیاں چلاتے حماد کو دیکھا تھا۔

''میں نے سوچا..... آپ کو تو مابدولت کا خیال آتے سے رہا۔'' اس جانب لہجہ متبسم تھا۔ اب ماورا اسے کیا بتاتی کہ فقط اس کا خیال ہی تو اب زیست سے منسلک ہر آزار پر حاوی ہے مگر جواباً کمزور لہجے میں ''جی'' کر کے رہ گئی اور دوسری جانب وہ ہمیشہ کے مانند پل بھر میں اس کے اندر کا احوال پا گیا تھا۔

''آپ کچھ ڈسٹرب ہیں ماورا.....؟''

''جی..... ہاں..... نہیں..... تو.....'' ماورا کی سانسیں اٹکی جا رہی تھیں۔

''مجھے فکر تھی۔ اتنے دنوں سے آپ کا کلینک آنا نہیں ہوا۔ سو ہاتھ ٹھیک ہے اب؟''

اب کلینک پر حاضری روزنامچے میں درج کرنے والا امر تو تھا نہیں جو شکیب احمد کو تشویش بخش گیا۔ مگر اسے یہ حوصلے بخشنے والی بھی تو خود ماورا ہی تھی۔

''مجھے عنقریب آنا ہے اور میں آؤں گی۔'' ماورا اس کے سوا کچھ کہتی تو شاید بات طول پکڑ جاتی اور وہ اس وقت اپنے قدموں پر کھڑی رہنے کی سکت بھی کھوتی چلی جا رہی تھی اور شاید اس کے لیے اتنا ہی ولاسا کافی رہا۔

''میں انتظار کروں گا۔'' فون رکھ دیا گیا تھا۔ ماورا نے اِک طویل سانس لی۔ جیسے سینے میں اٹکی کوئی میخ نکل گئی۔ لاؤنج میں ہو کا سناٹا تھا یا کی بورڈ پر حماد کی تیزی سے چلتی انگلیوں کے سبب معمول کی ٹک، ٹک کا غیر محسوس سا شور..... ماورا کو معلوم تھا وہ یقیناً منتظر رہے گا۔ دل اس راہ پر چلتا تو سود و زیاں کے احساس سے بالاتر ہو کر..... مگر اندر بیٹھی غیر جانبدار عورت شرم دلاتی

Scanned with CamScanner

تو پل بھر کو اپنا وجود ارزاں تر محسوس ہوا کرتا۔ سنا ہے اپنے پروں کے رنگ کسی اور کی پوروں میں منتقل ہو جانے سے تتلی کی موت ہو جاتی ہے مگر ماورا جیسے خائن زندہ رہتے ہیں۔ ماورا کو لگا اس کے قدموں تلے کی زمین بھربھری ریت کے مانند پھسلتی جا رہی ہے۔ اس کے قدم من، من بھر کے ہو رہے تھے۔ انہی وزنی قدموں پر خود کو گھسیٹتی وہ پلٹی تھی۔ واپسی کے لیے سفر کرتے ہوئے وہ حماد کے قریب رک کر پل بھر کو ٹھٹک گئی تھی۔ یہ لیپ ٹاپ اس سے لاکھ گنا زیادہ خوش بخت نہ تھا۔ جو آفس سے لوٹ کر بھی گھنٹوں کے لیے حماد کی توجہ اپنی جانب کھینچ لیتا۔ مگر فرض شناسی کا طمع چڑھا لینے سے اِک بے توجہی بے نیازی واجب ہو جاتی ہے، یہ کہاں درج تھا۔ وقت کی پابندی ان پر ختم تھی۔ محنت ان کا وصف تھی۔ حماد رضا ربانی کے نام کے ساتھ ڈگریوں کا ایک طویل سلسلہ تھا۔ اسی فرض شناسی کی بدولت کئی پروموشنز..... لگی بندھی روٹین لائف بھگتاتے آفس کے بعد کتابیں..... فائلیں..... لیپ ٹاپ..... وہ خود اپنے آپ سے بے نیاز نظر آتے۔ تو ماورا کا شمار تو پھر بھی مقابل میں تھا۔ وہ گہری نظروں سے انہیں تک رہی تھی۔ اس میں کچھ شک نہیں تھا کہ وقت بہت تیزی سے گزرا تھا۔ حماد رضا ربانی کی گرے کنپٹیاں اب سفیدی مائل تھیں۔ بال ڈائی کر کے کچھ کم عمر نظر آ سکتے تھے۔ مگر نہیں..... بات گھوم گھام کر اس بے توجہی و بے نیازی پر آ کر رک جاتی تھی۔

حماد رضا ربانی کی شخصیت کے لیے ماورا کی بھابی کا پہلا تجزیہ کہ لڑکا قابل و سمجھدار ہے۔ اس میں کچھ شک نہ تھا۔ بھابی۔ خاصی زمانہ شناس تھیں۔ ان کے تجزیے صد فیصد درست ہی ہوا کرتے..... مگر اب ماورا کا دل چاہتا بڑھ کر ان کا منہ نوچ لے..... کاش تاریخ کی کوئی قسم مخصوص ہوتی، وہ اپنے روتے، بلکتے دل کو طفل تسلیوں سے ہی بہلا سکتی۔

سالوں سے ایک ہی روٹین میں بندھے..... بندے کا لیا دیا مزاج۔ سادہ و سپاٹ رویہ..... کتنی عجیب بات تھی..... شوہر ہونے کا لیبل ماتھے پر لگائے روبوٹ نما اس مخلوق سے ماورا کو اَن گنت شکوے تھے۔ جنہیں کبھی اظہار کا روزن نصیب نہیں ہوا تھا۔ ہوتا بھی کیسے..... ان کے مزاج کی چٹانیں سر کر کے اب ان کی جانب خاموشی سے سر پٹخنا چھوڑ دیا تھا اور وہاں کس کو پڑی تھی کہ پروا کرتا پھر بخت کی سیاہ کاریوں کا بھرم اب کھل کر سامنے آیا تھا۔ اس کی ذات اتنی ارزاں تو کبھی نہیں رہی تھی۔ اس کے اندر کی قابلِ رحم عورت سسکنے لگتی کہ بار ہا اپنے ہونے کی گواہی مانگتی۔ ان ہی لیے دیے سادہ و سپاٹ رویوں کی بدولت بغاوت پر اکساتی..... کبھی تریاہٹ پر مائل کرتی..... خواہشات اس پر حاوی ہو جاتیں اور شاید ان ہی اکساتی خواہشات کی بدولت ماورا سود و زیاں سے بالاتر ہو کر سرکشی کی ان بلندیوں پر جا پہنچی تھی جہاں عورت کے کردار و وفا کا پرچم سرنگوں ہوا کرتا ہے۔ یہیں آ کر وہ خود سے نظریں ملانے کے قابل نہ رہتی۔ ساری دنیا اسے اس مقام پر دانت نکوستی محسوس ہوتی تو وہ چڑ کر رہ جاتی۔ کیا عورت کی اپنی کوئی زندگی یا خواہشات نہیں..... یونہی مصلحتوں، مجبوریوں کی زنجیروں میں جکڑے پل، پل اپنے آپ کو مارنا..... سسرالی رشتوں کی چاپلوسی میں اپنی انا وار کے آگے پیچھے پھرنا..... شوہر اور بچوں کی خدمت گزاری میں تن من وار دینا..... ان تمام عوامل میں عورت خود کہاں ہوتی ہے۔ ماورا کے دھیان کی رو بھٹکی..... اس نے بے ساختہ حماد رضا ربانی کے ہاتھ پر بکھری لکیریں جانچی تھیں۔ جانے اس کی اپنی ذات کن بھول بھلیوں میں الجھی تھی۔ کس درجے پر اس کا نام تھا۔ یہیں آ کر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تقابل کا گناہ کر بیٹھتی۔

"کاش..... آپ کو کسی نے بتایا ہوتا کہ آپ کتنی پُرکشش ہیں ماورا..... سچ، آپ سے مل کر زندگی سے محبت ہونے لگی ہے۔"

اس نے اِک گہری سانس لی تھی۔ یہی تو رونا تھا کہ کون بتاتا..... حماد رضا ربانی..... وہ تو اسی لیپ ٹاپ

Scanned with CamScanner

digest library.com

کے مانند احساسات و جذبات سے عاری بے تکے لفظ ضرورتاً ادا کرتا جیسے شمار سے بڑھ کر کہہ جانے کی صورت میں کسی خسارے کا اندیشہ ہو۔ اسی بے توجہی کے سبب لہجہ گمبھیر..... لفظ گونگے ہو چلے تھے۔

وہ اتنی تہی داماں نہ ہوتی تو شاید موازنے کا مقام ہی نہیں آتا۔

"چائے....." مادرا جانے کتنا وقت وہیں کھڑے گزار دیتی جب حماد کے لبوں نے مبہم سی جنبش کر کے پھر اسی بے نیازی کا چولا اوڑھ لیا تھا۔ اس کے اندر اک لہر سی اٹھی تھی۔

"کبھی آپ نے سوچا ہے کہ کسی کی خواہش بن کر رہنا کیسا دل خوش کن اور روح کو تقویت نصیب کر دینے والا احساس ہے۔ اور کسی کی ضرورت..... اور فقط صرف ضرورت ہونا..... انسان خصوصاً عورت کی ذات کو کس ارزاں ترین خانے میں فٹ کر دیتا ہے۔" مادرا کے لہجے میں شکستگی کے کانچ بکھرے تھے۔ جانے کتنے ان کہے شکووں نے لفظوں کا پیراہن اوڑھا تھا۔

حماد نے یونہی ذرا کی ذرا لیپ ٹاپ کی اسکرین سے نظریں ہٹائی تھیں۔ اور نہ جانے کیا کچھ تھا مادرا کی نظروں میں وہ پل بھر کو ٹھٹک سے گئے تھے۔ غصہ، تنفر، طنز اور جانے کیا کچھ..... مادرا صرف ایک بات میں بہت کچھ کہہ کر بھی تشنہ رہ گئی تھی۔ کی بورڈ پر تیزی سے تھرکتی حماد رہانی کی انگلیاں ساکت سی رہ گئی تھیں۔ لیپ ٹاپ کی اسکرین پر ایک ہی لفظ دور تک سفر کرتا چلا گیا تھا..... مگر یہ صرف ایک پل کی بات تھی۔ کچن میں برتر پر کچھ دھرا تھا۔ خوشبو مادرا کے نتھنوں سے ٹکرائی اور وہ تیز قدموں سے آگے بڑھی۔ کچن میں الیکٹرک کیتل میں پانی بھرتے ہوئے مادرا سرتاپا سلگ رہی تھی۔ اب اس کا دل شدت سے چاہنے لگا تھا کہ اس مٹی کے مادھو کو جھنجوڑ ہی تو ڈالے..... بنا لاگ لپٹ کے سیدھے سبھاؤ ضرورت کے تحت سجے تلے لفظ ضرورتاً ادا کرتا..... جذبوں سے بے نیاز، احساسات سے عاری..... ٹھہراؤ ان کے مزاج کا خاصہ تھا۔ سکوت ان کی طبیعت کا جز..... سنگین سے سنگین حالات میں بھی اسی ٹھہراؤ کا مظاہرہ اہم سے اہم ایشو کو بھی..... lightly لے لیتا..... مگر وہ اس دھیمے، ٹھنڈے پُرسکون مزاج سے اتنی شاکی تو کبھی نہیں رہی تھی..... اور اب تو ٹھیک ٹھاک مزاج آشنا ہو چلی تھی۔ پھر یہ اچانک و غیر متوقع نقب کیسے لگ گئی۔ خود اسے معلوم نہیں ہو پایا..... بس ادراک کے کچھ پل اور اک معمولی سی تحریک..... محرک بن کر اسے حماد سے ہی نہیں اپنے آپ سمیت ساری دنیا سے برگشتہ کر گئی تھی۔ کیسا سرکش جذبہ تھا جس نے اس کے اندر کو کمک فراہم کر کے اسے اس سارے سیٹ اپ سے ہی برگشتہ کر چھوڑا تھا۔

"میں منتظر رہوں گا....." اک محبت بھرے لہجے کی بازگشت گونجی اور اک ناقابل بیان کیفیت اس کے سارے وجود پر قابض ہوتی چلی گئی۔ اگلے ہی پل اپنے اندر کرلاتی..... جلتی بلکتی خواہشات پر چیخنے مارنے کو وہ کچھ وقت آئینے کے سامنے گزار کر سوہا کو کندھے سے لگائے حماد کے سامنے کھڑی تھی۔

"مجھے ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔ بی پی لو محسوس ہو رہا ہے۔ اور سوہا کو انجیکشن بھی لگوانا ہے۔" مادرا کا لہجہ ٹوٹ گیا تھا۔ نواز نا کافی پڑنے لگے۔ اندر کا چور اپنے آپ کو شفاف ثابت کرنے کی سرتوڑ کوشش میں تھا۔ کی بورڈ پر تیزی سے تھرکتی حماد کی انگلیاں پل بھر کو تھمی تھیں۔ اور پھر متحرک ہو کر گویا اذن بخشا گیا۔ بس اک سادہ سی نگاہ اس پر ڈالی اور اسی نگاہ نے بلا تفتیش اس چور کو باعزت بری کر دیا۔

مادرا کے قدم زمین میں دھنسنے لگے۔ اندر کوئی تالیاں پیٹ، پیٹ کر استہزائیہ ہنسنے لگا۔ حماد رہانی کے اعتماد پر پہلی نقب نہیں پڑی تھی۔ وہ شرمسار ہو جاتی مگر اپنے اندر سانس لیتی اس عورت کا کیا کرتی۔ جو اک تحریک پا کر سرکشی پر آمادہ تھی۔ اور اتنا سہل بھی کہاں ہوتا ہے زیر و زبر ہوتے دل کو تھپکنا..... پچکارنا وہ ہول کر سوہا کو سنبھالتی گھر سے نکل آئی تھی۔ کلینک تک کا فاصلہ گویا اڑتے ہوئے طے کیا تھا۔ لائن تو خیر کیا ہی

Scanned with CamScanner

لگاتی..... البتہ کاؤنٹر سے سلپ ضرور بنوالی تھی۔ مطلوبہ کمرے تک پہنچ کر دروازے پر چسپاں ڈاکٹر کے نام کے حروف پر ہولے سے انگلی پھیر کر ناک کیا تھا اور اگلے ہی لمحے وہ اندر تھی۔ جہاں فراغت سے ریوالونگ چیئر پر جھولتے ہوئے وہ اطمینان سے موبائل کان سے لگائے محوِ گفتگو تھا۔ بس اِک تاسف کا عمل تھا کہ مادرا نے محسوس کیا۔ اس کی کرنجی آنکھوں میں ہزاروں واٹ کے بلب جلنے لگے ہیں اور پھر بقیہ مسافت سہل ہوگئی۔ مریضوں کے لیے مخصوص اس کے بائیں جانب والے اسٹول پر بیٹھ کر وہ سامنے بڑے سے چارٹ پر بنے ڈھانچے پر انسانی اعضا کے نام پڑھتی رہی..... مہلک بیماریوں کی علامات پر وہمی سی ہو کر اپنا تجزیہ کرنے بیٹھ گئی۔ کبھی، کبھی ٹیسیں تو اس کے اندر بھی اٹھتی تھیں۔ جانے درد دل کا تھا کہ جگر کا..... اگلی اڑتی پڑتی نظر نیبل پر دھری نیم پلیٹ پر پڑی تھی۔

ڈاکٹر کلیب احمد جیلانی..... مادرا کے منہ میں مٹھاس سی گھل گئی۔ نام تلے ڈگریوں کا اندراج تھا۔ پل بھر کو دل اپنی خوش بختی پر نازاں ہوا..... اتنے سے عرصے میں مادرا بس اتنا جان سکی تھی۔ اس کا تعلق پنجاب کے کسی دور دراز گاؤں سے ہے۔ کلینک سے پہلے کسی سرکاری اسپتال میں میڈیکل آفیسر کی جاب بھگتاتا۔ اگلے ہی پل جانے کون سے کونے کھدرے میں منہ چھپائے کمپلیکس نے سر اٹھایا۔ وہ بلاوجہ ہی اپنا تقابل کرنے بیٹھ گئی۔ شادی سے پہلے اس نے بوتھی سا ایم اے کر ڈالا تھا (جیسے کوئی لٹھ مارا) بڑا تیر مارا تو کمپیوٹر کے چند شارٹ کورسز بھی کر ڈالے۔ اور ہاں، کالج میگزین کی ایڈیٹر بھی تو رہی تھی۔ اور تو اور شعلہ بیاں مقرر بھی تھی۔ ڈرامیٹک سوسائٹی کی ممبر وقتی تعریفیں چند تالیاں، دو چار نمایاں تعریفی اسناد، میڈل جانے کس کوکھ کے کھدرے میں پڑے اپنی۔ ناقدری پر نوحہ کناں تھے۔ یہ اور بات کہ تمام تر علمیت و اہلیت تصاویر اور ان ٹکڑوں تک ہی محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ تمام صلاحیتیں چولہا چوکی، گھر گرہستی کے آزار اور محترم حمادر ہالی اور ان کی اولاد کے چاؤ چونچلوں میں پھنک کر رہ

دل کی باتیں، محبوب حق سے

پھر ترے درد نے انگڑائی لی
دل میں پھر روشنی پھوٹی
ان لمحوں کی جو فنکار زندگی تھے
اے محبوب خدا اے فخر انسانیت
کتنی مٹھاس ہے اس احساس کی
کہ ہم تیرے ہیں
تیری امت میں شامل ہیں
تجھ سے محبت کرتے ہیں
دل میں رکھتے ہیں
مگر پھر بھی دوری ہے
وصل کے لمحات گزر گئے
گنبدِ خضراء کا دیدار ہو چکا
مگر پیاس نہیں بجھتی
درد انگڑائی لے رہا ہے
ہجر کا موسم
مگر دل میں روشنیاں ہیں
چاند سے زیادہ چمکدار
سورج سے زیادہ مہربان
سلام تجھ پر درود تجھ پر
ہزاروں ہزار بار
لاکھوں لاکھوں بار

کلام: فریدہ ہاشمی تحفی، کراچی

غزل

عمر گزرے گی امتحان میں کیا۔
داغ ہی دیں گے مجھ کو دان میں کیا
میری ہر بات بے اثر ہی رہی
نقص ہے کچھ مرے بیان میں کیا
بولتے کیوں نہیں مرے حق میں
آبلے پڑ گئے زبان میں کیا

شاعر: جون ایلیا

پسند: ایشا احمد، ملتان

Scanned with CamScanner

digest library.com

گئی تھیں اب تو تائی چنگ اسپیڈ بھی یاد نہیں تھی کہ کیا رہی ہوگی۔

"جی....." وہ جانے کب فارغ ہو کر جی جان سے ماورا کی جانب متوجہ ہو چکا تھا۔

"دوسروں کو مشکلات میں رکھنے کے فن سے خوب واقف ہیں آپ....." ماورا کی بس ہو چلی تھی۔ وار کاری تھا۔ شکیب جیلانی کے ہر، ہر انداز سے... سرشاری ٹپکنے لگی تھی۔

"کبھی آپ نے سوچا..... ایسے کتنے لوگ ہوتے ہیں جنہیں نگینہ بنا کر تاجِ زندگی کی زینت بنا لینے کو دل کرتا ہے؟" ریوالونگ چیئر پر ریلیکس انداز میں جھولتے ہوئے وہ اب ماورا کو بڑی خاص الخاص نظروں سے تک رہا تھا۔ ایسے ہی لمحات میں وہ نئے سرے سے جی اٹھتی..... یوں جیسے کسی غربت زدہ کو نکسالی نوکری میسر آجائے۔ اس کے آس پاس بھی سکے ہی سکے کھنکنے لگے تھے۔ خواہشات فتح یاب ہونے پر جشن منانے لگی تھیں۔ مگر اس نے منہ پھیر لیا تھا۔

"جانے بھی دو یار..... محبت اور جنگ میں سب کچھ جائز ہوتا ہے۔" کیسا بے نیاز مگر اپنائیت بھرا لہجہ تھا۔ بظاہر عام مگر سادہ سے الفاظ..... گھسا پٹا مقولہ..... مگر اعتماد..... الامان..... جیسے وہی اس مقولے کا موجد رہا ہو..... آبِ حیات کے مانند قطرہ..... قطرہ لہو میں شامل ہوتا لہجہ..... یہ تو طے تھا کہ ایسے ہی جملوں کی باعث وہ اسیر ہو چلی تھی۔ مگر ماورا کا دل چاہا..... اپنی تمام تر فرسٹریشن اسی کے سامنے نکال جائے جو اس فرسٹریشن کا اولین سبب ہے۔ مگر بس اک خطرے کا الٹی میٹم دیتی نظروں سے کام لیا تھا۔

"راہوں میں ملنے والوں کا نصیب اکثر راہیں ہی بن جایا کرتی ہیں۔ پھر بقیہ عمر انہی راہوں پر نگاہیں لگائے رستہ تکتے گزرتی ہے۔"

"میں صرف آپ کی منشا و رضا کا پابند ہوں۔" وہ رتی بھر مرعوب ہو کر نہ دیا۔ اور یہ منشا ہی تو ماورا کے لیے حیات و موت کا معاملہ بن کر رہ گئی تھی۔ مگر اس کی وہی لچھے دار باتوں کا الجھاؤ، جہاں آکر وہ کمزور پڑ جاتی۔

"مانیں گی، مجھے ہر سو آپ ہی آپ نظر آنے لگی ہیں۔ ہر لمحہ آپ کا انتظار کرنا اب بھلا لگنے لگا ہے۔"

نہ ماننے کا سوال ہی نہیں تھا..... اس کا ہر، ہر انداز غماز تھا۔

"سچ..... آپ کے بغیر خود کو ادھورا سا محسوس کرنے لگتا ہوں....." ماورا اپنے چند جذبوں کے ہاتھوں بے بس سہی..... مگر ایسی بھی گئی گزری نہ تھی کہ ایسی ویسی باتیں بہ آسانی ہضم کر جاتی..... یکا یک اس کے لہجے میں آنچ سی در آئی تھی۔

"میں نے سنا ہے زبان میں ہڈی نہیں ہوتی۔ مگر یہ آپ کی کھوپڑی تڑوا سکتی ہے۔"

"خوب... گویا دھمکا رہی ہیں آپ.....؟" وہ محظوظ سا ہو کر ہنسا۔

"زندگی آپ کے نام لکھ دی ہے تو یہ کھوپڑی تو ارزاں سی شے ہے۔" وہ جلد ہی ٹریک پر لوٹ آیا۔

اور بھلا کسے برا لگتا ہے۔ سراہے جانا..... بلکہ چاہے جانا..... یوں ہی تو نہیں..... ماورا جیسی مضبوط عورت نے اپنے آپ پر سے اختیار کھو دیا تھا۔ شاید اس کے لبوں کو اک بے ساختہ مسکراہٹ چھو گئی تھی۔ اور وہ مسحور ہو کر تکتا ہی چلا گیا۔

"کبھی آپ کو کسی نے بتایا کہ آپ کتنی مکمل ہیں ماورا؟" اس کی نظروں ہی نہیں لفظوں میں بھی جذبے کوکنے لگے تھے۔ جواباً وہ اک سرد سانس لے کر رہ گئی۔ کون بتاتا..... حماد رضا ربانی..... جس کی لغت میں بیوی کی ستائش و تعریف کا اک لفظ بھی درج نہیں تھا۔ ماورا کے اندر شوریدہ سر تمنائیں سر پٹخنے لگیں۔

وہ بے چین ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ پھر سر ہوا۔

"ماورا آپ کس کو دھوکا دینا چاہتی ہیں..... مجھے یا خود اپنے آپ کو..... اور کب تک.....؟ آخر کب تک مجھے انتظار کی سولی پر لٹکا کر رکھیں گی۔" وہ اب ڈائریکٹ ماورا کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ جانے

Scanned with CamScanner

اسے گوگو کے دوراہے پر لے جا کر کھڑا کر دینے میں کیا لطف نصیب ہوتا.....

اِک بار پھر وہی مرحلہ درپیش تھا جو اب اسے ہمہ وقت ڈراتا..... سہماتا رہتا تھا۔ اور وہ کیسے بتا جاتی کہ یہیں آ کر وہ خود پر سے اختیار کھو بیٹھتی..... کوئی ہے جو نقطہ اس کے لیے امکان ہے۔ بارہا چشم تصور میں..... اس کا چہرہ مچھب دکھاتا..... التجائیں کرتا..... سراہتا، نظروں ہی نظروں میں آرتی اتارتا..... مانو ماورا کی شخصیت پر چڑھے خول میں دڑاڑیں ڈالتا چلا جاتا..... دل کہتا صرف اپنی ہی خواہشات پر کان دھرے اور آنکھیں بند کر کے اس کے پیچھے ہی پیچھے چلتی چلی جائے۔ جو ہر نئی ملاقات پر اِک خاص الخاص ملاقات کے لیے سر پٹخنے لگتا..... سو اس بار بھی دامن گیر ہوا۔

''ماورا..... کیا آپ کو بتانا پڑے گا کہ میں کس اضطراب میں ہوں.....؟''

ہا... ماورا تو جیسے بیٹھی پھولوں کے ہار پروتی رہتی ہے۔ اسے اپنا وجود خلا میں معلق سا محسوس ہوا..... اور ایسے میں اپنا تیر پھینکنے سے اس ستم گر کو خاص لطف نصیب ہوتا..... یہیں آ کر وہ ڈگمگا جاتی تھی۔ اور کیا اتنا ہی سہل ہوتا ہے۔ ہائے ویلا کرتی خواہشات کا گلا گھونٹ کر جان توڑتے حقائق کے پیچھے چلے جانا کہ دل جس ڈگر پر چل نکلا تھا... وہاں خسارے کا خیال بھی جان لیوا تھا۔ مگر وہ اسے کیسے بتا جاتی کہ وہ مغلوب سہی..... مگر دل اس اکھاڑ پچھاڑ پر آمادہ ہی نہیں ہو پاتا..... شاید وہ حوصلہ کھونے لگی تھی۔ اپنے قدموں پر کھڑے رہنا دشوار ہو گیا تو وہ دوبارہ اسٹول پر ڈھے سی گئی۔ اور اس نے جانے کیا جانچ کر بی پی آپریٹس کا درست استعمال شروع کر دیا اور وہ اٹھتے گرتے پارے کے ہمراہ اپنی اتھل پتھل دھڑکنیں گنتی رہی۔ جانے پارہ کس نقطے پر جا کر تھما تھا۔ یوں ہی فارمیلٹی پوری کرنے کو ہی اس نے نسخے پر چند لائنیں گھسیٹی تھیں۔ وہ دیر تک قلم چلا کر نسخہ تجویز کرتا رہا یہ جانے بنا کہ ایسے کئی نسخے ماورا کی نظرِ کرم کے متلاشی رہے ہیں۔ بھلا بندہ کس، کس روگ کا علاج کرتا پھرے۔ دل جس پر جیون ساتھی کی بے حسی کا داغ تھا۔ مزاج جس پر اِک اکتاہٹ و یاسیت کا غلبہ رہتا۔ یہ تمام حقائق راست سہی مگر اِک جھنجلاہٹ سی تھی۔ وہ تھک گئی تھی، ہار رہی تھی۔ ان تمام حقائق سے فرار چاہتی تھی۔

نسخہ تھامنے کے بعد ماورا نے فارمیسی کاؤنٹر پہنچنے تک مڑ کر نہیں دیکھا کہ اس سے کیا بعید تھا۔ اسے پھر کسوٹی پر دھر دیتا۔ مہینے کی منہ چڑاتی تاریخیں تھیں۔ جہاں آ کر ماورا کو پیسے دانتوں سے پکڑ کر خرچ کرنے ہوتے۔ اور محض بھائی طبع کی خاطر چند سو کا یہ اضافی خرچ ماورا کو دل بھر کے کھلا تھا۔ نسخہ تھماتے ہوئے اسے ڈسپنسر کی مسکراہٹ خاصی معنی خیز سی لگی تھی اور کتنی ہلکی پڑ جاتی ہے ناں انسان کی ذات جب اپنے کسی فعل کے سبب یوں ہی سے لوگوں سے نظریں چرانے پر مجبور ہو جائے واپسی کے لیے لوٹتے ہوئے بھی اس نے اپنے قدموں کو بوجھل محسوس کیا تھا۔

☆☆☆

اس صبح حماد نے آفس جانے سے قبل ماہانہ اخراجات کی مد میں اسے مخصوص رقم تھمائی تھی۔ موسم بدل رہا تھا۔ اور انہوں نے بنا کہے ہی ماورا اور بچوں کے موسم کے کپڑوں کے لیے اضافی رقم تھما دی تھی۔ ماورا چڑ کر رہ گئی۔ جانے یہ شخص ہر ضرورت سے اتنی آگاہ کیوں رہتا تھا۔ اتنی ڈھیروں ڈھیر فرض شناسی و ذمے داری اس کے مضبوط وجود میں کہاں سے آن سمائی تھی۔ چیزوں کو جگہ پر اور لوگوں کو ان کے مقام پر رکھنا حماد ہالی کو خوب آتا تھا اور خود اس کا مقام..... شاید سب سے آخری درجے پر آتا تھا۔

وہ ہر ماہ گھریلو اخراجات کی مد میں اِک لگی بندھی رقم نہ بھی تھماتے تب بھی ماورا گھر کے بجٹ پر ان سے تکرار کو سوچتی ہی رہ جاتی۔ ان کی دبنگ شخصیت کے سامنے ماورا کا نازک بے معنی وجود مزید بے مایہ ہو کر رہ جاتا تھا۔ ہالی کی بارعب شخصیت کبھی وہ رشک کیا کرتی..... ماورا سر جھٹک کر رہ گئی۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

مہینے کی اولین تاریخیں تھیں جو ہمیشہ اپنے جلو میں اس کے لیے ڈھیروں ڈھیر مصروفیات و تفکرات لے کر آتیں۔ ماورا سب کے سدھار جانے کے بعد اسی وقت بجٹ ترتیب دینے بیٹھ گئی۔ یوٹیلٹی اسٹور کا پھیرا، گروسری کی خریداری، گیس، بجلی اور فون کے بل کی قطار..... اور ہاں بچوں کے اسکول سے پرنسپل کا بلاوا بھی تو آیا تھا۔ اسے اپنے اور بچوں کی چیزوں کی خریداری کے لیے بازار بھی جانا تھا اور یوٹیلٹی لسٹ بھی تیار تھی۔ اس نے ایک بار پھر اخراجات کا تخمینہ لگایا۔ ذہنی رو بار بار بھٹکتی..... وہ اعداد و شمار بھول، بھول جاتی۔ پھر نئے سرے سے گننے لگتی..... ماورا کی گزشتہ کوتاہیوں بلکہ چشم پوشیوں کے نتیجے میں اضافی کاموں کا انبار لگ گیا تھا۔ اور اس نے یہ تمام کام آج ہی کی تاریخ میں بھگتانے کی ٹھان رکھی تھی۔ کپڑے استری کر کے رات ہی ہنگ کر دیے تھے۔ فریش صورت کے ساتھ پہلے اسکول کی فیسیں ادا کر کے پرنسپل کی قدم بوسی کرتی تھی۔ پھر یوٹیلٹی اسٹور اور بلوں کے لیے قطار..... ماورا نے جھٹ پٹ ہاتھ لیا۔ اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑی ہوئی تو آئینہ سوال کر اٹھا تھا۔

"کیا آپ کو کسی نے بتایا کہ آپ کتنی مکمل ہیں ماورا؟"

جواباً اس کے چہرے کا اک اک نقش بول اٹھا تھا۔ اک موہوم سی مسکراہٹ اس کے لبوں پر رینگ کر دم توڑ گئی تھی۔ اس میں کچھ شک نہیں تھا کہ اس کے ایسے ہی جملوں نے ماورا کی یہاں سے وہاں تک اجاڑ..... اور بے رنگ زندگی میں رنگ ہی رنگ بکھیر رکھے تھے۔

"اچھی لگ رہی ہیں۔"

"کلر آپ پر بہت سوٹ کرتا ہے۔"

"کبھی کاجل کو بھی اعزاز بخش دیا کریں۔ سچ آپ کی آنکھوں سے لپٹ کر اپنی خوش بختی کے گیت گاتا پھرے گا۔"

لفظ ہی لفظ..... ستائش ہی ستائش..... ایسے ہی دل و روح کو جکڑ لینے والے لفظوں کے تحت بہت۔ غیر محسوس انداز میں اس نے خود پر سے اختیار کھو دیا تھا۔

شکیب احمد جلالی کے مضبوط وجود نے اس کے احساسات کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا اور اس نے بھلا کب اپنے اندر..... رستے پلتے دکھوں کی تشہیر کی تھی۔ کم از کم راوی اس کے لیے تو چین ہی چین لکھتا ہی تھا مگر اب لگتا بہت کچھ بکھر گیا ہے۔ سالوں کی تھکن اس کے روم، روم میں اتر کر اس کا اندر کھوکھلا کر رہی تھی اور وہ زیرک نگاہ بلا کا تھا۔ کیسا دل خوش کن اور روح کو تقویت بخش دینے والا احساس ہوتا ہے کسی کے لیے اہم ہونا..... وہ بھی اس صورت میں جب کوئی اپنا آپ کی اہمیت تسلیم کرنے پر آمادہ ہی نہ ہو۔ ماورا بھی ہار سی گئی تھی۔ کیا یہی ہوا کرتی ہے اک عورت کی حیثیت و اوقات ابن آدم کے چند سراہتے جملے، ستائش کی نظر محبت کے احساس سے نوازا انہیں اور عورت پھول بن کر اس کی راہوں میں بکھرنے کو تیار چند اپنائیت بھرے جملے ادا کیے نہیں اور وہ چاروں شانے چت..... اپنا مقام اپنی ہستی تک فراموش کر جاتی ہے۔ کوئی محبت کی نظر سے نوازتا، انتظار کے پھول لیے دیدہ و دل فرشِ راہ کیے کھڑا ہو ممکن ہی نہیں کہ وہ کنی کترا جائے۔ رستہ بدل لے یا دامن بچا جائے۔ ماورا کے لیے بھی دامن بچانا اتنا سہل نہیں رہا تھا۔ قدم، قدم پر لڑکھڑا جانے والا نازک سا وجود یک دم اک سرکشی پر آمادہ ہو چلا تھا۔

ماورا نے آج کاجل کو اعزاز بخشا تھا۔ آئینے کے سامنے ٹھیک ٹھاک وقت گزار کر اک ستائش بھری نظر سے سرتاپا اپنا جائزہ لیا تھا۔

"ہونہہ..... یہ بھی کوئی تک ہے کہ میں ایک بندے کے لیے اپنے آپ کو سجاؤں، سنواروں..... بقیہ دنیا بیوقوف تو نہیں ہے!" وہی ہٹ دھرمیاں دکھاتی عورت پھر انگڑائی لے کر بیدار ہوئی تھی پھر کس کو فرصت تھی آنکھیں دکھاتی اندر کی غیر جانبدار عورت کی تنبیہہ پر کان دھرنے کی..... تمناؤں کے حصول میں روڑے اٹکاتا حماد رہائی کا رویہ اندھیر سی اندھیر تھی۔ ناپ تول کے معاملے میں اگر میزان کا پلڑا دل کی جانب جھک جاتا تو اولاً یہی غیر جانبدار عورت کھڑی اسے ملامت

Scanned with CamScanner

کرتی نظر آتی..... مگر اب پروا کس کافر کو تھی۔

ماورا نے بیگ کاندھے پر لٹکا کر گھر لاک کیا اور اسکول پہنچ کر سب سے پہلے پرنسپل کے دربار میں حاضری لگائی۔ یہ تو طے تھا کہ وہ فرسٹریشن کا شکار تھی۔ پھر کہاں ممکن تھا کہ گھر اور بچے متاثر نہ ہوتے۔ وہ پرنسپل کی گنوائی جانے والی تمام تر کوتاہیاں.... خیر جانبداری سے اپنے نامۂ اعمال میں درج کرتی انہیں اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلاتی رہی تھی۔ پرنسپل مزید سخت سست کہنے کے موڈ میں تھی مگر ماورا کے جلدی کا شور ڈال دینے پر خلاصی نصیب ہوگئی تھی۔ اسکول کی عمارت سے نکلتے ہی اس کے اندر آگ ہی آگ بھڑک اٹھی۔ اسے بکتی جھکتی پرنسپل پر بلاوجہ کا تاؤ آنے لگا۔ صورت نہ شکل، مزاج ایسے کہ اللہ، اللہ..... دل شدت سے تمنائی تھا کہ کھری، کھری سنا کر ہی لوٹے یا کم از کم اس پر اس کی اوقات ہی جتادے کہ یہ اسکول اس کی میراث نہیں ہے۔ وہ بھی تو فقط ملازم ہی ہے اور یہ کہ اپنی زندگی کو اپنی مرضی و منشا کے مطابق بسر کرنے کا تھوڑا بہت استحقاق تو وہ خود بھی رکھتی ہے۔ عورت ہونے کی پاداش میں جو فرائض اس پر لاگو کیے گئے ہیں وہ ہر حال میں انہیں بھگتانے کی پابند ہے۔ یہ کہاں درج تھا۔ ماورا کا فرسٹریشن ایسے ہی روزن مانگنے لگا تھا۔ جو نصیب نہ ہونے پر یونہی اسے بکھیر جاتا۔

مارکیٹ کے لیے رکشا پکڑنے تک وہ اک آزردگی و اضطراب کی کیفیت میں گھر گئی تھی۔ یہ سارا، اضطراب و آزردگی اسی شخص کا ودیعت کردہ تھا۔ جس کا اطمینان..... سرد و سپاٹ رویہ..... ماورا کے اندر سناٹے اتار گیا تھا۔

وہ اپنے اندر بڑھتے پھیلتے سناٹوں اور تاریکیوں سے وحشت زدہ ہوتی تو اس شخص سے انتقام لینے بیٹھ جاتی جو بے ضرر ہونے کے باوجود اسے سارے کا سارا کھلنے لگا تھا۔ "زمانہ قدیم کی حنوط شدہ مگر چلتی پھرتی گی....." وہ اک استہزا سے سوچتی اپنے اندر اٹھتی آوازوں کو تھپکتی رہی تھی مگر اس کے اندر کا چور ملامت

تسنیت

کسی نے فون پہ دی سال نو کی تہنیت مجھ کو
تمنا رقص کرتی ہے تخیل گنگناتا ہے

تصور اک نئے احساس کی جنت میں لے آیا
نگاہوں میں کوئی رنگین چہرہ مسکراتا ہے

جبیں کی چھوٹ پڑتی ہے فلک کے ماہ پاروں پر
ضیا پھیلی ہوئی ہے سارا عالم جگمگاتا ہے

شفق کے نور سے روشن ہیں محرابیں فضاؤں کی
ثریا کی جبیں زہرہ کا عارض تمتماتا ہے

پرانے سال کی ٹھٹری ہوئی پرچھائیاں سمٹیں
نئے دن کا نیا سورج افق پر اٹھتا آتا ہے

زمیں نے پھر نئے سر سے نبارختِ سفر باندھا
خوشی میں ہر قدم پر آفتاب آنکھیں بچھاتا ہے

ہزاروں خواہشیں انگڑائیاں لیتی ہیں سینے میں
جہانِ آرزو کا ذرہ ذرہ گنگناتا ہے

امیدیں ڈال کر آنکھوں میں آنکھیں مسکراتی ہیں
زمانہ جنبشِ مژگاں سے افسانے سناتا ہے

مسرت کے جواں ملاح کشتی لے کے نکلے ہیں
غموں کے ناخداؤں کا سفینہ ڈگمگاتا ہے

خوشی مجھ کو بھی ہے لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں
مسرت کے اس آئینے میں غم بھی جھلملاتا ہے

ہمارے دورِ محکومی کی مدت گھٹتی جاتی ہے
غلامی کے زمانے میں اضافہ ہوتا جاتا ہے

یہی انداز گر باقی ہیں اپنی ست گامی کے
نہ جانے اور کتنے سال آئیں گے غلامی کے

کلام: علی سردار جعفری
از: بشریٰ رضوی، کراچی

Scanned with CamScanner

digest library.com

کرنے بیٹھتا تو وہ نظریں چرانے لگتی..... اپنے اندر کے اسی چور کو تھپکیاں دینے کی خاطر اسی رات مادرا نے گن کر سائڈ ٹیبل پر سیرپ سجائے تھے اور شاید اسی سبب حمادر ضا کو یاد آ گیا۔

"کل گئی تھیں تم ڈاکٹر کے پاس.....؟" سرسراتا ہوا سرسری سا لہجہ یوں جیسے کوئی بوجھ اتارنا ہو یا محض اک فارمیلٹی اور اس میں کیا شک تھا کہ وہ گئی تھی۔ مگر اِک بے نیازی سی بے نیازی تھی۔ یوں جیسے قصہ زلیخا سن کر پوچھا جائے کہ زلیخا مرد تھی کہ عورت..... مادرا دل بھر کے بدمزہ ہوئی۔ اندر کا چور نظریں چرانے لگا مگر کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی تھا۔ مبہم سا ہنکارا بھر کر اِدھر اُدھر ہاتھ مارنے لگی۔ ہولتے ڈولتے دل کی اتھل پتھل دھڑکنوں کو سنبھالتے ہوئے لفظ ترتیب دینے لگی..... مادرا نے اپنے اندر اترتی تھکن اور بے معنی اضطراب کو جانے کون، کون سے جواز بخشے تھے۔ جس کے جواب میں وہی ازلی بے نیازی اور لیے دیے پن کا مظاہرہ.....

"اپنا خیال بھی تو نہیں رکھتی۔ تم کچھ آرام کیا کرو....." مشورہ مفت عنایت ہوا..... پل بھر میں سارا الزام اس کی نا اہلی کے سر دھر دیا..... مادرا کی ڈھیروں ڈھیر تاویلوں کے جواب میں انہیں کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی تھا۔

"گھر اور بچوں کی ڈھیروں ڈھیر مصروفیات میں آرام کا وقت کہاں؟"

"ہم.....ہم.....م....." مختصر سے جواب کے بعد ڈھیروں ڈھیر تاویلوں کا اِک جہان آباد تھا کو کہ ہر تاویل بے وزن تھی مگر ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مانند تھی۔ مگر اس سے آگے وہی جامد خاموشی نصیب رہی جو مادرا کی ذات کو خود اس کی نظر میں دو کوڑی کا کر جاتی۔ مادرا کی ذات سے وابستہ آزار ان کے لیے باعثِ اتنا ہی کہاں تھے۔ خاموشی کی چادر دبیز ہونے لگی..... وہی خاموشی جواب مادرا کی چڑ بنتی جا رہی تھی۔ ان کے پاس مادرا کے لیے بس اِک آرام کا مشورہ ہی تھا..... اور کتنا ہلکا پھلکا سا ہو کر رہ جاتا ہے انسان..... دوسروں کو مشورہ بخش کر..... یوں ہی بڑی الذمہ سا ہو کر رہ جاتا ہے۔

مادرا کی دو کوڑی کی اوقات پر اس کی بے مول ذات دانت نکوس کر ہنسنے لگی..... ایسے ہی لمحات میں اسے اپنا آپ فضول ہی نہیں اضافی و ناکارہ بھی محسوس ہوا کرتا..... اب وہ منہ پھاڑ کر اپنے اضطراب کی پرتیں کھولتی کیا خاک بھلی لگتی۔ حمادر ضا کروٹ بدل کر ہاتھ بڑھا کر سائڈ ٹیبل لیمپ آف کرنے کے بعد اس کا چین و قرار لوٹ کر اپنی اسی بے اعتنائی سمیت مزے سے سو گئے تھے۔ بیڈ روم کی نیم تاریک فضا میں ان کی گہری سانسوں کا ارتعاش کارِ دھم اب مانوس سا ہو چلا تھا۔ وہ اِک گہری سانس بھر کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی اس نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر تیزی سے چہرے کا مساج کیا۔ کمرے میں اک گہری خاموشی راج کر رہی تھی۔ آئینے کے ماتھے پر لگی چھوٹی سی ٹیوب لائٹ کی کمزور روشنی اسے ناکافی پڑنے لگی۔ اِدھر اُدھر ہاتھ مار کر ہیئر برش برآمد کیا..... اور جلدی، جلدی بالوں میں چلا کر بیڈ پر آ بیٹھی۔ دھیان کی رو اک بار پھر بھٹک اٹھی تھی۔

یہ غیر اہم ہونا بھی کیا، کیا قیامتیں ڈھایا کرتا ہے۔ وہ بھی ان لوگوں کے لیے تقدیر جن کے نام تمام جملہ حقوق محفوظ کر چکی ہو پل بھر میں سکھ و سکون کے تمام سکے اِک، اِک کر کے ہاتھ سے نکلتے چلے گئے تھے۔ یک دم ہی مفلس و قلاش ہو کر رہ گئی تھی۔

حمادر ضا ربانی..... گویا اسے جاگنے کی سزا دے کر سو چکے تھے۔ ان کی یہی بے اعتنائی و بے توجہی اسے دل بھر کے کھلنے لگی تھی۔ نہ جانے کیوں..... مگر اب وہ سوچنے لگی تھی۔ کیا ہر عورت اتنی ہی ارزاں ہوا کرتی ہے۔ گھر کے کونے میں رکھے کسی ڈسٹ بن کی طرح جس کے پاس صرف ضرورت لے کر آ سکتی ہے کیا وہ بھی اتنی ہی ارزاں تھی اور اگر تھی تو پھر کون سا جذبہ مرد کو اس بے قیمت عورت کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا کرتا ہے۔ فطری تقاضا، لمس کی تسکین یا پھر افزائشِ نسل..... عورت جو شوہر کے لیے ضرورت یا مجبوری کا سودا سہی مگر بے حس تو نہیں ہوتی۔ حصول کے

Scanned with CamScanner

بعد بے مول اس لیے ہو جاتی ہے کہ دسترس میں ہوتی ہے۔ ڈسٹ بن کی طرح ماورا کو اپنے آپ پر تاسف ہونے لگا..... ان ہی سرکشی و بغاوت پر مائل کرتی سوچوں کے سبب وہ سکھ سکون کے معنی بھول گئی تھی۔ مانو زندگی کانٹوں کا بستر بن کر رہ گئی تھی۔ کسی کل قرار نہ تھا۔ نیند ستاتی مگر وہ سو نہ پاتی۔ بلاوجہ ہی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ اِک عرصہ ہو گیا تھا.. اسے حماد رضا ربانی نامی اس چٹان سے سر پٹختے، پٹختے اسے ہمیشہ ان لوگوں پر رشک آتا۔ جو زندگی کو نہایت سہل طریقے سے جو ہے اور جیسا ہے کی بنیاد پر ذمے داریوں سے آنکھیں بند کر کے بری بھلی گزار ہی لیتے ہیں۔ شاید پہلو تہی یا چشم پوشی اسی کا نام ہے جو شاید کبھی ماورا کے مزاج کا حصہ نہیں رہی تھی۔

حماد اسی حد سے گزری ذمے داری کے عوض اس کی ذات سمیت گھر سے منسلک ہر مسئلہ معاملہ، ماورا کے سر رکھ کر شانت ہو جاتے۔

بیڈ روم کی نیم تاریک خاموش فضا میں جلد ہی ان کی گہری سانسوں کا ردھم اِک تلاطم سا پیدا کرتا مگر اسے لگتا..... سناٹے اور بڑھ گئے۔ لفظ تشنہ رہ جاتے۔ ماورا مزید بکھر اٹھتی..... سکھ قسمت میں نہ ہو تو کہیں نہیں ملتا..... اب اکثر ایسا ہونے لگا تھا۔ جب نیند اس سے روٹھتی اور پہلو میں محوِ خواب ہم سفر اپنے ازلی سکون و بے نیازی کے ہمراہ اس کے اندر بپا طوفانوں سے... بے خبر خواب خرگوش کے مزے لیتا۔ یاسیت دھیرے، دھیرے اس کا احاطہ کرنے لگی تھی۔ سناٹے مزید گونج دار ہو گئے۔ وہ اِک گہری سانس بھر کر رہ گئی۔ پھر ان کے پہلو میں آن بیٹھی۔ دستِ تقدیر سے کچھ زیادہ تو اس نے کبھی طلب نہیں کیا تھا۔ وہ ہوس پرست تھی نہ ہی حریص..... ہاں مگر تھی داماں ضرور تھی۔ کسی بے جان سے چاک کے مانند اپنے اندر بہت سے لفظوں کے ذخائر رکھنے کے باوجود کسی لمس کی دست مگر ماورا نے پلٹ کر قصداً ان کی جانب رخ پھیرا تھا۔ دھیان کی رو اِک بار پھر بھٹک گئی۔

زندگی کتنی سہل ہو جاتی ہے اگر کسی اپنے کے کاندھے پر سر رکھ کر کارِ زیست کی تمام تر تھکن اتار دی جائے۔ حیات کے تمام آزار کو کوئی اپنی پوروں سے چن کر لبوں پر رکھ لے مگر اسی بے نیازی و بے توجہی کے سبب لگتا کشتیِ حیات اِک کش مکش کے بھنور میں گھر کر رہ گئی تھی۔ بس یہیں آ کر ماورا کے اختیارات کے پر جلنے لگتے۔

حماد رضا ربانی..... ماورا کی کتابِ زندگی کا وہ سیاہ باب جس نے اس کی زندگی سے رنگ چھین کر تنہائیوں کا کرب بخش کر نارسائیوں کے جہنم میں جھونک دیا تھا۔ مقامِ صد حیرت ہی تو تھا اسے حماد رضا ربانی جیسے بے خبر بندے سے لگے تھے۔ شکایات تھیں..... وہ شکایات جنہیں کبھی لفظوں کا پیراہن نصیب نہیں ہو سکا۔ ویل ایجوکیٹڈ اعلیٰ عہدے پر فائز حماد رضا ربانی پنکچوئلٹی جن پر ختم تھی۔ فرض شناسی ان کا اوڑھنا بچھونا..... ان کی یکے بعد دیگرے کئی پروموشنز اسی فرض شناسی کا خراج ادا کرتی رہیں۔ پھر اسی مناسبت سے کام کا بڑھتا بوجھ..... مصروفیت کا لامتناہی سلسلہ، پروفیشنل زندگی کا گھیراؤ، خود ماورا کی کولہو کے بیل جیسی جفاکش طبیعت..... نرم خو، ذمے دار شخصیت، وہی عورت کی ازلی بنا کچھ کہے سنے سب کچھ جھیل جانے والی بے ضرر مگر خود اپنے لیے نقصان دہ فطرت..... مگر یہ سب کچھ یک دم نہیں ہوا تھا۔ بس آہستہ، آہستہ خود بخود ہوتا چلا گیا۔ ماورا نے چاندنی راتوں کی نرم ٹھنڈک..... جب ان کے شانے پر سر رکھ کر محسوس کرنی چاہی..... ان کے شانوں کو کام کے بوجھ سے جھکے پایا..... آفس، فائلیں، کتابیں، لیپ ٹاپ..... فراغت کا تصور بھی عبث تھا۔ ایسے میں رومانس جیسی لغویات کی کوئی گنجائش ہی نہیں نکلتی تھی۔

ماورا سراپا غزل تھی۔ مگر لطافت انہیں چھو کر بھی نہیں گزری تھی۔ ان نے بارہا شہد و بھورسی سیاہ زلفوں میں گجروں کے گچھے گوندھے تھے۔ جب نہیں جانتی تھی کہ سیاہ شب کو شرماتی زلفوں میں گجروں کو سجا لینے سے مقابل باذوق یا اہلِ نظر نہیں قرار پاتا۔ کئی بار ایسے گجروں کے رُل جانے پر ماورا کی پلکوں سے

Scanned with CamScanner

digest library.com

چپکے، چپکے جانے کتنے موتی ٹوٹ کر بکھرے تھے۔ وہ حماد رضا رہانی سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی۔ ایسی باتیں جو صرف جیون ساتھی سے ہی کی جاسکتی ہیں۔ بارہا ان کے کندھے پر سر رکھ کر ان سے بہت کچھ کہنا سننا چاہا تھا۔ کیٹس کی شاعری..... مونالیزا کی فسوں خیز مسکراہٹ ..... جگجیت کی غزل کا کوئی میٹھا سا درد..... دھند کے اس پار ڈوبتے چاند کی کرنیں بکھیرتی چاندنی میں ان کا ہاتھ تھام کر کہیں دور تک چلتے چلے جانے کی خواہش کی تھی۔ مگر ان کا شانہ کاموں کے بوجھ سے ہمیشہ جھکا پایا۔ کم گوئی ان کا شعار تھی۔ مزاج پر سنجیدگی کی گہری چھاپ اور نام کے آگے ڈگریوں کی وہ کثیر تعداد کہ اسے اپنا آپ چھوٹا محسوس ہوا کرتا..... اس نے تو بھی تو اپنی شادی شدہ زندگی کے لیے بہت سے خواب دیکھ رکھے تھے۔

شادی کے ابتدائی دنوں میں جب ارمانوں کی جولانیاں عروج پر تھیں۔ anniversary کا دن تھا۔ اور جانے کس نے اس دن کی اہمیت کو یاد رکھتے ہوئے حماد رہانی کو شرم دلائی تھی۔

"کمال ہے بھائی..... بھابی جان کے لیے ایک پھول ہی لے آتے۔ ارے بھائی..... آج anniversary ہے۔" یہ فرمائش کی ارزاں ترین قسم تھی۔

اب لاکھ دماغ پر زور ڈالنے پر بھی یاد آ کے نہ دیتا کہ anniversry شادی کی یا سالگرہ ہے۔

"فار گاڈ سیک..... حماد اور پھول؟ جانے بھی دیجیے دل جلانے کی بات کرتے ہو....." حماد رہانی کو حسِ لطیف چھو کر بھی گزری ہوتی تو کیا ہی کہتے تھے۔

حماد رہانی کے مزاج کی اس سے بہتر ترجمانی ہو بھی نہیں سکتی تھی۔ مگر وہ کبھی بدمزہ نہ ہو سکے۔ چہرے پر ساکن سکون کی لہریں ان کے ازلی اطمینان کی غماز رہا کرتیں..... شاید یوں ہی کسی کے احساس دلانے پر اِک بار اپنی اسی ازلی خاموشی کے ساتھ ماورا کو کنگن پہنایا تھا۔ مگر دل کو بہلانا..... احساسات میں ابال مچاتا کوئی بھی لفظ منہ سے جھڑکے نہ دیا۔ ماورا نے پھر دونوں کنگن کو ہاتھ تک نہیں لگایا مگر استفسار ندارد۔

اس کے لیے تعریف و توصیف کا کوئی بھی لفظ حماد رہانی کی لغت میں درج نہیں تھا۔ یہ ادراک اسے بہت آگے جا کر نصیب ہو سکا۔

ماورا ان کے مزاج کے سب موسموں سے واقف ہوتے ہوئے بھی خوش گمانیوں کی لپیٹ میں رہتی..... سو اِک اضطراب اس کا ہم قدم تھا۔

یہ اسی ابتدائی سال کی بات تھی۔ ماورا کی اِک قریبی مزاج آشنا دوست نے جگجیت چترا کی غزلوں کا پارسل اسے بھیجا تھا۔ اور ماورا کے اتا در یافت کرنے پر کہ انہیں کمرا بند کر کے اندھیرے کمرے میں دھیمے سُروں جگجیت کی غزلیں سننا کیسا لگتا ہے! اور اسی رات وہ ماورا کو من پسند ماحول میں غزلیں سننے کی کھلی چھوٹ دے کر بوریا بستر لپیٹ کر اگلے کمرے میں جا سوئے تھے۔

اور کسی کی ضرورت بن کر رہنا بھی کیسا دل خوش کُن اور روح کو تقویت بخش دینے والا احساس ہوتا ہے۔ دوسرے غرض کے ریپر میں لپیٹ کر ہی سہی..... آپ کی اہمیت تسلیم کر ہی لیا کرتے ہیں۔ کیا وقت تھا کہ ماورا کرید، کرید کر حماد رضا کی ضروریات، خواہشات و پسندیدگی کی بابت دریافت کیا کرتی..... کسی حوالے سے ہی وہ ماورا کی اہمیت قبول کر جائیں..... مگر نہیں.....

پہلی بیٹی ماہا کی آمد، آمد تھی۔ ماورا کا بلڈ پریشر لو رہتا..... اور جوائنٹ فیملی سسٹم میں آرام کا تصور بھی اِک خواب ہی تھا۔ ماورا نے ہفتہ تو کیا..... مہینہ بھر بھی میکے میں پڑاؤ ڈالا تو دل کو برماتے یا ان کی ضرورت کا ہی اعتراف کرتے کسی بھی لفظ سے محرومی مقدر رہی.....

"تمہارے بغیر میرا گھر، میرا وجود ادھورا ہے۔" یا پھر دو ہی لفظ "لوٹ آؤ" مگر نہ جی اُدھر تو بے نیازی کا اِک جہان آباد تھا۔ موسم بدلتا، اس کا دل ہمکنے لگتا۔ ماورا نے ہارا اپنے بالوں میں گجرے سجائے تھے۔ مگر مٹی کے مادھو کی بے توجہی کے سبب..... سب رُتیں سوگوار ہو جاتیں۔

(دوسرا اور آخری حصہ اگلے ماہ)

Scanned with CamScanner

ذمے داری آدھی تمہاری

انشین نعیم

"آخر میری بات کسی کو سمجھ کیوں نہیں آرہی.....؟"
مائدہ نے پلیٹ سے تیسرا سموسہ اٹھا کر اسے چٹنی کی کٹوری میں غوطہ لگوایا۔
رباب خاموشی سے اپنے ناخنوں پر نیل پالش لگاتی رہیں۔
"کوئی میرا نقطۂ نظر سمجھنے کی بھی تو کوشش کرے....."
بھرے ہوئے منہ کے ساتھ اس نے بمشکل جملہ مکمل کیا۔
رباب نے ایک نظر بھابھی کے مسلسل چلتے ہوئے منہ کو دیکھا نیل پالش کا ڈھکن شیشی پر لگا کر شیشی بند کی اور پھر بڑی نزاکت سے اپنی انگلیاں ہونٹوں کے قریب کر کے پھونک مار کر نیل پالش خشک کرنے لگیں۔

Scanned with CamScanner

digest library.com

"آپ کچھ کہہ کیوں نہیں رہیں خالہ....." چٹنی کی کٹوری منہ سے لگا کر خالی کرتے ہوئے اس نے کچھ چڑ کر رباب کو دیکھا۔

"تم تین سموسے کھانے کے بعد چٹنی بھی پی گئی ہو، اتنے ندیدے پن کی توقع نہیں تھی مجھے تم سے۔" رباب نے کہتے ہوئے صوفے سے ٹیک لگائی۔

"میں اپنے مسئلے کے بارے میں بات کر رہی ہوں۔ میرے ندیدے پن پر تبصرہ ہم پھر کبھی کرلیں گے۔" مائدہ کے چہرے کے زاویے بگڑے۔

"آپ کی بہن نے جینا مشکل کر دیا ہے میرا۔ تین دن سے بول چال بند کر رکھی ہے۔ آفس سے گھر آتی ہوں تو غبارے جیسا منہ بنا کر گھوم رہی ہوتی ہیں، بات کا جواب تک نہیں دیتیں۔ کل رات میں نے احتجاجاً کھانا نہیں کھایا۔ پوچھا تک نہیں انہوں نے....." مائدہ روہانسی ہوئی۔

"پھر آدھی رات کو چھپ، چھپ کر کھانا، کھانا پڑا مجھے....." چہرے پر زمانے بھر کی مظلومیت طاری کرتے ہوئے اس نے بات مکمل کی۔

"شرم آنی چاہیے تمہیں....." غصے سے لال بھبھو کا ہوتا چہرہ مائدہ کو حیران کر گیا۔

"مطلب آپ بھی مجھے ہی غلط سمجھ رہی ہیں..... آپ کی نظر میں بھی..... قصوروار میں ہی ہوں۔" بات اس کے منہ ہی میں رہ گئی۔

"باوجود اس کے کہ تمہیں معلوم تھا میں ڈائٹنگ کر رہی ہوں، تم ایک نہ دو پورے تین سموسے اٹھا کر لے آئیں، وہ بھی دہی والی چٹنی کے ساتھ اور اس پر غضب یہ کہ تینوں سموسے اکیلی کھا گئیں..... یہاں تک کے چٹنی بھی غٹاغٹ پی گئیں۔" مائدہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"خالہ! وہ سموسے، میں ہم تینوں کے لیے لائی تھی..... میں، آپ اور خالو..... اور آپ نے مجھے کہا تھا۔" اس نے وہ الفاظ یاد کرنے کی کوشش کی جو رباب خالہ نے اس کے ہاتھ میں سموسوں کا لفافہ دیکھ کر کہے تھے۔

"ارے بھئی، یہ کیوں اٹھا کر لے آئی ہو..... پتا بھی ہے، ڈائٹنگ کر رہی ہوں میں۔"

"صرف تین ہی تو ہیں خالہ..... میں، آپ اور خالو تینوں ایک، ایک کھالیں گے۔" اپنی منمناتی آواز اس کے کانوں میں گونجی۔

"دیر سے آئیں گے تمہارے خالو..... آج دفتر کے ساتھیوں کے ساتھ باہر کھانا ہے۔"

"اوہ....." یہ آخری آواز تھی جو لگاتار تین سموسے کھانے سے پہلے اس کے حلق سے نکلی تھی۔

پریشان چہرہ، حیران آنکھیں، کھلا ہوا منہ.....

"تو خالہ، اب اس میں میرا کیا قصور ہے..... پیسے لگائے تھے، سموسے پھینک تو نہیں سکتی تھی ناں....." اس کی منمناتی آواز خالہ کی گونج دار آواز میں دب گئی۔

"میں نے سوچا تھا..... چلو بچی لے ہی آئی ہے تو خیر ہے ایک دن ڈائٹنگ کا ناغہ ہی سہی..... ذرا نیل پالش لگالوں پھر مل کر کھاتے ہیں....."

"تو مجھے بتانا تو تھا ناں....." مائدہ روہانسی ہوئی۔

"بتانے ہی کے لیے منہ اوپر کیا تھا..... تو، تم..... آخری سموسہ کھا رہی تھیں....." رباب نے اسے گھورتے ہوئے بات مکمل کی۔

"معاف کر دیں خالہ..... غلطی ہو گئی۔" اس نے رباب کے سامنے ہاتھ جوڑے۔

"میرے مسئلے پر ذرا غور فرمالیں....."

"ہوں....." رباب نے تین انگلیوں سے میز بجائی۔

"فٹافٹ اٹھو..... اور کڑک سی چائے بناؤ..... دودھ زیادہ، پانی کم، پتی تیز..... اب تو چائے پینے کے بعد ہی تمہارے مسئلے پر غور ہو سکتا ہے....."

"اچھا..... بناتی ہوں....." برے، برے منہ بناتی وہ سست رفتاری سے کچن کی طرف بڑھی۔

"چینی مت ڈالنا....." خالہ کی آواز پر وہ پلٹی۔

"اور کچھ....."

"اور یہ کہ شکل ٹھیک کرلو..... مسکراتی ہوئی جاؤ اور چائے کی ٹرے لے کر مسکراتی ہوئی واپس آؤ۔"

"خالہ....." کمزوری سی آواز اس کے حلق سے برآمد ہوئی۔ "آفس سے تھکی ہوئی آرہی ہوں اور ابھی گھر جا کر بھی اتنے کام کرنے ہیں۔" رباب نے ان سنی کرتے ہوئے ریموٹ اٹھالیا۔

☆☆☆

فرح دو بار میاں کو کھانے کے لیے بلانے آچکی

Scanned with CamScanner

تھیں..... پر اُن کی گفتگو ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔
"اللہ جانے کس سے بات کر رہے ہیں اتنی لمبی۔"
"بھائی! مجھے لگتا ہے، آپ کو آنا چاہیے....." تھوڑا توقف کر کے وہ گویا ہوئی۔
"اس سے پہلے کہ حالات بگڑ جائیں، اور معاملات بالکل ہی ہاتھ سے نکل جائیں..... بروقت کوئی نہ کوئی قدم اٹھا لینا چاہیے۔" دوسری جانب سے آواز سنائی دی۔
"اتنا آسان تو نہیں ہے میرا آنا..... پھر بھی میں کوشش کرتا ہوں۔" تقریباً ایک گھنٹا بات کرنے کے بعد انہوں نے یہ کہتے ہوئے بات ختم کی۔
"جی! کیا ہے کھانے میں آج.....؟" موبائل آف کر کے چارجنگ پر لگاتے ہوئے واحد نے بیگم کو مخاطب کیا۔ جو تیسری بار انہیں کھانے کے لیے بلانے آ رہی تھیں کمرے میں۔
"ماش کی دال بنائی ہے۔" فرح نے میاں کا موبائل آف دیکھا تو شکر ادا کرتے ہوئے بولیں۔
"اب آپ مجھے خود بتائیں گے کہ آپ کس سے اتنی لمبی بات کر رہے تھے یا پھر مجھے اگلوانا پڑے گا....." فرح ان کے عین سامنے کھڑی تفتیشی انداز میں گویا ہوئیں۔
"نہیں جی..... خود تو میں نہیں بتاؤں گا کچھ بھی....."
"مطلب، ڈرائنگ روم کی سیر کروانی پڑے گی آپ کو....."
"یہی سمجھیے....." وہ دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے باہر آ گئے۔

☆☆☆

"امی..... مدیحہ، بہت اصرار کر رہی ہے..... اس اتوار اپنے گھر والوں کو لانے کے لیے..... اور میں مزید ٹال مٹول نہیں کرنا چاہتی۔" مائدہ نے وہ موضوع چھیڑا جو کافی دن سے گھر میں ٹینشن کا باعث بنا ہوا تھا۔
"آخر تمہیں بات سمجھ کیوں نہیں آ رہی....." سلمیٰ تنک کر بولیں۔
"یہی تو سارا مسئلہ ہے..... امی اصل میں تو مجھے بات..... سمجھ ہی اب آئی ہے....." مائدہ آج آر یا پار والی تیاری سے بات کرنے کے موڈ میں تھی۔
"اچھا..... بس اب ختم کرو اس سب کو....." وہ انتہائی بیزاری سے بولیں۔
"ٹھیک ہے..... پھر میں مدیحہ سے کہہ دیتی ہوں کہ اتوار کو وہ لوگ آ جائیں۔ شام کی چائے سب ساتھ پئیں گے۔"
"مائدہ..... تم مدیحہ کو منع کر دو....." سلمیٰ نے کچھ چڑچڑے پن سے کہا۔
"ضرور..... امی..... اگر آپ کوئی معقول وجہ مجھے سمجھا دیں۔" مائدہ نے کہا۔
"میرا اور مدیحہ کا پچھلے آٹھ برس کا ساتھ ہے، آپ اچھی طرح جانتی ہیں ان لوگوں کو..... اس بار کوئی بہانہ نہیں ہے آپ کے پاس تو بغیر کسی وجہ کے انکار کر رہی ہیں آپ....."
"کیا مطلب ہے تمہارا.....؟ اور یہ کس لہجے میں بات کر رہی ہو تم ماں سے....." وہ اس کے بدلے، بدلے لہجے اور انداز سے سخت خائف ہوئیں۔
"امی! فرح ممانی نے اپنے بھائی کے لیے میرا ہاتھ مانگا تو آپ نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ بھائی کے سسرال میں بیٹی نہیں دوں گی۔ اصل وجہ چاہے کچھ بھی ہو لیکن مجھے اور سارے زمانے کو آپ نے یہی بتایا کہ سسرالی معاملات بڑے نازک ہوتے ہیں۔ ذرا سی بات پر دو گھر اجڑ جاتے ہیں۔" مائدہ ایک لمحے کو رکی۔
"عامر بھائی کا رشتہ آپ نے یہ کہہ کر منع کیا کہ میں ملک سے باہر اپنی لڑکی نہیں بھیجوں گی۔" وہ اب ایک، ایک رشتہ گنوا رہی تھی۔ "میرے آفس کے کولیگ کا رشتہ آپ نے اس لیے ٹھکرا دیا کہ آپ کو لگا وہ میری تنخواہ کی لالچ میں رشتہ مانگ رہے ہیں اور..... صفیہ خالہ....."
"بس کرو مائدہ، یہ کیا تم نے شادی، شادی کی رٹ لگا رکھی ہے۔ اللہ جانے پچھلے چند دن سے تمہیں یہ شادی کا بخار کیوں چڑھ گیا ہے۔ نہ کوئی شرم، نہ حیا، نہ لحاظ۔ رباب تک کو جا کر کہہ دیا کہ ماں شادی نہیں کر رہی....."
"اُف.....!" مائدہ صدمے کے مارے کچھ بول ہی نہ سکی۔ "رباب خالہ....."
"آپ سے کس نے کہا کہ میں خالہ کے پاس گئی تھی....." ہائے حلق سے گھٹی، گھٹی سی آواز برآمد ہوئی۔
"امی نے بتایا ہے..... اور یہ بھی کہ اچھی طرح

Scanned with CamScanner

digest library.com

طبیعت صاف کی ہے اس نے تمہاری..... ماں کبھی اپنے بچوں کا برا نہیں سوچتی..... میں جو کچھ بھی کر رہی ہوں تم لوگوں کے بھلے ہی کے لیے کر رہی ہوں....." ان کی بات بیچ میں ہی کہیں رہ گئی..... مائدہ وہاں سے جا چکی تھی۔

☆☆☆

"آپ میر جعفر کی رشتے دار تو نہیں ہیں کہیں.....؟" مائدہ سخت خفا تھی۔

"میر جعفر کا تو پتا نہیں..... پر تمہاری بڑی گہری رشتے دار ہوں....." رباب نے سکون سے کہتے ہوئے سیب کی قاش منہ میں رکھی۔

"میں نے آپ پر اعتبار کر کے آپ سے اپنی راز کی باتیں شیئر کیں اور آپ نے وہ سارے راز اپنی بہن کے سامنے اگل دیے۔" وہ بولی۔

"بلکہ میرا ساتھ تو کیا دینا تھا..... الٹا مجھے ہی غلط کہا، باتیں سنائیں اور پھر جا کر سب کچھ اپنی بہن کو بھی بتا دیا۔"

"ظاہر ہے ایک ہی بہن ہے میری بہن کی بھی اور میری بھی..... سو ساتھ دینا تو بہن ہی کا بنتا تھا ناں....." وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولیں۔

"کہاں جا رہی ہیں آپ..... یہاں بیٹھیں اور میری باتیں سنیں..... اتنا غصہ ہے مجھے آپ پر..... وہ سب نکالنا ہے....." وہ پرس کھول کر اس میں کچھ ڈھونڈتے ہوئے بولی۔

"پرس میں رکھا ہوا ہے غصہ کیا.....؟"

"جی، مجھے ڈر تھا کہیں آپ کو سامنے دیکھ کر میرا غصہ ٹھنڈا ہی نہ پڑ جائے۔" اس لیے وہ ساری باتیں جو غصے میں مجھے یاد آ رہی تھیں، میں نے لکھ کر رکھ لی تھیں۔"

"چلو شکر ہے، پرچہ یہیں چھوڑ جاناں، میں بعد میں تسلی سے پڑھ لوں گی..... ابھی ذرا تمہاری پیٹ پوجا کا کچھ بندوبست کر لوں۔"

"بعد میں تسلی سے پڑھ لوں گی..... اور پھر جا کر اپنی بہن کو بتا دوں گی....." مائدہ زیر لب بڑبڑائی۔

"بتانے کی ضرورت ہی نہیں پڑے گی..... سیدھا پرچہ پکڑا دوں گی۔" اس کی بڑبڑاہٹ اتنی اونچی ضرور تھی کہ فوراً ہی جواب آ گیا۔

☆☆☆

"ارے ماموں جان! آپ، یوں اچانک کیسے؟" مائدہ کو خوشگوار حیرت ہوئی ماموں کو سامنے دیکھ کر۔

آج اتنے دن کے بعد آفس سے آنے کے بعد بھی اس کا موڈ خوشگوار ہی رہا..... ورنہ تو کتنے ہی دن سے آفس سے آتے ہی ایک عجیب تناؤ کی سی کیفیت اس کا استقبال کرتی تھی۔

"بس کچھ مال کی سپلائی وغیرہ کے معاملات تھے۔ آخر وقت تک کچھ پتا نہیں تھا کہ جا پاؤں گا یا نہیں..... اس لیے پہلے سے نہیں بتایا آنے کا۔" مائدہ نے بات سن کر سر ہلایا۔

"باقی روڈ آئے ہیں ماموں.....؟" اسفر ماموں کی بغل میں گھسا بیٹھا تھا، خیال آنے پر پوچھا۔

"نہیں..... باقی اسٹر۔"

"اچھا....." اس نے سر ہلایا۔

"ارے بھائی، وہ ہماری ایک بھانجی اور بھی تو ہیں..... سلام کر کے جو غائب ہوئی ہیں تو بس..... تب سے گم شدہ ہی ہیں۔"

"وردہ آپی..... وہ تو ہمارے لیے بھی گم شدہ ہی رہتی ہیں۔ بس موبائل کو پیاری رہتی ہیں، ہر وقت....." اسفر کی بات ابھی منہ ہی میں تھی کہ وردہ آ دھمکی۔

"کیا شکایتیں لگ رہی ہیں میری.....؟" اس نے آتے ہی اسفر کو گھورا۔ "اپنا بھی بتاؤں ناں..... جو ہر وقت فری فائر میں گھسے رہتے ہو۔"

"السلام علیکم آپی....." مائدہ پر نظر پڑی تو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام....." مائدہ جواب دے کر کھڑی ہوئی۔ "میں ذرا کپڑے تبدیل کر کے آتی ہوں۔"

تب ہی..... سلمیٰ چہرے سے پسینہ صاف کرتی ہوئی کچن سے نکلیں۔

"السلام علیکم امی!" مائدہ نے ماں کو دیکھا تو سلام کیا۔

"وعلیکم السلام۔" قدرے روکھے سے انداز میں جواب دے کر وہ بھائی کی طرف متوجہ ہو چکی تھیں۔

واحد نے بہت دھیان سے یہ منظر ملاحظہ کیا۔

"مطلب رباب ٹھیک ہی کہہ رہی تھی۔"

"آ ہی رہے تھے تو فرح اور بچوں کو بھی لے آتے۔" سلمیٰ کرسی پنکھے کے نیچے رکھتے ہوئے بولیں۔

"بچوں کے ماہانہ ٹیسٹ ہو رہے ہیں آپا..... اس لیے فرح اور بچے تو نہیں آ سکتے تھے۔" واحد نے بیگم اور بچوں کے نہ آنے کی وجہ بتائی۔

Scanned with CamScanner

"اچھا، اب تم آ گئے ہو — تو کچھ دن رک کر جانا..... روز روز آنا آسان تھوڑا ہی ہے۔" انہوں نے سوچا۔

"جی، کچھ دن تو ٹھہروں گا....." انہوں نے کہا اور سوچا۔ "جب تک کام پورا نہیں ہو جاتا۔"

"یا..... ہو..... و....." اسفر نے خوشی سے نعرہ لگایا۔

کھانا خاصے خوشگوار ماحول میں کھایا گیا..... چکن پلاؤ، شامی کباب، قورمہ، سلاد، رائتہ اور میٹھے میں زردہ۔

"واہ جی واہ مزہ آ گیا....." واحد نے خوب دل کھول کے تعریف کی۔

"ایمان سے آپا..... اماں کے ہاتھ کے ذائقے کی یاد تازہ کر دی آپ نے آج۔" سلمٰی خوش ہو گئیں۔

"اچھا! ماموں اب یہ بتائیں چائے پیش گے یا قہوہ —؟" مائدہ برتن سمیٹتے ہوئے بولی۔

"جو مل جائے گا پی لیں گے پر..... پہلے یہ پتا چلے کہ بنائے گا کون....؟" واحد صوفے کی بیک سے ٹیک لگاتے ہوئے بولے۔

"میں بناؤں گی ماموں....." مائدہ بولی۔

"تم کیوں بناؤ گی.....؟ تم تو صبح کی گئی شام کو گھر آئی ہو تھکی ہوئی ہو گی....."

"تو قہوہ، چائے بھی میرے ہی ہاتھ کی پیتی ہے — حالانکہ تھکی ہوئی تو میں بھی ہوں صبح سے کام کر کر کے۔" سلمٰی بولیں۔

"اچھا..... تو یہ جو یہ دو لوگ ہیں —" انہوں نے انگلی سے وردہ اور اسفر کی طرف اشارہ کیا — "یہ مہمان ہیں یا مہمان ہیں جو ان کا کہیں کسی کام میں کوئی عمل دخل نظر نہیں آ رہا۔"

"ماموں! شام کو جو چائے آپ نے پی ہے....."

"ارے وہ تو آپا نے بنائی تھی۔" واحد تڑپ کر بولے۔

"اوہو بنائی تو امی نے تھی پر..... پیش تو میں نے کی تھی ناں....." وردہ نے وضاحت کی۔

"اور برتن میں نے اٹھائے تھے....." اسفر نے مشکل ہی سے سہی پر کام ڈھونڈ ہی لیا۔

"اسفر بیٹا، آپ کس کلاس میں ہو؟"

"فرسٹ ایئر میں ماموں....."

"اور وردہ آپ.....؟"

نظم

بات نکلے گی تو پھر دور تلک جائے گی
لوگ بے وجہ اداسی کا سبب پوچھیں گے
یہ بھی پوچھیں گے کہ تم اتنی پریشاں کیوں ہو؟
انگلیاں اٹھیں گی سوکھے ہوئے بالوں کی طرف
اک نظر دیکھیں گے گزرے ہوئے سالوں کی طرف
چوڑیوں پہ بھی کئی طنز کیے جائیں گے
کانپتے ہاتھوں پہ بھی فقرے کسے جائیں گے
لوگ ظالم ہیں ہر اک بات کا طعنہ دیں گے
باتوں، باتوں میں میرا ذکر بھی لے آئیں گے
ان کی باتوں کا ذرا سا بھی اثر مت لینا
ورنہ چہرے کے تاثر سے سمجھ جائیں گے
چاہے کچھ بھی ہو سوالات نہ کرنا ان سے
میرے بارے میں کوئی بات نہ کرنا ان سے
بات نکلے گی تو پھر دور تلک جائے گی

از: نازنین آفریدی، پشاور

"ہاں، ایس فائنل میں ماموں —"

"ہمم — م م — ٹھیک ہے، ہمارے ہاں تو یہ لگا، یہ اٹھانا، چائے بنانا، چائے کے برتن دھونا سب ہماری عروبہ کرتی ہے۔ حالانکہ ابھی صرف گیارہ سال کی ہے۔"

"اوہ —" وردہ اور اسفر کے منہ سے ایک ساتھ نکلا۔

"سو چائے تو مجھے وردہ بیٹی کے ہاتھ کی پینی ہے —"

"ضرور، ضرور ابھی بناتی ہوں....."

"اور برتن ہمارا ذمہ رہے گا۔"

"جی حضور....." اسفر نے دایاں ہاتھ سینے پر رکھ کر سر کو ہلکا سا خم کیا۔

"اور آپ دونوں....." انہوں نے مائدہ اور سلمٰی کو دیکھا، "ذرا میرے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ جائیں کچھ بات کرنی ہے۔"

☆☆☆

"تمہارا کیا تجزیہ ہے اس سب پر؟"

Scanned with CamScanner

digest library.com

"بھائی مجھے لگتا ہے صفدر بھائی کے اچانک انتقال نے آپا کے گھر کو اس قدر ڈسٹرب کر دیا ہے کہ آپا پھر سنبھل ہی نہیں سکیں۔ تین بچوں کا ساتھ، اس پر مستزاد یہ کہ آپا کی تعلیم بھی واجبی تھی، ہنر بھی پاس کوئی نہیں۔ ایسے میں وہ گھر کی واحد کفیل کی شادی کر دیتی... تو گھر کا انتظام کیسے چلے گا۔" دوسری طرف مائدہ کا روز بروز بدظن ہوتے چلے جانا کہ مجھے قربانی کا بکرا بنا کر قربان کر رہی ہیں۔ باقی دو سے لاڈ ہی ختم نہیں ہونے میں آ رہے۔ مجھے تو دونوں ہی ٹھیک لگتی تھیں اپنی، اپنی جگہ — تو بس جب کچھ سمجھ نہ آیا تو آپ کو بلا لیا۔"

"اچھا... تو وہ جو مائدہ کی باتیں جا، جا کر آپا کو بتاتی رہیں اور آپا کو کہتی رہیں کہ آپ بالکل ٹھیک کر رہی ہیں... وہ کیا تھا...؟ سخت ناراض ہے مائدہ تم سے۔ خوب شکایتیں لگائی ہیں اس نے تمہاری۔"

"مائدہ کی خیر ہے اس کو سنا لوں گی میں، اب آپا کو تو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی تھی ناں... اب آپ بتائیں..." رباب خفا نظروں سے بھائی کو دیکھ رہی تھیں۔

☆☆☆

"ماموں! آٹھ سال ہو گئے ہیں بابا کو گئے۔ میں نے بابا کے جانے کے بعد کبھی ایسی بات نہیں کی کہ میں سارا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھاؤں گی۔ میں نے ہمیشہ مل کر محنت کرنے کی بات کی۔ بابا کے بعد میں نے اپنی پڑھائی ادھوری چھوڑی، نوکری شروع کر دی ساتھ [illegible] ساتھ پرائیویٹ پڑھائی بھی جاری رکھی۔ یہ ایک مشکل راستہ تھا، میں نے چن لیا۔ مگر ہر گزرتے دن کے ساتھ مجھے احساس ہوا کہ محنت اور مشقت کے اس سفر میں، میں بالکل تنہا ہوں۔ میری نیکی کو میری ذمے داری بنا دیا گیا ہے۔ میں شادی اور نکاح کی بات کر رہی ہوں تو مجھے بے شرمی اور بے حیائی کے طعنے مل رہے ہیں۔ کیوں...؟" مائدہ خاموش ہو چکی تھی۔

"اب آپ بتائیں آپا..." واحد نے رخ بہن کی جانب کیا۔

"کیا بتاؤں...؟" سلمیٰ سخت خراب موڈ کے ساتھ مائدہ کی تقریر سن رہی تھیں۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ دو تھپڑ جڑ کر اسے خاموش کروا دیں۔

"آپ کو کیا اعتراض ہے، اس رشتے پر...؟ مدیحہ اور مائدہ بچپن سے ساتھ ہیں۔ دیکھے بھالے لوگ ہیں، اگر مائدہ کی شادی مدیحہ کے بھائی سے ہو جاتی ہے تو اس میں کوئی نامناسب بات نہیں ہے۔" انہوں نے رسان سے کہنا شروع کیا۔

"تو پھر، گھر کا خرچہ کیسے چلے گا...؟" سلمیٰ کی بات پر مائدہ نے میکانکی انداز میں ماں کا چہرہ دیکھا۔ واحد بھی ایک لمحے کو خاموش رہ گئے۔

"میں ان دونوں کی بھی ماں ہوں۔ ایسے کیسے اسے بیاہ کر باقی دو کو لاوارث چھوڑ دوں۔ ویسے بھی یہی دستور چلا آ رہا ہے۔ بڑے بہن بھائی قربانی دیتے ہی ہیں چھوٹے بہن بھائیوں کے لیے۔"

"اور یہی سوچ آپ نے چھوٹوں کے ذہن میں بھی ڈال دی ہے۔" سلمیٰ نے چونک کر بھائی کی شکل دیکھی۔

"جب فرح نے اپنے بھائی کے لیے مائدہ کا رشتہ پیش کیا تھا تو آپ کے انکار پر اس نے مجھ سے یہی کہا تھا جو آج ساری دنیا کہہ رہی ہے۔"

"کیا کہہ رہی ہے دنیا...؟" سلمیٰ کے تیور جارحانہ ہوئے۔

"یہی کہ آپ نے مائدہ کو گھر کا مرد سمجھ لیا ہے۔ بجائے اس کے کہ آپ باقی دو کو ان کی [illegible] ذمے داریوں کا احساس دلاتیں۔ ان کو بتاتیں کہ ان کے سر پر اب باپ کا سایہ نہیں ہے۔ انہیں اپنے [illegible] خود اٹھانے ہیں..."

"ایک منٹ ماموں..." مائدہ کی بات پر واحد خاموش ہوئے۔

"یہ بات دو ہفتے پہلے کی ہے۔ وردہ امی کو بتا رہی تھی کہ اس کا کوئی کلاس فیلو اس میں انٹرسٹڈ ہے۔ میں نے محض اتفاق سے ان کی گفتگو سنی تھی۔ میں امی کا جواب سننے کے لیے رک گئی۔ میرا خیال تھا امی وردہ کو ڈانٹیں گی کہ بڑی بہن کے ہوتے وہ ایسی بات کیسے کر سکتی ہے۔ مگر امی کے جواب نے مجھے حیران کر دیا۔ میرے ہر رشتے کو مجھ سے ڈسکس کیے بغیر ریجیکٹ کرنے والی میری امی... میری پیاری امی... وردہ کو مشورہ دے رہی تھیں کہ وہ اس لڑکے کو کہے کہ اپنے گھر والوں کو بھیجے۔ رشتہ ابھی طے کر دیں گے اور شادی سمسٹر مکمل ہونے کے بعد۔" مائدہ کی آواز بھرانے لگی۔

"تب مجھے اندازہ ہوا کہ میرے صرف بابا نہیں

Scanned with CamScanner

گئے ہیں۔ بابا کے ساتھ، ساتھ میری امی بھی چلی گئی ہیں۔ اور اسفر اور وردہ کے لیے تو امی ماں اور باپ دونوں بن گئی ہیں۔ لہٰذا مجھے اپنی امی خود بننا پڑے گا۔۔۔۔ سو میں بن گئی۔" مائدہ نے ہاتھ جھاڑے۔

☆☆☆

"آپا اتنی خود غرض کیسے ہو سکتی ہیں۔۔۔۔ وہ بھی اپنی ہی اولاد کے لیے۔۔۔" رباب شاک کے عالم میں تھیں۔

"دراصل ہمارے معاشرے کا المیہ ہی یہی ہے۔ ذمے داری اٹھانے کو کوئی تیار ہی نہیں ہے۔ اور جو ذمے داری اٹھاتے ہیں اس کو ان کا فرض بنا دیا جاتا ہے احسان اور نیکی سمجھنا تو بہت دور کی بات ہے۔ میں تین دن سے دیکھ رہا ہوں۔۔۔ آپا سارا دن گھر کے کاموں میں لگی رہتی ہیں۔ مائدہ آفس سے آکر آپا کی تھوڑی بہت مدد کروا دیتی ہے۔۔۔ مگر وردہ اور اسفر واپس آنے کے بعد کچھ تھوڑی بہت پڑھائی کر لیں تو کر لیں ورنہ سارا وقت موبائل پر برباد کرتے ہیں۔ نہ آپا نے ان دونوں پر گھر کی کوئی ذمے داری ڈالی ہے نہ کمانے کی، حالانکہ مائدہ بھی اسفر کی ہی عمر کی تھی جب عارف بھائی کا انتقال ہوا۔"

"اصل میں بات یہ ہے واحد بھائی۔۔۔ آپا نے اپنے طور پر یہ فرض کر رکھا تھا کہ مائدہ نوکری کرتی رہے گی، گھر کا نظام چلتا رہے گا اور مائدہ کو ہمیشہ ہی سے یہ گلہ تھا کہ آپا کو ذمے داریاں تقسیم کرنی چاہئیں۔ سب کو مل جل کر حالات کا مقابلہ کرنا چاہیے۔"

"مائدہ غلط نہیں ہے رباب، وہ سربراہ نہیں ہے گھر کی، اس کی اپنی زندگی ہے، اس کا اپنا بھی حق ہے۔ یہ آپا کی ذمے داری تھی کہ وہ اسفر اور وردہ کے اندر احساسِ ذمے داری پیدا کرتیں۔" واحد نے بات مکمل کی۔

"پر اب ہو گا کیا۔۔۔؟" رباب کے سوال کا جواب خاموشی تھی۔

☆☆☆

"تو یہ سب کیا کیے آپ نے۔۔۔؟" رباب حیرت سے منہ کھولے بھائی کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

"تمہیں اپنے بھائی کی صلاحیتوں پر شک ہے کیا۔۔۔؟" واحد نے فرضی کالر کھڑے کرتے ہوئے کہا۔

"بالکل نہیں بھائی۔۔۔ بلکہ اگر کوئی شک تھا بھی تو اب تو بالکل بھی نہیں رہا۔" واحد نے موبائل آف کر کے سامنے میز پر رکھا۔

"فی الحال رشتہ طے کر دیتے ہیں۔ شادی دو سال بعد ہو گی اس آپشن کو دونوں فریقین نے ناپسند کیا تھا۔ پھر بادلِ ناخواستہ دونوں کو ہی ماننا پڑا۔۔۔" واحد نے تفصیل گوش گزار کرنی شروع کی۔

"دونوں فریقین مطلب مدیحہ کے گھر والے اور آپا۔۔۔؟" رباب نے سوالیہ نظروں سے بھائی کو دیکھا۔

"نہیں۔۔۔" واحد نے کچھ دیر توقف کیا۔۔۔ "آپا اور مائدہ۔"

"اوہ۔۔۔" رباب کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"پھر۔۔۔" مائدہ کے خیال میں پہلے ہی بہت دیر ہو چکی تھی۔

"اور آپا۔۔۔ وہ تو سرے سے تیار ہی نہیں تھیں رشتہ کرنے کے لیے۔"

"پھر۔۔۔" رباب بے چینی سے بولیں۔

"پھر۔۔۔ یہ کہ میں نے آپا کو کہا کہ مائدہ کو میں لے کر جا رہا ہوں، اپنے گھر سے رخصت کروں گا۔۔۔ بس، اس کے بعد تو جو۔۔۔ جو کچھ آپا نے مجھے اور مائدہ کو سنایا وہ دہرائے جانے کے قابل تو ہرگز نہیں ہے۔" واحد نے جھرجھری لی۔

"شکر ہے، میں بچ گئی۔۔۔" رباب نے ہنستے ہوئے کہا۔ اس کی ہنسی میں واحد بھی شامل ہو گئی۔

"بس اب دو سال کی مدت میں آپا کو نہ چاہتے ہوئے بھی دونوں چھوٹوں کو کام سے لگانا ہو گا۔۔۔ ذمے داریاں تقسیم کرنا ہوں گی۔"

"کریں گی۔۔۔؟" رباب نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے پوچھا۔

"کرنا پڑے گا۔" واحد نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی۔

"جب انسان وقت پر سمجھداری کا مظاہرہ نہیں کرتا تو پھر وقت خود اس کی ٹریننگ اور ٹیوننگ دونوں کرتا ہے۔"

"سو پرسنٹ متفق۔۔۔" رباب نے سمجھ کر سر ہلایا۔

❁❁❁

Scanned with CamScanner

شمع ہدایت

اختر شعاعت

عصرِ حاضر کے فتنے ..... اور فکرِ ایمان

تمام تر حمد و ثنا اللہ رب العزت کے لیے جو تمام جہانوں کا مالک، خالق اور رازق ہے۔

اے میرے مہربان رب! تیرے ہی نور سے ہمیں ہدایت ملی، تیرے فضل سے ہم خوش حال ہوئے اور تیری نعمت کے ساتھ ہی ہم صبح شام کرتے ہیں۔ ہمارے گناہ تیرے سامنے ہیں..... ہم تجھ سے ان کی بخشش چاہتے ہیں اور تیرے حضور توبہ کرتے ہیں۔

تو نعمتوں کے ذریعے ہم سے محبت کرتا ہے اور اس کے مقابل ہم تیری نافرمانی و گناہ کرتے ہیں۔ تیری بھلائی ہماری طرف آرہی ہے اور ہماری برائی تیری طرف جارہی ہے۔ تو ہمیشہ، ہمیشہ کے لیے عزت والا بادشاہ ہے، تیرے پاس ہمارے برے اعمال جاتے ہیں تو وہ بھی تجھے ہم پر اپنی نعمتوں کی بارش سے نہیں روک سکتے اور تو ہم پر اپنی نعمتیں برساتا رہتا ہے..... پس تو پاک تر ہے۔ کتنا عظیم ہے، کتنا معزز ہے۔ تیرے نام پاک تر ہیں، تیری ثنا برتر ہے اور تیری نعمتیں اور تیرے کلام بلند تر ہیں۔

اے اللہ! ہمیں اپنے ذکر میں مشغول رکھ! اپنی ناراضی سے پناہ دے، اپنے عذاب سے امان دے۔

اے میرے معبود! رحمت نازل فرما سرورِ کونین سید الانبیا نبی کریم ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر اور اصحاب پر..... آمین۔

☆☆☆

آج ہمارا موضوع "عصرِ حاضر کے فتنے اور فکرِ ایمان" ہے۔ اتنی تیزی سے بڑھتے ہوئے فتنوں نے اس موضوع کو تحریر کرنے کی طرف متوجہ کیا..... فتنہ کے لغوی معنی ہیں: جھگڑا، فساد، بغاوت۔

فتنہ کہنے کو تو ایک چھوٹا سا لفظ ہے مگر اپنے اثرات اور مفہوم کے اعتبار سے بہت گہرا ہے۔ فتنہ گھر بار اور اہل و عیال میں بھی ہوسکتا ہے، ملک اور روئے زمین پر بھی۔

اس کے معنی و مفہوم میں آزمائش، آفت، دنگا فساد، ہنگامہ، دکھ دینا وغیرہ یہ سب آتا ہے۔

قرآن مجید میں فتنے کا مفہوم کئی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کہیں آزمائش، کہیں سزا، کہیں کفر اور کہیں فساد کے معنی میں، گویا کہ لفظ فتنہ کا استعمال اور اس کے معنی کو پہچاننا بھی بہت بڑا امتحان ہے۔

حدیث میں بیان کردہ فتنے کا مفہوم زیادہ تر باہمی فساد، خانہ جنگی اور باہمی کشمکش کی ایسی صورتِ حال پر بولا گیا ہے جب کچھ واضح نہ رہے اور اخلاقیات کی سطح اس قدر گر جائے کہ معاملات سدھرنے کے بجائے الجھتے چلے جائیں۔ قرآن کریم ہر طرح کی آزمائش کو فتنہ سے تعبیر کرتا ہے..... جیسے مال و دولت کو، اولاد کو بھی فتنہ قرار دیا گیا ہے۔

آج ہر ذی شعور مومن مسلمان پر یہ بات اچھی طرح روشن ہے کہ عصرِ حاضر میں جان لیوا فتنوں سے زیادہ ایمان لیوا فتنوں کی بھرمار ہے۔ ایک پختہ ایمان والے کے لیے جان کا نقصان کوئی اتنا بڑا خسارہ نہیں لیکن ایمان کا نقصان عظیم خسارہ ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "اے ایمان والو!

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

اللہ تعالیٰ سے اتنا ڈرو جتنا اس سے ڈرنا چاہیے اور دیکھو مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا۔"

(سورۂ آل عمران:102)

ہم بحیثیت امت جتنا سنت نبوی ﷺ سے دور ہو رہے ہیں اتنا ہی فتنوں سے قریب ہو رہے ہیں۔ فتنوں کا ایک سیلاب ہے جو تھمنے کا نام نہیں لے رہا اور ہر شخص کسی نہ کسی شکل میں ان فتنوں کا شکار ہو رہا ہے۔

یوں تو فتنے اور آزمائشیں شروع ہی سے انسان کے ساتھ، ساتھ ہیں مگر قربِ قیامت کے دور کو بالخصوص فتنوں کا دور قرار دیا گیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "میں دیکھ رہا ہوں کہ (عنقریب) تمہارے گھروں میں فتنے اس طرح برس رہے ہوں گے جیسے بارش برستی ہے۔"

فرمایا۔ "دنیا میں سوائے مصیبتوں اور فتنوں کے کچھ باقی نہیں رہا۔"

حضرت زبیر بن عدیؓ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت انس بن مالکؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حجاج کی طرف سے آنے والی مصیبتوں کی شکایت کی، تب انہوں نے فرمایا کہ "صبر کرو، تم پر ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں ہر آنے والا دن پہلے سے بدتر ہوگا، حتیٰ کہ تم اپنے رب سے جا ملو۔" میں نے یہ بات نبی کریم ﷺ سے سنی ہے..... آہ، اتنا بدترین دور ہوگا۔

فتنہ ایک ایسی ابتلا اور ایسا امتحان ہے کہ جب آتا ہے تو عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں، دماغ ماؤف ہو جاتے ہیں اور بڑے، بڑے دانشور اس کو سمجھنے سے قاصر رہ جاتے ہیں۔

بعض سلف صالحین کا قول ہے کہ فتنوں کی ایک نیچر ہے کہ جونہی شروع ہوتا ہے فوراً پھیل جاتا ہے اور قابو سے باہر ہو جاتا ہے حتیٰ کہ جنہوں نے وہ فتنہ شروع کیا ہوتا ہے اسے روکنا ان کے بس میں بھی نہیں رہتا۔ اگر روکنا بھی چاہیں تو نہیں روک سکتے۔

فتنوں کو سمجھنا کتنا مشکل ہے کہ اندازہ کریں نبی کریم ﷺ نے فتنوں کو تاریک رات کے ٹکڑوں سے تشبیہ دی ہے کہ "قیامت سے پہلے تاریک رات کے ٹکڑوں کے مانند فتنے ظاہر ہوں گے۔" ایک طرف رات اور دوسرے تاریک..... جب کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔

دین کی معرفت ہی آپ کو فتنوں سے بچائے گی۔ چنانچہ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ "جب تک تمہیں دین کی معرفت حاصل ہے، دین کا علم رکھتے ہو فتنہ تمہیں نقصان نہیں دے گا۔ فتنہ وہاں نقصان دیتا ہے جہاں تم پر حق اور باطل مشتبہ ہو جائے۔"

☆☆☆

بعض فتنوں کا تعلق اعمال سے ہے اور مسلمان روز ان کا شکار ہوتے جا رہے ہیں جیسے حبِ مال، حبِ دنیا، زنا کاری، بے حیائی، بددیانتی، فاشی، بدنظری، جھوٹی گواہی، بے پردگی، جھوٹ، خودنمائی، سود خوری، قتل و غارت، جوا، ریاکاری، رشوت، ظلم وغیرہ۔ یہ سب وہ کبیرہ گناہ فتنے ہیں جن کی نبی کریم ﷺ نے پیش گوئی چودہ سو سال پہلے فرمائی تھی۔ آج پوری ہوتی نظر آ رہی ہے۔ جتنی ان برائیوں میں کثرت ہوگی اتنا ہی نیکیوں میں کمی واقع ہوگی اور ان برائیوں کے اثرات سارے ہی اعمال صالح پر پڑیں گے۔

قرآن کریم میں بہت سی آیات ہیں جن کا مقصد اہلِ دنیا کو مادیت سے ہٹا کر آخرت کی دعوت دینا ہے۔ انبیا علیہم السلام کی بعثت کا مقصد بھی یہی تھا کہ دنیا سے محبت نہ کی جائے۔

حضور اکرم ﷺ صحابہ کے ہمراہ ایک مردہ بکری کے قریب سے گزرے تو فرمایا۔ "کیا یہ بکری گھر والوں کے لیے بیکار تھی؟"

عرض کیا۔ "اسے بیکار ہونے کی وجہ سے پھینک دیا۔"

آپ ﷺ نے فرمایا۔ "اس ذات کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے، پوری دنیا اس مردہ بکری سے بھی زیادہ بے وقعت ہے۔ اگر اللہ کے ہاں دنیا کا مقام ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتا تو کوئی کافر اس دنیا سے ایک گھونٹ بھی پانی نہ پی سکتا۔"

آقا کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ "دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔"

مزید فرمایا۔ "دنیا ملعون ہے، اس پر ہر وہ چیز

digest library.com

ملعون ہے جو اللہ کے لیے نہ ہو۔"

فرمایا۔ "جو دنیا سے محبت کرے گا اس کی آخرت کو نقصان ہوگا، جو آخرت سے محبت کرے گا اس کی دنیا کو نقصان ہوگا لہٰذا باقی کو فانی پر ترجیح دو۔"

بنی اسرائیل پر جب دنیا فراخ کی گئی تو انہوں نے خود کو زیورات، ملبوسات اور عورتوں کے عطریات کے لیے وقف کر دیا پھر ان کا کیا انجام ہوا؟

بندے کو یہ سوچنا چاہیے کہ اس نے آخرت کے لیے کیا زادِ راہ لیا ہے۔ زندگی میں موت کا سامان کرے، جوانی میں بڑھاپے کے لیے فکرمند رہے۔ دنیا انسان کے لیے پیدا ہوئی ہے اور یہ آخرت کے لیے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ "جس طرح آگ اور پانی ایک برتن میں جمع نہیں ہو سکتے اسی طرح ایک دل میں دنیا کی محبت اور آخرت کا خوف جمع نہیں ہو سکتے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ "آپ ہمیں ایسا عمل بتائیں جس کے سبب اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا بنا لے آپؑ نے فرمایا۔ "تم یہاں دنیا سے عداوت رکھو اللہ تم سے محبت رکھے گا۔"

دنیا سے محبت اور لگاؤ بہت بڑا فتنہ ہے۔ دوسرا بڑا فتنہ مال و دولت کی محبت ہے۔

مال کی کثرت فتنہ ہے اسی لیے اسلام نے اعتدال کی راہ اختیار کرنے کا درس دیا ہے یعنی ضرورت کے مطابق مال حاصل کیا جائے اور جو بچ جائے اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے اس طرح انسان کی دنیا اور آخرت مال کے فتنوں سے محفوظ رہے گی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "اے ایمان والو تمہارا مال اور تمہاری اولاد تمہیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کرے اور جو ایسا کریں گے وہی نقصان میں رہیں گے۔" (سورۃ منافقون:9)

مال و دولت اور اولاد یادِ الٰہی سے غفلت کا باعث بنتی ہے اس لیے اولاد کی طرف سے حد سے زیادہ رغبت سے منع کیا گیا ہے۔ درحقیقت مال و دولت کو بڑھانے کے لالچ نے انسان کو نیک اعمال سے غافل کر رکھا ہے، حتیٰ کہ اس لالچ میں انسان کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔

اللہ کی معرفت صرف اسی کو حاصل ہوتی ہے جو مال کے لالچ کو دل سے نکال پھینکتا ہے کیونکہ مال کی ہوس انسان میں حلال و حرام کی تمیز ختم کرا دیتی ہے۔ دولت کا لالچ انسان کی عاقبت کو تباہ کر دیتا ہے۔ صوفیانہ سوچ یہ ہے کہ ضرورت کے مطابق لے لو اور اگر زیادہ مل جائے تو اسے اللہ کی راہ میں دے دو۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ "وہ ہر اس شخص کو پکارے گی جس نے منہ موڑا اور پیٹھ پھیری اور مال جمع کر کے رکھا اسے جہنم کی آگ پکارتی ہے۔" (سورۂ معارج)

کثرتِ مال باعثِ عذاب ہوگا، مرنے کے بعد قیامت تک یعنی عالمِ برزخ میں بھی عذاب ہوگا اور قیامت کے بعد بھی جہنم کا عذاب ہوگا۔ جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے وہ اپنے لیے خود عذابِ الٰہی خریدتے ہیں۔

مال و دولت سے اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت بہتر ہے۔ انسان بہت زیادہ مال حاصل کر کے سمجھتا ہے کہ اس نے دنیا کی ہر چیز حاصل کر لی ہے لیکن انسان کا یہ خیال بہت ہی ناقص ہے کیونکہ اللہ کی بہت سی نعمتیں ایسی بھی ہیں جو دولت سے حاصل نہیں ہو سکتیں خاص کر اللہ کا روحانی فضل۔ یہ اللہ کی ایسی خاص رحمت ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور یہ مال و دولت سے خرید کر حاصل نہیں ہوتا۔

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ "ہر امت کے لیے آزمائش کی کوئی چیز ہوتی ہے اور میری امت کی آزمائش کی چیز مال ہے۔"

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جیسے پانی سبزیاں اگاتا ہے اسی طرح مال و دولت کی محبت انسان کے دل میں نفاق پیدا کرتی ہے۔"

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا۔ "قیامت کے روز آدمی کے قدم آگے نہیں بڑھیں گے یہاں تک کہ اس سے پانچ چیزوں کے متعلق پوچھ نہ لیا جائے .... (1) عمر کن کاموں میں ختم کی۔ (2) جوانی کن باتوں میں برباد کی۔ (3) مال کہاں سے کمایا۔ (4) مال کہاں خرچ کیا۔ (5) جو علم حاصل تھا اس پر کہاں تک عمل کیا؟"

Scanned with CamScanner

ایک روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ کے صحابہؓ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ کے بدترین امتی کون لوگ ہیں؟ فرمایا۔ "اہلِ مال و دولت۔"

حضور اقدس ﷺ کا ایک اور فرمان ہے کہ "زیادہ دولت مند ہلاک ہو گئے مگر جنہوں نے بندگانِ خدا پر خرچ کیا وہ ہلاکت سے محفوظ رہے اور ایسے لوگ کم ہیں۔"

فرمایا۔ "بھوک سے بے تاب دو بھیڑیے اگر بھیڑ بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیے جائیں تو وہ اتنی تباہی نہیں مچا سکتے جتنی کہ مال و دولت کی محبت ایک مسلمان کے دل میں مچا سکتی ہے۔"

حدیث شریف میں ہے کہ جب دینار و درہم کے سکے بنائے گئے تو ابلیس نے انہیں آنکھوں سے لگایا اور بوسہ دیا اور کہا کہ "جو تجھے پیار کرے گا اور محبوب رکھے گا وہ میرا غلام ہے۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے پوچھا کہ "آپ پانی پر چل سکتے ہیں ہم میں یہ طاقت و قدرت نہیں ہے۔ اس کا کیا سبب ہے؟" آپ نے جواب دیا کہ "مال و زر تمہاری نظر میں کیسا ہے؟" انہوں نے کہا کہ "بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔" تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ "میری نظر میں خاک اور زر دونوں برابر ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مجھے پانی پر چلنے کی قدرت و قوت عطا کی ہے۔"

حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ "میں نے دوزخ میں دیکھا تو اکثر اہلِ نار مال داروں اور عورتوں کو پایا۔"

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ "خدا کی قسم! جو مال و زر کو عزیز رکھے گا حق تعالیٰ اس کو ذلیل و خوار کرے گا۔"

حضرت یحییٰ بن معاذؒ کا قول ہے کہ "روپیہ پیسہ بچھو ہیں، اگر تمہیں اس کے کاٹے کا منتر نہ آتا ہو تو اسے ہاتھ نہ لگاؤ، اگر اس نے تجھے ڈنک مار دیا تو اس کا زہر تجھے ہلاک کر دے گا۔" پوچھا کہ پھر اس کا منتر کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ "حلال سے کمانا اور صحیح کام میں خرچ کرنا۔"

☆☆☆

ایک بزرگ لکڑیاں خریدنے جا رہے تھے، راستے میں مسجد آئی۔ اذان ہوئی تو آپ فوراً مسجد کی طرف روانہ ہو گئے۔ مسجد کے راستے میں ایک تھیلی اشرفیوں کی پڑی ہوئی دکھائی دی۔ اس بزرگ نے کہا کہ اس کی طرف توجہ کرنے سے نماز میں حرج ہوگا، تکبیر اولیٰ رہ جائے گی، شیطانی روک ہے، اسی ذریعے سے لوگوں کو روکتا ہے۔ جلدی، جلدی قدم اٹھائے، مسجد چلے گئے، نماز پڑھی اور بعد نماز کے لکڑیاں خرید کر گھر کی راہ لی۔ آتے جاتے اس مال کا خیال نہ کیا۔ جب مکان میں پہنچے اور لکڑیاں کھول کر ڈالیں تو وہ تھیلی لکڑیوں کے اندر سے برآمد ہوئی۔ حیرت میں آ کر بولے۔ "الٰہی یہ تھیلی کہاں سے آئی؟" آواز آئی۔ "تو نے ہمارے لیے دنیا کو چھوڑا ہم نے تیرے لیے تھیلی کو لکڑیوں سے باندھ دیا۔" سبحان اللہ۔

بعض فتنے وہ ہیں جن کا تعلق علم سے ہے جو عقلیت پرستی کی بنیاد پر رونما ہوتے ہیں۔ سترھویں صدی کے بعد وہی عقلیت پرستی کی کوکھ سے جنم لینے والے فتنے اب نئی شکل صورت میں امت کے مسلمانوں کو گمراہی کے گڑھے میں دھکیل رہے ہیں اور شعوری اور لاشعوری طور پر مسلمان اس کا شکار ہو رہے ہیں اور مومنین کے ایمان پر ڈاکا ڈالنے کی ناپاک جسارت کی جا رہی ہیں۔ عقلیت پرستی کی بنیاد پر رونما ہونے والے فتنوں کا اثر انسان کے عقیدے اور ایمان پر ہوتا ہے جس کے سبب انسان اپنی زندگی کا قیمتی سرمایہ (ایمان) سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

اس لیے ایک مومن مسلمان کے لیے ان فتنوں سے آگاہی بے حد ضروری ہے تاکہ ایمان سلامت رہے۔ علمی فتنے جو علوم و فنون کے راستے سے آتے ہیں ان کا اثر براہ راست عقائد پر ہوتا ہے۔ ان فتنوں کے ذریعے الحاد و تحریف اور تشکیک (دین حق سے پھر جانا، اصل الفاظ بدل کر کچھ اور لکھ دینا، شک و شبے میں ڈالنا) کو عام کیا جاتا ہے جس کے نتیجے میں ایک مسلمان اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

تمام انبیاء علیہم السلام کی دنیا میں بعثت کا مقصد ہی ایمان کی دعوت دینا ہوتا ہے۔ اسی لیے وہ فکرِ ایمان

Scanned with CamScanner

digest library.com

بھی زیادہ کرتے ہیں اس لیے اپنی اولاد کو بھی اسی کی وصیت کرتے تھے کہ ایمان پر جمے رہنا اور اسی پر مرنا۔

موجودہ دور میں مسلمانوں کو ایمان سے دور کرنے کی سازشیں بہت بڑھ چکی ہیں۔ آج مسلمانوں کو دین اسلام سے دور کرنے کے لیے نئے، نئے ہتھکنڈے استعمال کیے جارہے ہیں، ان کی اصل پہچان کو ختم کرنے کی کوشش بھی جاری ہے۔ یہ ایک خاموش لیکن منظم جنگ ہے جس میں مسلمانوں کو ان کے ایمان، عقیدے اور دین سے جدا کرنے کے لیے کئی طریقے اپنائے جارہے ہیں۔

فکری ارتداد یعنی نظریاتی طور پر گمراہ کرنا آج کے دور کا سب سے زیادہ خطرناک ہتھیار ہے۔

اس کا طریقۂ واردات یوں ہے کہ سوشل میڈیا، فلموں، ڈراموں اور کتابوں کے ذریعے مسلمانوں کے عقائد پر سوالات اٹھائے جاتے ہیں۔ اللہ کی وحدانیت، رسالت اور قرآن کریم کے احکامات کو سائنسی بنیادوں پر غیر ضروری قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ شکوک وشبہات نوجوانوں کے ذہنوں میں ایسے ڈالتے ہیں کہ وہ اپنی دینی شناخت کھو دیتے ہیں اور اسلام سے دور ہوجاتے ہیں۔ الحاد کی ترویج یعنی خدا کے وجود سے انکار کا نظریہ آج کے دور میں تیزی سے پھیلایا جارہا ہے۔ یہ نظریہ مسلمانوں کو دین سے دور کرنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔ مسلمانوں کو یہ باور کرایا جارہا ہے کہ دین صرف ایک پرانی روایت ہے اور جدید دنیا میں اس کی کوئی ضرورت نہیں..... مغربی دنیا میں، ممالک میں مسلمان طلبہ وطالبات کو الحاد کا ہی زیادہ خطرہ ہے۔ علی الاعلان توحید کے متوالوں کو شرک کی دعوت دی جارہی ہے۔ اس ٹولے کی بے انتہا کوششوں کی بنا پر اب مسلمانوں میں ارتداد کی شرح بڑھتی جارہی ہے اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث حرف بہ حرف صادق آرہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے "اذا جاء نصر اللہ" کی تلاوت کے بعد فرمایا کہ "جس طرح لوگ اس دین میں فوج در فوج داخل ہوئے اسی طرح فوج در فوج لوگ اس دین سے ضرور نکلیں گے۔"

ایک رپورٹ کے مطابق 2018ء سے 2020ء کے درمیان تین سالوں میں ڈیڑھ لاکھ سے زیادہ مسلم عورتیں غیر مسلم مردوں سے شادی کرچکی ہیں..... (منصف 29 نومبر 2020ء بشکریہ مسلم لڑکیوں کا ارتداد) ان سنگین حالات میں ہماری ذمے داریاں مزید بڑھ جاتی ہیں اور ہم سب کو مل کر ایک لائحہ عمل تیار کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ آج میڈیا کے ذریعے دینی اقدار کو مسخ کیا جارہا ہے اور میڈیا ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے ذریعے مسلمانوں کو ان کے مذہبی شعائر سے دور کیا جارہا ہے..... جیسے اسلامی لباس، پردہ اور حلال وحرام کے احکامات کو قدیم نظریات کا حامل قرار دیا جارہا ہے۔ نوجوان نسل کو آزادی کے نام پر بے دینی کی طرف دھکیلا جارہا ہے۔ تعلیمی نظام کے ذریعے، مسلمان ممالک میں تعلیمی نظام کو ایسے ڈیزائن کیا جارہا ہے کہ طلبہ کے دلوں سے دین کی محبت ختم ہوجائے۔ دینی مضامین کو نصاب سے نکال کر صرف دنیاوی تعلیم پر زور دیا جارہا ہے، انہیں صرف یہ سکھایا جارہا ہے کہ کامیابی صرف مادی ترقی میں ہے اور دین کو زندگی سے الگ رکھنا ہی جدیدیت ہے۔ مسلمانوں کی شاندار تاریخ اور شناخت کو مٹانے کی کوشش کی جارہی ہے، اسلامی فتوحات، خلافت اور علم کے میدان میں مسلمانوں کی خدمات کو یا تو کمزور دکھایا جارہا ہے یا پھر مکمل طور پر نظر انداز کردیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ نوجوان نسل اپنے دین اور ورثے پر فخر کے بجائے احساس کمتری کا شکار ہورہی ہے۔

مسلمانوں کو ایمان سے دور کرنے کا ایک اور بڑا فتنہ طریقہ فرقہ واریت ہے۔ مختلف مسالک کے نام پر مسلمانوں کو آپس میں لڑایا جارہا ہے تاکہ وہ اصل مسائل سے غافل ہوجائیں۔ اس تقسیم کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان اپنے ایمان کو محفوظ رکھنے کے بجائے ایک دوسرے کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں، فروعی معاملات میں پڑ کر ایک دوسرے سے نفرت کررہے ہیں جبکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اتحاد

Scanned with CamScanner

کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا۔

"اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہو اور تفرقہ نہ ڈالو۔" (سورۂ آل عمران 103)

آج مغربی ثقافت کا غلبہ ہے اور بڑی شدت سے اس کو مسلط کیا جارہا ہے..... ہم اپنی اسلامی تہذیب کو بھولتے جارہے ہیں، مغرب کی طرز زندگی، فیشن کے نام پر عریانیت اور طرز فکر کو آزادی اور ترقی کا معیار بنادیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی شناخت کو چھوڑ کر دوسروں کی نقالی کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

☆☆☆

آج کا دور مسلمانوں کے لیے سخت آزمائش کا ہے۔ یہ صرف انفرادی مسئلہ نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کا اجتماعی بحران ہے۔ آج ہم نے ان فتنوں کو نظر انداز کیا اور اپنی نسلوں کو ان سازشوں سے بچانے کے لیے اقدامات نہ کیے تو ہمارا انجام بھی ان قوموں جیسا ہوگا جو اپنے دین سے دور ہو کر مٹ گئیں۔

ایمان ہماری سب سے قیمتی دولت ہے اور ہمیں اس کی حفاظت کے لیے ہر قربانی کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ ہمیں قرآن مجید یعنی کلام اللہ اس کو پکڑنا ہوگا، مکمل ترجمہ اور تفسیر سے اللہ کے کلام کو سمجھنا ہوگا اور اس کی روشنی میں اپنی زندگی گزارنا ہوگی۔ اپنے عقائد کو مضبوط کرنا ہوگا، مسلکوں کے تعصب سے باہر نکلنا ہوگا، اپنی نسلوں کو دین کی تعلیم دینا ہوگی۔ یہ بہت زیادہ ذمے داری ماؤں پر عائد ہوتی ہے کیونکہ یہ وقت ہے بیداری کا، اتحاد کا اور اپنے دین کی طرف واپسی کا..... اس فتنوں کے دور میں امت کی نوجوان نسل کی حفاظت بے حد ضروری ہے۔

.....ان کے ایمان کی آبیاری کی جائے۔

.....قرآن ان کے دلوں میں اتارا جائے۔

.....ان کے دلوں پر محنت کر کے ان کے دلوں سے دنیا کی بے جا محبت کو ختم کیا جائے۔

.....فکر آخرت کو پیدا کیا جائے، اللہ کا خوف پیدا کیا جائے۔

.....اس کی نعمتوں پر شکر کی عادت ڈالی جائے۔

طلسم ہدایت

.....مال سے زیادہ اعمال کی اہمیت دلوں میں پیدا کی جائے۔

.....اللہ کی محبت کی چاشنی سے ان کے دلوں کو آشنا کیا جائے۔

.....اپنے پیارے نبی رسول اللہ ﷺ کی محبت کی ٹھنڈک ان کے دلوں کو محسوس کرائی جائے۔

.....روزانہ قرآن مجید کی تلاوت کو معمول بنایا جائے۔ صبح شام کے مسنون اذکار، موقع محل کی دعائیں اور ان دعاؤں کو مانگنے کا اہتمام کرنا چاہیے جس میں ایمان و یقین کی حفاظت اور کفر و ارتداد اور فتنوں سے پناہ مانگی گئی ہے۔

اپنے رب سے دعا ہے کہ اے ہمارے رب! نہ پھیر ہمارے دلوں کو جب تو ہم کو ہدایت کر چکا اور عنایت کر ہم کو اپنے پاس سے رحمت تو ہی ہے سب کچھ دینے والا..... اے اللہ! حق بات کی طرف ہماری راہنمائی فرما اور اس کی اتباع کرنے کی توفیق دے اور ہمیں باطل کو سمجھنے اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرما، آمین

حرف آخر:

اپنے اللہ کریم کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ اس مضمون میں تحریر کرتے ہوئے کوئی غلطی، کوتاہی یا کریم آقا کے فرمودات میں غلطی ہوگئی ہو تو اے میرے رب مجھے معاف فرمادے کہ تو ہی ہماری غلطیوں کو معاف کرنے والا ہے۔ اس مضمون میں جن قابل احترام ہستیوں کے کتب سے مضامین کا انتخاب کیا اللہ کریم ان کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

☆☆☆

کتاب، مصنف

۱۔ مناجات امام زین العابدین، ڈاکٹر محمد طاہر القادری

۲۔ مکاشفۃ القلوب، امام ابو حامد محمد الغزالی

۳۔ تزکیۃ القلوب، علامہ عالم فقری

۴۔ علمی و فکری لیکچر، عالمہ محترمہ سعدیہ حبیب

Scanned with CamScanner

تھے۔ جہاں، جہاں ادب اور ادب کی آبیاری اور پرچار کا ذکر ہوگا، میں سمجھتی ہوں وہاں معراج صاحب کا نام سرفہرست ہوگا، آپ نے اپنے قلم سے، اپنی سوچ سے اور اپنی محنت اور کوششوں سے پڑھنے والوں کے لیے ایک دوسرے کے مزاج سے یکسر مختلف ڈائجسٹ پبلش کرکے ہر طرح کے ادب پڑھنے والوں کو ان کے ذوق اور پسند کے مطابق تفریح فراہم کرنے کی غرض سے جن ننھے، ننھے پودوں کی داغ بیل ڈالی تھی الحمدللہ آج وہی پودے تناور درختوں کی صورت میں ادب کی بھرپور خدمت کررہے ہیں۔۔۔اور ہمیں اپنے محسن کو بھولنے نہیں دیتے۔

ہر انسان کو لوٹ کر اپنے رب کی طرف جانا ہے، کچھ لوگ جاتے، جاتے اچھی یادیں اور اچھے عمل چھوڑ جاتے ہیں، معراج رسول صاحب بھی ایسے ہی اچھے لوگوں میں شمار ہوتے ہیں، سال پر سال گزرتے جارہے ہیں اور ہر سال اس ماہ آپ کی یادیں ضرور ہمارے ذہنوں پر دستک دینے چلی آتی ہیں۔

میری دلی دعا ہے اللہ پاک معراج بھائی کے درجات بلند کرے، ان کی مغفرت فرمائے اور عذرا رسول آپا کو سلامت رکھے، اس ادارے کو مزید کامیابیاں نصیب کرے، آمین ثم آمین۔

آہ! معراج رسول.....اعجاز احمد نواب، کراچی

جاسوسی ڈائجسٹ پبلی کیشنز کے بانی اور جاسوسی، سسپنس، پاکیزہ اور سرگزشت جیسے کثیر الاشاعت اور مقبول عام ڈائجسٹوں کے مالک، چیف ایڈیٹر معراج رسول 22 فروری 2019ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم ایک سیلف میڈ انسان تھے۔

رسائل کے مطالعے کا شوق انہیں ایک ڈائجسٹ نکالنے کی راہ پر لے آیا۔ جاسوسی ڈائجسٹ ان کا پہلا قدم تھا جس میں "صدیوں کا بیٹا" (تحریر ایم اے راحت) جیسی لازوال سلسلے وار کہانی شائع ہوتی رہی۔ (راحت صاحب کچھ عرصہ جاسوسی ڈائجسٹ کے ایڈیٹر بھی رہے) بعد ازاں وہ سسپنس ڈائجسٹ لائے جو 1977ء سے 2010ء تک شائع ہونے والی سلسلے وار کہانی "دیوتا" نے اس کی سرکولیشن کو آسمان پر پہنچا دیا۔ پاکیزہ اور سرگزشت نے الگ دھوم مچائی۔ انہوں نے ریمس امروہوی، جون ایلیا اور زاہدہ حنا کے جریدے انشا (عالمی ڈائجسٹ)، اے اقبال کے الف لیلیٰ اور خلیل عادل زادہ کے سب رنگ کے مقابل اپنے چار ڈائجسٹ جیسے کاروباری سوجھ بوجھ اور متعین معیار کے مطابق چلائے جو اُن کی خداداد صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ معراج رسول صاحب ایک بڑے سائز کا رسالہ محور کے نام سے بھی نکالتے تھے یہ ڈائجسٹ سے دوگنا سائز کا تھا اور تقریباً ایک سو ساٹھ صفحات کا تھا علاوہ ازیں خواتین کا ایک ماہنامہ دوشیزہ کے نام سے بھی کچھ عرصہ نکالا۔ آپ کے والد محترم عبدالغفار شیخ بھی اسی شعبے سے تعلق رکھتے تھے۔ جاسوسی، سسپنس، پاکیزہ میں شائع ہونے والی طویل کہانیوں کو کتابی شکل میں کتابیات پبلی کیشنز کے تحت اعجاز رسول شائع کرتے تھے جو جناب معراج رسول کے چھوٹے بھائی تھے اعجاز رسول 55/56 سال کی عمر میں شوگر کے ہاتھوں زندگی ہار گئے۔ آپ بہت نفیس انسان اور باغ و بہار شخصیت کے مالک تھے اور اپنی ذات میں انجمن تھے۔ وہ بھی ایک ڈائجسٹ ماہنامہ نفسیات نکالتے تھے جو کہ اپنی طرز کا ایک منفرد رسالہ تھا۔

معراج رسول صاحب سے میری دو تین ملاقاتیں ہوئیں، پہلی بار کراچی ان کے آفس میں ملاقات ہوئی، محترم

digest library.com

Scanned with CamScanner

محی الدین نواب بھی وہاں موجود تھے، ان دنوں میں نے نیا، نیا ماہنامہ مسٹری میگزین شروع کیا تھا، غالباً اس کے آٹھ دو شمارے آچکے تھے دونوں عظیم شخصیات کو مسٹری میگزین کا تازہ شمارہ پیش کیا معراج صاحب نے پُرتکلف چائے پلائی۔

معراج رسول ڈائجسٹ کی دنیا کا بہت بڑا نام تھا اور رہے گا، برصغیر میں فکشن اور ڈائجسٹ کی تاریخ معراج رسول کے ذکر کے بغیر مکمل ہو ہی نہیں سکتی، دعا ہے کہ اللہ پاک معراج رسول (اور ان کے بھائی اعجاز رسول صاحب) کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

معراج رسول ایک مکمل ادارہ.....صدف آصف، آسٹریلیا

اردو صحافت اور ڈائجسٹ ادب کے ایک عہد ساز نام، معراج رسول کو ہم سے بچھڑے کئی سال گزر چکے ہیں۔ ان کی برسی کے موقع پر یہ کہنا ضروری ہے کہ معراج صاحب وہ شخصیت ہیں جنہوں نے اردو ڈائجسٹ کو محض تفریح نہیں بلکہ فکر، شعور، سسپنس، اخلاق اور مقصدیت کا حسین امتزاج بنا دیا۔

معراج رسول صاحب محض ایک مدیر نہیں بلکہ اپنی ذات میں مکمل ادارہ تھے، ایسا ادارہ جس نے لکھنے والوں کو پہچان دی، قارئین کو معیار دیا اور اردو ڈائجسٹ کو دوام بخشا۔

ان کی ادارت نے نہ صرف بے شمار لکھاریوں کو متعارف کرایا بلکہ اردو ادب کے ذوق کو بھی نئی سمت عطا کی۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کو غریقِ رحمت فرمائے، ان کے درجات بلند کرے اور ان کی ادبی خدمات کو ہمیشہ زندہ رکھے۔ آمین!

ایک ہمہ جہت شخصیت.....زینیا حسن، کراچی

انسان دنیا میں آتا ہے، زندگی گزارتا ہے، چلا جاتا ہے۔ کچھ انسان ایسے ہوتے ہیں، جو اپنی خوبیوں، صلاحیتوں، ہمہ جہت شخصیت، کردار اور اپنے عمل سے اس فانی دنیا سے جانے کے بعد بھی امر ہو جاتے ہیں۔ معراج رسول صاحب بھی ایسی ہی شخصیت ہیں جن کا نام رہتی دنیا تک امر ہو گیا ہے۔ معراج صاحب صرف جاسوسی ڈائجسٹ پبلیکیشن کے بانی ہی نہیں بلکہ ایک نیک، انسان دوست، ہمدرد، غریب پرور اور بیش بہا خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ ابرِ نیساں تھے جن کی بوندوں نے دنیائے ادب کی سیپ میں بیش بہا سچے موتی تخلیق کیے۔ کتنے ہی لکھنے والوں کی صلاحیتوں کو پہچان کر انہیں لکھنے کی طرف راغب کیا، انہیں لکھنے کا موقع دیا جو آج شہرت کی بلندیوں پر ہیں۔ اور صرف پرنٹ میڈیا میں ہی نہیں بلکہ ٹیلی ویژن کے ڈراموں کے اسکرپٹ رائٹرز کی حیثیت سے بام عروج پر ہیں۔ معراج صاحب کی شریک حیات محترمہ عذرا رسول (میری بہت پیاری، عزیز از جان عذرا باجی) بھی ان تمام خوبیوں کی مالک ہیں جو معراج صاحب میں موجود تھیں۔ دونوں کی اچھی خصوصیات نے ان کی ازدواجی ہم آہنگی، کامیاب ترین ازدواجی زندگی اور ان کو ایک مثالی جوڑا بنایا۔ ہر سال ماہ فروری آتا ہے ایک دکھ کا احساس لیے کہ معراج رسول بظاہر ہم میں نہیں رہے مگر پھر.....فوراً ہی ایک فخر و ناز اور خوشی کا جذبہ اس دکھ پر غالب آجاتا ہے کہ معراج صاحب جیسی عظیم شخصیت کا نام رہتی دنیا تک امر ہو گیا۔ یقیناً عذرا باجی کے لیے بھی معراج صاحب کی دائمی جدائی کے دکھ سے زیادہ معراج صاحب کی خوب صورت یادیں اور ایک بھرپور ازدواجی زندگی کی خوشیاں غالب آجاتی ہوں گی۔ اللہ عذرا باجی کو خوش، آباد اور سلامت رکھے اور ذیشان رسول کو مع فیملی سلامت اور خوش آباد رکھے۔ عذرا باجی، ذیشان، فاطمہ کے بچوں اور ان کی خوشیاں دیکھیں، آمین۔

بلاشبہ معراج رسول صاحب رہتی دنیا تک امر ہو گئے ہیں، الحمدللہ!

☆☆☆

Scanned with CamScanner

اللہ کے گھر سے بلاوا آیا

تسنیم کوثر

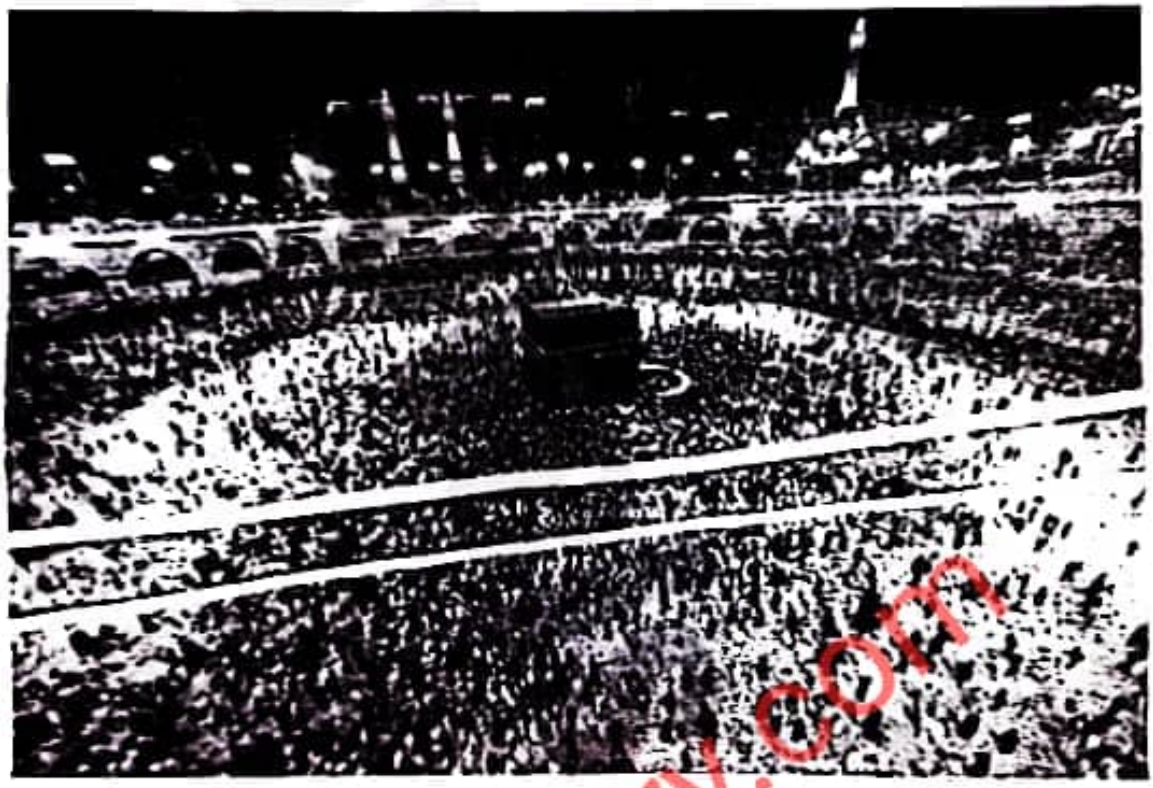

27 اکتوبر کو اللہ کے گھر سے بلاوا آ گیا تھا جانے سے ایک ہفتے پہلے ہی میرے بیٹے ذیشان نے اچانک سرپرائز دیا کہ امی بس جلدی سے تیاری کرلیں۔ میں پریشان بھی ہوئی کہ اللہ کم ٹائم میں سب کیسے ہوگا مگر بس اللہ کے کرم سے سب جھٹ پٹ ہوگیا۔ پاسپورٹ تو بنا ہوا تھا۔ ویزا بھی فوراً آ گیا اور اللہ کے حکم سے ہم دونوں ماں، بیٹے 27 اکتوبر 25ء کو امارات ائرلائن سے دبئی اور پھر وہاں سے جدہ کے لیے روانہ ہوگئے جب جدہ ائرپورٹ پر اترے تو شام کے چھ بج رہے تھے سفر طویل اور تھکا دینے والا تھا لیکن دل خوشی سے معمور ہو رہا تھا۔ لبیک اللھم لبیک زبان سے جاری تھا۔ ائرپورٹ سے باہر آئے تو گاڑی موجود تھی پھر دوبارہ سفر شروع ہوا گاڑی اتنی سبک رفتاری سے چل رہی تھی کہ نیند آنے لگی۔ وہاں کی سڑکیں اتنی لاجواب ہیں کہ ذرا دھکا نہ لگے تقریباً دو گھنٹے کی مسافت کے بعد ہم مکہ مکرمہ اپنے ہوٹل فندق حبہ المہاجرین پہنچے یہ ہوٹل ہجرہ روڈ کبوتر چوک کا پہلا ہوٹل کہلاتا ہے۔ بہرحال اپنے کمرے میں جا کر جو کہ بارھویں فلور پر تھا جلدی سے عشا کی نماز ادا کی۔ کھانا کھایا اور پھر بے تابی سے لبیک اللھم لبیک کا ورد کرتے ہوئے ہم حرم

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

کی جانب روانہ ہو گئے بے حد قریب صرف چھ سات منٹ کی واک کے بعد ہم کعبہ شریف کے سامنے تھے اور نہ پوچھیں کیا کیفیت ہو رہی تھی۔ دل میں ہزاروں دعائیں تھیں لیکن لب بالکل خاموش تھے دل اتنا بھرا ہوا تھا کہ آنسو رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے بس دل سے صرف اللہ، اللہ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں سیاہ پوش کعبہ کے سامنے کھڑی ہوں دل رو، رو کر کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کیا میں اس قابل تھی۔ آپ نے مجھے اس قابل سمجھا۔

شکر ہے تیرا خدایا میں تو اس قابل نہ تھا
تو نے اپنے گھر بلایا میں تو اس قابل نہ تھا

اور پھر ماشاء اللہ بیٹے ذیشان کے ساتھ سب سے پہلے حجر اسود کی سیدھ میں کھڑے ہو کر کعبہ کی طرف منہ کر کے طواف کی نیت کی "اے اللہ میں آپ کی رضا کے لیے عمرے کے طواف کی نیت سے کھڑی ہوں، آپ اسے میرے لیے آسانی فرما دیجیے اور قبول فرما لیجیے" پھر بسم اللہ، اللہ اکبر کہہ کر حجر اسود کی طرف ہتھیلیاں چھونے کا اشارہ کر کے ہتھیلیوں کو چوم لیا اور ذیشان کا ہاتھ پکڑ کر آہستہ آہستہ طواف شروع کیا۔ رش بہت زیادہ تھا سات چکر کے لیے تسبیح ہاتھ میں تھی جتنی بھی قرآنی آیتیں یاد تھیں وہ سب پڑھیں اور ڈھیروں دعائیں لب پر جاری تھیں جب طواف کے سات چکر مکمل ہو گئے تو ہم نے زم زم، زم پیا اور پھر مقام ابراہیم کے تقریباً سامنے دو رکعت واجب الطواف ادا کیے ڈھیروں دعائیں مانگیں اور پھر صفا و مروہ کی سعی ادا کی۔ صفا و مروہ کے سات چکر بھی طویل ہوتے ہیں لیکن بس اللہ تعالیٰ ہمت دے دیتا ہے۔ اس کے بعد جب ہوٹل واپس گئے تو رات کے دو بج گئے تھے اور پھر اس کے بعد 30 اکتوبر کو مسجد عائشہ سے دوسرا اور فرسٹ نومبر کو بھی مسجد عائشہ سے تیسرا عمرہ کیا۔

اسی دوران زیارتیں بھی کرتے رہے۔ خاص کر جبل ملائیکہ جا کر اچھا لگا جبل ملائیکہ وہ پہاڑ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے دوران 1000 فرشتوں کو اتارا تھا ایمان والوں کی مدد کے لیے یہ پہاڑ ریزہ، ریزہ ہو کر ریم جیسے نرم و ملائم ہو گئے ہیں اس پر چڑھنے اترنے میں بالکل تکلیف نہیں ہوتی ہے بالکل ایسا لگتا ہے جیسے ہم پانی یا فوم کی باریک روئی پر چل رہے ہیں۔ میں بھی آرام سے اوپر تک جا کر مزے سے پھسلتے ہوئے نیچے آئی۔ اس کے علاوہ مسجد قبا، مسجد قبلتین، مسجد جن میں بھی جا کر نفلیں پڑھیں اور ایک ایسی جگہ بھی گئے احد کا پہاڑ جہاں ہمارے پیارے نبی زخمی ہو کر پہاڑ سے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے احد کا پہاڑ ہمارے نبی سے محبت کرتا تھا آپ کے بیٹھنے سے بالکل نرم ملائم ہو گیا۔

اب بھی پیارے نبی کے خون مبارک کے نشان واضح ہیں اور یقین جانیے اتنی پیاری خوشبو وہاں محسوس ہوتی ہے اس پہاڑ پر بھی ہم گئے اس جگہ کو ہاتھ بھی لگایا اور چوما بھی۔ اس کے علاوہ اور بھی پیاری، پیاری زیارتیں کیں اگر کھولوں تو بہت زیادہ طویل ہو جائے گا۔ اور اب ہم 5 نومبر کو طائف کے لیے روانہ ہوئے۔ طائف، مکہ سے بہت دور پہاڑوں پر واقع ایک خوب صورت شہر ہے۔ ہم دن کے دس بجے طائف کے لیے نکلے اور رات دس بجے واپس مکہ آئے۔ طائف میں ہم نے عبداللہ بن عباسؓ کے روضہ مبارک کے قریب مسجد میں ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں ادا کیں اور رات تقریباً گیارہ بجے حرم جا کر چوتھے عمرے کی سعادت حاصل کی۔ اس کے بعد 6 نومبر کو ہمیں مدینے کے لیے صبح نو بجے نکلنا تھا۔ نماز فجر ادا کرنے کے بعد جب وقت رخصت آیا۔ تو دل ڈوبنے لگا اللہ کے گھر کعبہ کو دونوں ہاتھوں

Scanned with CamScanner

حمد باری تعالیٰ

دوسرا کون ہے جہاں تو ہے
کون جانے تجھے کہاں تو ہے

لاکھ پردوں میں تو ہے بے پردہ
سو نشانوں میں بے نشاں تو ہے

تو ہے خلوت میں تو ہے جلوت میں
کہیں پنہاں کہیں عیاں تو ہے

نہ مکاں میں نہ لامکاں میں کچھ
جلوہ فرما یہاں وہاں تو ہے

محرم راز تو بہت ہیں امیرؔ
جس کو کہتے ہیں رازداں تو ہے

کلام: امیر خیالی
انتخاب: حمیرا اقبال، کراچی

☆☆☆

نعت رسول مقبولؐ

تو جو اللہ کا محبوب ہوا خوب ہوا
یا نبیؐ خوب ہوا خوب ہوا خوب ہوا

شبِ معراج یہ کہتے تھے فرشتے باہم
سخنِ طالب و مطلوب ہوا خوب ہوا

حشر میں امت عاصی کا ٹھکانا نہ تھا
بخشوانا تجھے مرغوب ہوا خوب ہوا

تھا سبھی پیشِ نظر معرکۂ کرب و بلا
صبر میں ثانیِ ایوبؑ ہوا خوب ہوا

داغ ہے روزِ قیامت مری شرم اس کے ہاتھ
میں گناہوں سے جو محبوب ہوا خوب ہوا

کلام: داغ دہلوی
پسند: ثوبیہ ظہور، ضلع اٹک

سے چھوا بہت چوما آنکھوں سے لگایا۔ دل بہت بے قرار سا تھا آنکھوں سے آنسو رواں تھے لگتا تھا دل بند ہو جائے گا شاید وہاں جا کر سب ہی کی ایسی ہی کیفیت ہوتی ہے واپسی کے لیے قدم نہیں اٹھ رہے تھے۔

تیرے کرم کی کیا بات مولا تیرے حرم کی کیا بات مولا
تا عمر کردے آنا مقدر اللہ اکبر اللہ ہو اکبر

اور اتنی اچھی، اچھی پیاری یادیں لے کر ہم 6 نومبر کو مدینے پہنچ گئے۔ مدینے میں صرف پانچ دن کا قیام تھا ہوٹل بے حد قریب تھا۔ منٹوں میں مسجد نبوی جا کر پانچ دن پانچوں وقت کی نمازیں پڑھیں۔ فجر کی نماز پڑھنے کے لیے تو ہم ساڑھے چار بجے ہی جا کر بیٹھ جاتے تھے کیونکہ بے پناہ رش کے باعث جگہ نہیں ملتی تھی۔ اس بار کچھ زیادہ ہی رش لگا ورنہ اس سے پہلے بھی ہم دو دفعہ آ چکے ہیں اتنا ہجوم نہیں دیکھا اور ریاض الجنہ جانے کا صرف ایک بار ہی موقع ملا ورنہ اس سے پہلے جب بھی آنا ہوا تقریباً روزانہ ہی عشا کی نماز پڑھ کر ریاض الجنہ کی طرف دوڑ جاتے تھے مگر اب سب بدل گیا ہے۔ لیکن یہ طریقہ بہت اچھا ہے ہمیں تو بہت ہی پسند آیا نہ دھکم پیل، بھاگ دوڑ سے محفوظ آرام سے لائن لگا کر صرف وہ وزٹ کر سکتے ہیں جن کو پرمیشن ملتی ہے بہت اچھا طریقہ ہے اس طرح سب کو موقع ملتا ہے۔ ریاض الجنہ میں نفلیں پڑھیں، سلام پیش کیا آنسو یہاں بھی نہیں رک رہے تھے۔ اللہ سے دعائیں مانگیں سب کے لیے اپنے لیے بچوں کے لیے پیارے پاکستان کے لیے دنیا کے تمام مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ سب کی دعاؤں کو قبول فرمائے، آمین۔

اور اللہ کے حکم سے خیر و عافیت کے ساتھ 12 نومبر کو وطن واپس آ گئے لکھنے کو تو اب بھی بہت کچھ ہے لیکن لگتا ہے کچھ زیادہ نہ ہو جائے بہر حال امید ہے آپ کو احوالِ عمرہ اچھا لگے گا۔

❁❁❁

digest.library.com

Scanned with CamScanner

رمضان المبارک اور عید الفطر کی تیاریاں قبل از رمضان

شائستہ زریں

سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "شعبان المعظم برگزیدہ مہینہ ہے اس ماہ مبارک کی عبادت کا بے حد ثواب اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ "ماہِ رمضان بہت ہی بابرکت اور فضیلت والا مہینہ ہے۔ یہ صبر و شکر اور عبادت کا مہینہ ہے۔ اس کی عبادت کا ثواب ستر درجہ عطا ہوتا ہے۔"

ماہِ صیام ہمارے لیے رحمتوں، برکتوں اور بخششوں کی نوید لاتا ہے اور استقبالِ رمضان کا آغاز شعبان المعظم کی عبادات سے ہو جاتا ہے۔ ساتھ ہی رمضان کے اہتمام کی تیاری جن میں معمول سے ہٹ کر گھر کی تفصیلی صفائی، پردوں اور صوفوں کی دھلائی۔ سحری و افطار میں بننے والی ڈشوں سے متعلق مسالا جات، چٹنیاں اور دیگر ایسی اشیا جن کے خراب ہونے کا احتمال نہیں ہوتا بنا کر رکھ دی جاتی ہیں۔ عید کی خریداری بھی رمضان سے پہلے کر لینے سے جہاں وقت کی بچت ہو جاتی ہے وہاں رقم کی کھپت بھی ہو جاتی ہے کیونکہ رمضان کا چاند نظر آتے ہی دکاندار برکتیں سمیٹنے کے لیے دام دُگنے کر کے اشیا فروخت کرتے ہیں۔ آسمان کو چھونے والی یہ قیمتیں بیشتر عوام کی قوتِ خرید سے بہت بڑھ کر ہوتی ہیں سو شعبان المعظم کا آغاز ہوتے ہی استقبالِ رمضان کی تیاری تقریباً ہر گھر کا معمول ہے۔ قبل از رمضان خریداری سے ایک تو بازاروں کے پھیرے نہیں لگانے پڑتے دیگر یہ کہ ممکنہ حد تک رمضان اور عید کی تیاریاں مکمل ہو جاتی ہیں تو رمضان میں پُرسکون عبادت کے لیے بہت سارا وقت مل جاتا ہے سو تازہ دم ہو کر رمضان کے تمام ارکان کی ادائیگی ہو جاتی ہے۔

یہ تو ہمارا خیال ہے سروے میں شریک خواتین اس ضمن میں کیا کہتی ہیں یہ جاننے کے لیے ہم نے ان سے معلوم کیا کہ.....

سوال 1: رمضان المبارک کے استقبال کی تیاریوں میں کن امور کو پیشِ نظر رکھتی ہیں؟

سوال 2: عید الفطر کی تیاریاں رمضان المبارک میں کر لینی چاہئیں یا اس سے قبل؟ مگر کیوں؟

ریاض فاطمہ

(قلم کار)

1: خوشی اور مسرت کے حوالے سے اسلامی سال میں رمضان المبارک سرِفہرست ہے سو میں اس کے استقبال کی خصوصی تیاری کرتی ہوں۔ میرے لیے سحری و افطار کا اہتمام اور گھر کی سجاوٹ، بہت اہمیت رکھتی ہے۔ کوشش یہی ہوتی ہے کہ ایسے بہت سے کام جن کا تعلق کچن سے ہوتا ہے پہلے سے کر کے رکھے جائیں۔ مثلاً مسالے، چٹنیاں، فرائی آئٹم فریز کر کے رکھنا اچھا لگتا ہے اس سے سہولت ہو جاتی ہے۔ صحت بھی صحیح رہتی ہے اور ان میں ذائقہ بھی زیادہ ہوتا ہے۔ کبھی کبھار باہر سے چیزیں

Scanned with CamScanner

digest library.com

منگوانا یا افطاری کرنا بھی اچھا لگتا ہے لیکن کوشش کرنی چاہیے کہ گھر میں ہی بندوبست کیا جائے۔ گھر کی سجاوٹ کی خریداری بھی عید اور رمضان سے قبل ہی کر لیتی ہوں کہ گھر مزید سج جائے۔

2: تیاریاں کوشش کرنی چاہیے کہ ماہِ رمضان سے قبل ہی کر لی جائیں کیونکہ بعد میں روزے کی وجہ سے دکاندار اور خریدار دونوں کا کچھ موڈ آف رہتا ہے پھر قیمتوں میں اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے میں پہلے ہی تیاری کر لیتی ہوں۔ ملبوسات کی تیاری میں اب اپنے لیے اتنا شوق نہیں رہا لیکن بچے اور خاص طور پر بچیوں کے لیے اچھے نئے اسٹائل کے ملبوسات خرید کر انہیں گفٹ کرنے سے دلی خوشی ملتی ہے۔ تین بیٹیاں ہیں اور ایک بیٹا اللہ کا شکر ہے کہ میرے گفٹس ان سب کو پسند آتے ہیں۔ رمضان سے قبل ہی کر لیتی ہوں کہ رمضان میں بازاروں میں بہت رش ہوتا ہے لیکن تمام تر احتیاط کے باوجود بہرحال کچھ نہ کچھ رہ ہی جاتا ہے۔ جسے رمضان المبارک میں مکمل کر لیتی ہوں۔

شازیہ انوار

(مدیرہ مصالحہ میگزین)

1: بحیثیت ورکنگ وومن رمضان المبارک کے ایام میرے لیے سخت امتحان ہوتے ہیں۔ سحری میں اٹھ کر سحری بنانا پھر چند لمحوں کا آرام پھر بچے کو اسکول بھیجنا، آفس آنا، آفس میں سارا دن کی سخت نوکری، گھر واپسی پھر افطار کی تیاری۔ تراویح، بچے کی پڑھائی اور پھر صبح کی تیاری۔ میرا خیال ہے دیگر کا بھی یہی حال ہوتا ہوگا۔ میرے لیے سب سے زیادہ اہم کھانے پینے کی اشیا کی قبل از وقت خریداری ہے۔ میں کباب اور پراٹھے تیار کر کے فریز کر لیتی ہوں۔ گوشت ابال لیتی ہوں، ہرے مسالے تیار کر لیتی ہوں۔ اس کے لیے ہرا دھنیا، ہری مرچیں اور لہسن چوپ کر کے کیوبز کی صورت میں فریز کر لیتی ہوں، پیاز تل کر فریز کر لیتی ہوں۔ لمائر پیس کر رکھ لیتی ہوں، لمائر اور روٹ فریز کر

لیے جاتے ہیں۔ ایسے چھوٹے، چھوٹے کام کر لیے جائیں تو یقین کیجیے رمضان کا مہینہ سہولت سے گزر جاتا ہے اور عبادتوں کا وقت بھی مل جاتا ہے۔ سحر اور افطار کے اوقات میں تھوڑی سی پھرتی اور تھوڑا سا گھر والوں کا تعاون درکار ہوتا ہے۔ گھر والوں کو بھی اپنی فرمائش کی چادر محدود رکھنی چاہیے کہ رمضان صرف کھانے پینے کا نہیں دوسروں کا احساس کرنے کا مہینہ بھی ہے۔

2: میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے اپنے گھر میں رمضان المبارک میں بازاروں سے دور رہنے کا سبق سیکھا ہے۔ میرے والد کیونکہ بینک میں ملازمت کرتے تھے اور یکم رمضان کو ان کی چھٹی ہوتی تھی تو ہم سب یکم رمضان المبارک کو عید کی مکمل شاپنگ کر لیتے تھے۔ اس کے بعد بازار کا تصور کم از کم ہمارے گھر میں نہیں تھا۔ ساری زندگی جب اس انداز سے گزارنے کے بعد شادی ہوئی تو معاملہ ہی کچھ اور تھا۔ میرے نصفِ بہتر منصوبہ بندی کے معاملے میں کچھ کچے ہیں تو ہر سلسلے میں "کر لیں گے" سننے کو ملتا ہے۔ ابتدائی سالوں میں مجبوراً اسی حوالے سے اپنا شیڈول بنانا پڑتا تھا لیکن بتدریج میں اپنی اور اپنے بیٹے کی عید کی تیاری رمضان سے قبل کر لیتی ہوں۔ شوہر صاحب کا جب دل چاہتا ہے اور بسا اوقات چاند رات کو جا کر اپنے لیے تیاری کرتے ہیں۔ عید سے پہلے تیاری کرنے میں صرف کچھ نئی کلیکشن کی عدم دستیابی کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے کیونکہ برانڈز ہوں یا عام دکاندار سب ہی تہوار کے موقع پر اچھے پیسے کمانے کی سوچ کے تحت رمضان کے پہلے ہفتے میں عید کا خصوصی انتخاب پیش کرتے ہیں، میرا خیال ہے کہ رمضان میں چیزیں نہ صرف مہنگی ملتی ہیں بلکہ بازار میں لوگوں کا اس قدر ہجوم

Scanned with CamScanner

ہوتا ہے کہ کم از کم میرے جیسی خاتون تو شاپنگ کی ہمت نہیں کر پاتیں۔

نسیم سحر

(ریٹائرڈ ٹیچر)

1: رمضان کے بابرکت مہینے میں ہر کوئی چاہتا ہے کہ ہم زیادہ وقت عبادت میں گزاریں۔ اس لیے رمضان سے پہلے ہی ضرورت کا سامان، خور و نوش کی اشیا وغیرہ کی خریداری پہلے ہی کر لی جاتی ہے تاکہ ہم رمضان کا مہینہ زیادہ سے زیادہ عبادت میں گزاریں اور میں بھی ایسا ہی کرتی ہوں۔

2: زیادہ تر لوگ رمضان سے پہلے ہی عید الفطر کی تیاری کر لیتے ہیں تاکہ وقت کی بچت ہو سکے۔ میرا خیال ہے کہ رمضان میں عید الفطر کی تیاری کرنے کا زیادہ مزہ آتا ہے اور خوشی محسوس ہوتی ہے کہ عید آنے والی ہے اچھے طریقے سے اس کی تیاری کرتے ہیں۔

زینیا حسن

(قلم کار)

1: جہاں رمضان کے پُرنور دن اور رات کی آمد کی خوشی سے دل سرشار ہو جاتا ہے۔ وہیں تیاریاں بھی زور شور سے شروع ہو جاتی ہیں۔ گھر کی تفصیلی صفائی سے لے کر سحر و افطار کی جو چیزیں تیار کر کے فریز کی جا سکتی ہیں وہ پانچ چھ چیزیں بنا کر فریز کر دیتی ہوں جو چٹنیاں اور ساسس وغیرہ فریج میں رکھنے سے خراب نہیں ہوتیں وہ بنا کر فریج میں رکھتی ہوں تاکہ ماہِ مبارک میں دلجمعی سے عبادت کا زیادہ وقت مل جائے جو اس ماہِ مبارک کی روح ہے۔ شادی سے قبل، شادی کے بعد اب تک سحر و افطار کا بھرپور اہتمام ہوتا ہے مگر

بے جا اسراف کے بغیر۔ اور میں ان لوگوں کو کبھی نہیں بھولتی جنہیں ہماری رازدارانہ امداد کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔

2: بچپن اور شادی سے قبل عید کی تمام تیاریاں رمضان المبارک میں کی جاتی تھیں مگر اب زمانہ اور ہے اور مہنگائی کا گراف بھی۔ کپڑے درزی سے سلوانے ہوں یا برانڈڈ بوتیک سے لینے ہوں میرے خیال سے رمضان سے پہلے یہ کام ہو جانا چاہیے۔ باقی چوڑیاں، مہندی وغیرہ رمضان میں خریدنا اچھا لگتا ہے۔ لڑکے لڑکیوں کی چیزیں رمضان میں خریدی جائیں مگر آخری عشرہ صرف عبادت کے لیے ہو۔

سنجیدہ ارشد

(گھریلو خاتون)

1: رمضان المبارک ہر مسلمان کی زندگی کا وہ مقدس مہینہ جس کے آنے کی خوشی اس کو پانے کی سعادت گویا جنت کے ٹکٹ کے مترادف ہے۔ بطور خاتونِ خانہ رمضان المبارک کی تمام تر عبادتوں میں مشغول رہنے کے ساتھ، ساتھ مجھے کچن میں بھی وقت گزارنا ہوتا ہے اور مجھ سمیت تمام تر روزے داروں کے لیے سحری و افطاری کا اہتمام کرنا ہوتا ہے۔ جیسے، جیسے وقت گزر رہا ہے ویسے، ویسے میں ان تمام امور کو سہل بناتی جا رہی ہوں۔ جیسے کہ گھر کی مکمل صفائی اور ستھرائی اب رمضان سے قبل ہی کر لی جاتی ہے اور جہاں تک

Scanned with CamScanner

digest library.com

ممکن ہو سکے گھر پر ہی تیار کرنے والی ساری چیزیں خرید کر لی جاتی ہیں تاکہ رمضان المبارک میں زیادہ سے زیادہ وقت عبادت میں صرف کیا جائے اور اللہ نے ایک بار پھر عبادت سے بھرپور ماہ مبارک عطا کیا اس کی شکر گزاری کرتی رہوں اور میرا یقین اس بات پر پہلے سے کہیں زیادہ ہو چکا ہے کہ ہماری عبادت ہی میں ہماری نجات اور فلاح ہے۔

2: بچپن ہی سے ہم نے دیکھا کہ ہمارے بڑے عید الفطر کی تیاریاں شعبان کے نصف ایام میں زیادہ تر مکمل کر لیا کرتے تھے۔ اور کہیں نہ کہیں ہمارا مزاج بھی کچھ ایسا ہی رہا۔ لیکن کبھی، کبھی ہم دنیا کے ساتھ بھی چل لیتے ہیں کہ رمضان میں عبادت کے ساتھ، ساتھ بازاروں کے چکر بھی لگانے پڑ رہے ہیں اور عید الفطر کی تیاریاں بھی ساتھ، ساتھ کر رہے ہیں اور سچ پوچھیں تو میں بالکل بھی اس بات کے حق میں نہیں کہ آپ اپنی عبادت پر توجہ مرکوز رکھنے کے بجائے اُلٹا وہ وقت بازاروں میں ضائع کر دیں۔ صحیح طریقہ ہر اعتبار سے میری نظر میں یہی ہے کہ شعبان المعظم کا وقت عید کی تیاریوں میں گزاریں اور رمضان المبارک میں اپنی تمام تر توجہ اپنی عبادت پر مرکوز رکھیں یہ سوچ کر کہ یہ زندگی کا آخری رمضان نہ ہو۔

ملیحہ عاصم

(گھریلو خاتون)

1: میری پہلی ترجیح اور اولین توجہ رمضان المبارک سے متعلق امور خاص طور پر افطار کی تیاریوں پر مشتمل اشیا پر مرکوز ہوتی ہے کہ پہلے اس کی خریداری کر لوں۔ میں اور عاصم رمضان سے پہلے ہی اپنی گروسری کی خریداری مکمل کر لیتے ہیں تاکہ رمضان کے مہینے میں ان چیزوں کے لیے باہر نہ جانا پڑے۔ افطار کے لیے تمام اشیا ہم گھر پر ہی تیار کرتے ہیں، باہر سے افطاری نہیں منگواتے۔ بچے سموسے اور رول پسند کرتے ہیں ان کے لیے سموسے اور رول بنا کر رکھ دیتی ہوں۔ دیگر ایسی اشیا جو افطار میں شوق سے کھائی جاتی ہیں ان میں سے جو بنا کر رکھی جا سکتی ہیں وہ بھی رمضان سے پہلے ہی تیار کر لیتی ہوں تاکہ رمضان میں ہر چیز گھر میں ہی دستیاب ہو جائے ان کے لیے بازاروں کی خاک نہ چھاننی پڑے۔

2: عید الفطر کی ساری تیاریاں خواہ وہ گھر کی سجاوٹ کی اشیا ہوں یا دیگر خریداری رمضان سے پہلے ہی مکمل کر لیتی ہوں کیونکہ مجھے رمضان میں باہر جانا اچھا نہیں لگتا۔ رمضان کا مہینہ عبادتوں کا مہینہ ہے احترام کے ساتھ گھر میں رہتے ہوئے تلاوت کلام پاک اور نوافل پڑھنے میں مجھے زیادہ لطف آتا ہے اور سکون ملتا ہے۔ اگر بازار جائیں تو عبادت میں خلل لازمی پڑے گا۔ عاصم کی، میری اور بچوں کی جو بھی عید کے حوالے سے تیاری ہوتی ہے رمضان سے قبل ہی مکمل کر لیتی ہوں۔ اور مجھے لگتا ہے ایسا ہونا بھی چاہیے کیونکہ رمضان رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ ہے سو جتنا بھی ہو سکے اس ماہِ مبارک کی رحمتیں اور برکتیں سمیٹ لیں اور یہ تب ہی ممکن ہے جب رمضان سے قبل عید کی تیاری کر لی جائے۔

سعدیہ نواب علی

(نعت خواں)

1: اولین ترجیح تو سحری و افطاری کے بہترین انتظامات بجالانا۔ اس کے علاوہ گھر کی چیزوں میں ردوبدل کرنا جس سے لگے رمضان کی آمد، آمد ہے۔

رمضان کے ہر جمعہ خاص طور پر نت نئے لباس کا اہتمام کرنا خاص طور پر جمعۃ الوداع کے لیے۔

2: عید الفطر کی کچھ تیاریاں رمضان سے قبل اور کچھ رمضان میں ہوتی ہیں۔ رمضان المبارک

Scanned with CamScanner

کے آخری ایام تک ہی نت نئے لباس، جیولری وغیرہ کی تیاری زور شور سے اپنے عروج پر ہوتی ہے۔ میچنگ کی چوڑیاں، سینڈل، پرس وغیرہ کی تیاری رمضان میں کرنے سے عید کی آمد میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔

حمنہ حسان

(گھریلو خاتون)

1: رمضان المبارک کی تیاری میں سب سے اہم چیز ہے "صفائی" ہر چیز صاف ستھری، دھلی ہوئی نکھری ہو۔ دیکھتے ہی احساس ہو کہ رمضان کی آمد ہے۔ رمضان سے قبل ہی دیواریں دھونا، کچن کے کیبنٹ کی صفائی ہو جاتی ہے۔ پردے دھل جاتے ہیں۔ کچھ نئی کراکری بھی لے لیتی ہوں کہ اس کے بعد زندگی میں آسانی ہو۔ رمضان کے دن رات صرف عبادت میں گزریں۔ کھانے پینے کے تمام کام آسان کرتی ہوں۔ کبھی فروزن چیزیں فریز کرتی ہوں چٹنیاں، کباب، کوفتے اسٹور کر لیتی ہوں۔ غرض کھانے پینے کے حوالے سے گردسری رمضان میں نہیں کرتی۔

2: جی ہاں عید کی تیاری میں رمضان سے پہلے ہی کر لیتی ہوں۔ رمضان میں بازاروں میں رش بہت ہوتا ہے، چیزیں مہنگی ہوتی ہیں۔ انتخاب کا مسئلہ الگ ہوتا ہے اور تیاری صرف اپنی نہیں پورے گھر کی ہوتی ہے۔ در و دیوار کی ہوتی ہے۔ پردے، بیڈ شیٹس، برتن، لباس، بچوں کی تیاری اور جب سے مہنگائی زندگی میں آیا ہے، رمضان کی خریداری مشکل ہو گئی ہے۔ روزے میں گھومنا باہر نکلنا بہت مشکل ہے۔ میرے خیال میں عید کی تیاری رمضان سے پہلے ہوتا کہ رمضان کے پاکیزہ عبادت گزار لمحے پرسکون انداز میں گزریں اور دعائیں قبول ہوں۔

معمولی بات

لڑکی والے پپو کے گھر رشتے کی بات پکی کرنے کے لیے آئے تو پپو پیاز کھا رہا تھا۔ لڑکی کی ماں نے پوچھا کہ "پپو پیاز کیوں کھا رہا ہے؟"

پپو کی ماں: "پپو جب شراب پی لیتا ہے تو پیاز کھاتا ہے تاکہ منہ سے شراب کی بو نہ آئے۔"

لڑکی کی ماں: "ہائے پپو شراب بھی پیتا ہے؟"

پپو کی ماں: "کبھی، کبھی ہمراد دیکھنے کو ملے پر جاتا ہے تو تھوڑی پی لیتا ہے۔"

لڑکی کی ماں: "ہائے پپو کوٹھے پر بھی جاتا ہے؟"

پپو کی ماں: "بہن وہ تو کبھی، کبھی ڈکیتی یا راہزنی میں اچھا مال مل جائے تو ذرا چکر لگا لیتا ہے۔"

لڑکی کی ماں: "پپو، ڈکیتیاں اور راہزنیاں بھی کرتا ہے؟"

پپو کی ماں: "ہاں مگر آج تک پکڑا نہیں گیا۔ جہاں کوئی اسے پکڑنے کی کوشش کرتا ہے اسے گولی مار کر وہیں قتل کر دیتا ہے۔"

لڑکی کی ماں: "بہن معاف کرنا، مجھے یہ رشتہ منظور نہیں۔ کیونکہ آپ کا بیٹا پیاز کھاتا ہے۔"

اس پر پپو کے گھر والوں نے شور شرابا شروع کر دیا کہ "صرف پیاز کھانے کی وجہ سے ہمیں انکار کر دیا..... یہ تو سراسر ظلم ہے۔"

از: ساجدہ ظفر، کمالیہ

Scanned with CamScanner

digest library.com

عائشہ عروج

(معلمہ)

1: رمضان المبارک کی چاند رات سے ہی عبادت کا اہتمام شروع ہو جاتا ہے۔ چھوٹے بچے کے ساتھ نیند کا شیڈول درست کرنا بہت ضروری ہے تاکہ عبادت متاثر نہ ہو۔ اور عبادات کو زیادہ سے زیادہ وقت دینے کے لیے گھریلو ذمے داریوں سے وقت نکالنے کا منصوبہ پہلے ہی سے بنا لیتی ہوں۔ رمضان المبارک میں اس پر عمل کر کے مطمئن رہتی ہوں۔ گھر کی صفائی ستھرائی کریں تاکہ عبادت میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ رمضان میں سحری و افطار کی کھانے پینے کی اشیا پہلے ہی لا کر رکھ دیتی ہوں اس طرح سودا سلف لانے میں جو وقت برباد ہوتا ہے اس کی بچت ہو جاتی ہے۔ اور عبادت کے لیے بھی وقت مل جاتا ہے۔ رمضان سے قبل ہی سالانہ زکوٰۃ کی ادائیگی کر لیتی ہوں۔ تاکہ ضرورت مند بھی رمضان سے قبل اپنی ضرورت کی چیزیں لا کر رکھ دیں۔ ان تمام باتوں کو بھی استقبالِ رمضان کی تیاریوں میں شامل کرنا چاہیے۔

2: رمضان سے پہلے تیاری کرنے سے عید الفطر کے لیے تیار رہنے کا موقع ملتا ہے۔ اس طرح مالی بچت کر کے عید کے اخراجات کو بہتر طریقے سے پورا کیا جا سکتا ہے۔ پہلے سے تیاری کرنے سے گھر کی صفائی ستھرائی ہو جاتی ہے اور عید کے لیے گھر تیار رہتا ہے۔ اس سے عید کے لیے خوشی اور جوش و خروش بڑھ جاتا ہے۔ اس سے عید کے دن تناؤ سے بچا جا سکتا ہے گویا رمضان سے قبل عید کی تیاری کرنے سے عید کا دن بغیر کسی فکر اور پریشانی کے بھرپور خوشیوں اور سہولت سے گزر جاتا ہے۔

گوہر یاسر

(گھریلو خاتون)

1: شعبان کے مہینے ہی سے میں رمضان المبارک کے استقبال کی تیاریاں شروع کر دیتی ہوں۔ خاص طور پر سحری و افطار میں استعمال ہونے والے وہ سامان جن کو دیر تک محفوظ رکھ سکتے ہیں کیونکہ روزے میں بازار نکلنا اور ان کی خریداری کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور چونکہ اب یہاں لاہور منتقل ہو چکی ہوں اور یہاں میکا اور سسرال دونوں ہونے کی وجہ سے مہمانوں کی آمد زیادہ رہتی ہے تبھی میری کوشش ہوتی ہے کہ رمضان میں زیادہ وقت عبادت اور مہمان داری میں گزرے بازاروں میں خریداری کرنے میں نہیں۔

2: عید الفطر کی تیاری میں رمضان سے پہلے ہی کر لیتی ہوں اس سے ایک تو وقت کی بچت کے سبب پورا رمضان المبارک پُرسکون گزرتا ہے دوسرے عید کے نزدیک آتے ہی جو ہوشربا مہنگائی کا طوفان آتا ہے۔ اس سے بھی کسی حد تک جان چھوٹ جاتی ہے اس لیے بہتر یہی ہے کہ رمضان سے قبل ہی ساری تیاری کر لیں۔

☆☆☆

معزز قارئین! ''بے پناہ'' مہنگائی کے دور میں استقبالِ رمضان اور عید کی تیاری کے لیے سمجھدار خواتین ماہ بہ ماہ گھریلو بجٹ میں سے کچھ رقم پس انداز کر دیتی ہیں جو رمضان اور عید کی مد میں مختص کی جانے والی رقم میں شامل ہو کر غیر معمولی اخراجات کی تکمیل میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ یوں تو سارا سال ہی عبادت کی جاتی ہے لیکن رمضان المبارک میں عبادت کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے کہ فرمانِ الٰہی ہے ''روزہ میرے لیے ہے اس کی جزا میں دوں گا۔'' اللہ کریم ہمیں ماہِ صیام کی فیوض و برکات سے بہرہ مند ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

☆☆☆

Scanned with CamScanner

بہنوں کی محفل

مدیرہ

خط کتابت کے لیے پی او باکس 662 جی پی او کراچی 74200 ای میل: jdpgroup@hotmail.com

03316266612,021.35386783.021.35802552.Ext:110

پیاری اور محترم بہنو! السلام علیکم!

تمام تر حمد وثنا اس ذات والا صفات کے لیے جو احد ہے، خالق کائنات ہے۔ وہ رب العزت جس نے اپنی حکمت کاملہ سے ہر صنعت کو محکم بنایا۔ وہ بے مثال، لازوال، ہر ایک کی سننے والا، ہر شے کا دیکھنے والا اور ہر شے پر قدرت رکھنے والا ہے۔

کائنات کی ہر مخلوق ثنائے پروردگار میں مصروف ہے۔ ہر شے اللہ کے پیارے حبیب ﷺ پر دن رات درود و سلام بھیجتی ہے۔ خدایا رحمت نازل فرما حضرت محمد مصطفی ﷺ پر کہ جن کو تو نے بہترین دین کے ساتھ بھیجا اور تمام عالم کے لیے نجات کا وسیلہ قرار دیا۔ بس تمام رہو دامن رحمۃ اللعالمین کہ وہی دنیا و آخرت میں مددگار اور شفیع روز محشر ہیں۔

تمام اہل وطن کے لیے پُرخلوص دعائیں اور نیک تمنائیں لیے حاضر ہیں۔

☆☆☆

سال نو کے دوسرے مہینے کا خوش دلی سے استقبال کرتی پیاری بہنوں کو اسلامی مہینوں رجب، شعبان اور رمضان کی برکتوں کو سمیٹنے پر دلی مبارک باد۔۔۔ اور پُرخلوص دعائیں۔

بہنو! حال تو آپ کے الحمدللہ موسم کی تازگی کے ساتھ خوشگوار ہوں گے مگر اردگرد کے حالات سانحات اور دلدوز واقعات بھی تازگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ سال 2025ء کے گزرنے پر سب نے ہی شکر کے کلمات کہے اور آئندہ برس کے لیے دعاؤں میں بھی کمی نہ رہی مگر کیا کریں خوشیوں کے ساتھ، دکھ اور سانحات بھی ہیں۔ یہی زندگی ہے کہیں سکھ تو کہیں دکھ۔۔۔ ہر رات کے بعد روشن سویرا بھی ہے اور اگر تاریک رات بھی ہے تو صبر و سکون کے ساتھ شکر کے کلمات میں گزر ہی جاتی ہے۔

کہتے ہیں انسانی ہاتھوں کی جہاں کامیابیاں ہیں وہیں کوتاہیاں بھی بے شمار ہیں۔ اللہ کی دی ہوئی عقل کا استعمال مثبت ہو تو کیا کہنا اور اگر اسی میں لالچ، حرص، طمع، بددیانتی، بے ایمانی اور خودغرضی ہو تو نتائج تباہ کن بھی ہوتے ہیں۔ وقتی مفاد کی خاطر کروڑوں انسانوں کی زندگی سے کھیلنا کہاں کا انصاف ہے بس یہ فارمولا عام زندگی میں ایک فرد بھی اپنا لے۔ تو پھر اچھا کرو، نیت صاف رکھو، ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے زندگی بسر کرو تو خود تمہارے ساتھ بھی اچھا ہوگا اور تمام اردگرد اور معاشرہ روشن، خوشحال اور شاد و آباد رہے گا مگر جب شیطانی خصائل وجود میں سرائیت کر جائیں تو نتائج تباہ کن اور بربادی ہی ہوتے ہیں۔

اہل ادب، اہل دانش تو شعوری کوشش سے معاشرے میں مثبت فکر پھیلاتے ہیں، انسانیت کی بقا کے لیے اپنے کو مشکل میں ڈالتے ہیں یہاں تک کہ جبر و ظلم۔ بھی سہتے ہیں مگر سچ قلم کار بکتا نہیں ہے، جھکتا نہیں ہے، شرمندہ نہیں ہوتا نہ

Scanned with CamScanner

ہونے دیتا ہے۔
آج یہ فکر رائج کرنے کی ضرورت ہے۔
اسلامی ماہ ہمارے لیے روحانی تربیت کے سامان لاتے ہیں جس سے ہمیں ہمارا اصل مقصدِ حیات پہچاننے میں مدد ملتی ہے بس یہ شعبان اور رمضان ہماری تربیت کے ذرائع ہیں، فکر و نظر کو روشن و توانا رکھنے کے لیے اسوۂ حسنہ کے اسباق ہر وقت دُہرانے اور ان پر عمل پیرا ہونے کا وقت ہے۔ اللہ پاک ہم سب کے لیے آسانی کرے اور ہمیں ہدایت دے، اٰمین اٰمین۔

☆☆☆

پیاری بہنو..... حسبِ روایت ایک بار خلوصِ دل سے درودِ ابراہیمی اور اس کے بعد تین بار آیت کریمہ ضرور پڑھ لیں اور اپنی دعاؤں میں اپنے پیاروں کے ساتھ، ساتھ تمام اہلِ وطن کو بھی یاد رکھیں۔

☆☆☆

بہنوں اب آیئے..... اپنے خطوط کی طرف.....

شمع سلمیٰ غزل، کراچی سے۔ "اخوت اور بھائی چارگی دونوں لازم و ملزوم ہیں اور اختر شجاعت نے بزرگانِ دین اور احادیث کا حوالہ دے کر اس کی اہمیت کو خوب ہی اجاگر کیا۔ سبحان اللہ ورود بخاری کی نئی سوچ نے بڑا مزہ دیا۔ مختصر لیکن جامع و حقیقت ہم خواتین گھرداری میں سب بھول جاتے ہیں کہ سب سے پہلا ہمارا اپنی ذات پر ہے حق۔ جو ہم استعمال ہی نہیں کرتے، ماریہ غزال تو چھا گئیں اتنی خوب صورت تحریر مزہ آگیا اور ہر مرتبہ آنکھوں میں آنسو بھی، بہت زیادہ جذباتی ہوں۔ اندھیری رات کے جگنو کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ ماجد و ریحان کا عشق توفیق، مغفرت خواہ ہوں سمجھ میں نہیں آیا خاتون پندرہ سال شوہر کی ٹریننگ میں رہیں مگر سسرال والے نہ شوہر کسی کو بھی لاولد ہونے کا خیال نہیں آیا بلکہ خاتون جو پڑوسیوں کی آوازوں سے خوش تھیں، وہ بھی خوش تھیں اپنی تنہائی سے۔ لفظوں کا سفر، شفا سعید کا بہتر تھا اور سبق بھی کہ ہمت کبھی نہیں ہارنی چاہیے۔ شیریں حیدر کا تو نام ہی کافی ہے، میں طاہرہ سے شادی نہیں کروں گا۔ یوں بھی زیادہ اچھا لگا کہ گھر والے بھی روایتی اور قدامت پرست نہیں تھے اور طاہرہ کا سر بلند رہا۔ کنیز زہرا کا اپنا گھر، پڑھنے سے بہت اچھا لگا لیکن عملاً ناقابلِ عمل ویسے مجبوریاں اکثر خاندان کو ساتھ رہنے پر مجبور کر دیتی ہیں اور میرے سامنے ایسی کئی مثالیں ہیں۔ مادر اسلمان، کا ڈھلتی شام کے بدلتے رنگ بہت اچھا لگا حالانکہ آج کل کی لڑکیاں اپنی غلطی کبھی نہیں مانتیں اور خدمت کرنا ــــ ناممکن مگر بہت اچھا اینڈ لگا۔ نزہت جبیں ضیا، کا بدشگون بھی سبق آموز بہت اچھا لگا۔ زیبا حسن خدوم، کی کہانی، گو کبھی اچھا لگا اور مصنف کی ڈھٹائی پر حیرت بھی ہوئی۔ آس کو مات نہیں..... خدیجہ میر نے حقیقت کی عکاسی کی ہے مگر زیادہ تر ایسا نہیں ہوتا میرا تجربہ بالکل الٹ ہے۔ ماشاء اللہ میں اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے، بیٹے اور بہوئیں میرا ہیں تقریباً ہر سال امریکا جاتی ہوں چھ ماہ کے لیے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوتی مگر دل نہیں لگتا اپنا ملک اپنا ہوتا ہے۔ سباس گل، کو مکمل اب پڑھا۔ خود غرضی اور لالچ کی صحیح عکاسی خون سفید ہونا اسی کو کہتے ہیں۔ جائداد کے پیچھے خاندان کے خاندان قتل ہو جاتے ہیں شکر ہے اختتام خوشگوار اور سبق آموز تھا۔ طاہرہ سہیل نے ازدواجی زندگی پر مل کر عہد کر لیں، بہت خوب لکھا ہے اور مرد کی فطرت کو خوب اجاگر کیا ہے جن کی منہ مارنے کی عادت کسی عمر میں بھی نہیں جاتی یہ عورت کا ظرف ہے کہ وہ بچوں کی خاطر سب کچھ بھلا دیتی ہے۔ اسد بٹ اور بلال حیدر کا انٹرویو بھی اچھا لگا۔ مشاعرے کی روداد بھی خوب تھی پورا رسالہ پڑھ لیا بلکہ چاٹ لیا میں اسی لیے آرام، آرام سے پڑھتی ہوں تاکہ مکمل احاطہ ہو سکے!" (تبصرے کا شکریہ)

شمع فریدہ ہاشمی نگلی، کراچی سے۔ "اب تو اچھی خاصی سردی پڑنے لگی۔ میرے اوپر تو موزے ٹوپی اور سوئیٹر کے ساتھ شال بھی چڑھی رہتی ہے۔ موسموں کا بھی اپنا ہی مزہ ہے (جی بالکل) خاص کر اس موسم میں سوپ پینے کا شوق بہت

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

اچھا ہے۔ کافی بھی بہت اچھی لگتی ہے اور ماش کی دال کی کھچڑی۔ کل میں نے باجرے کی روٹی کے ساتھ مولی کی بھاجی بنوائی تھی۔ بہت اچھی لگی۔ امید ہے سب بہنیں بھی سردیوں کے پکوان مزے سے کھا رہی ہوں گی۔ (واہ، واہ پڑھ کر ہی مزہ آ گیا) خدا سب کو خوش رکھے۔ بہت سی نئی بہنوں کے نام نظر آتے ہیں۔ بہت اچھا لکھ رہی ہیں۔ اختر بہن ہمیشہ بہت اچھا لکھتی ہیں۔ اس بار بھی اخوت پر ان کا مقالہ بہت عمدہ ہے۔ بہت سی روایات کے حوالے سے مقالے میں بہت اچھے تاثرات پیدا کیے گئے ہیں، جزاک اللہ..... ناول دونوں بہت عمدہ جا رہے ہیں۔ دلچسپ کہانیاں ہیں۔ خاص کر افشاں آفریدی کی جزئیات سے دل بڑا خوش ہوتا ہے۔ پڑھ کر بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم لندن میں گھوم رہے ہیں، ماشاءاللہ ... ماریہ غزال کی کہانی اندھیری رات کے جگنو بہت پسند آئی۔ نام بھی بہت پیارا رکھا ہے۔ زندگی میں دوسروں سے محبت اور ہمدردی بہت ضروری ہے۔ خاص کر سسرالی رشتے داروں سے۔ اس طرح زندگی آسان اور خوب صورت ہو جاتی ہے۔ شیریں حیدر کا کیا کہنا ہمیشہ بہت اچھا لکھتی ہیں۔ بہترین کہانی ہے، مرد سمجھتے ہیں کہ چھننے یا رد کرنے کا حق صرف مرد کو ہی حاصل ہے: کہ خدا نے یہ حق عورت کو بھی دیا ہے... مگر ہمارا سماج اس کو نہیں مانتا کیونکہ یہاں بھی مرد ہی کرتا دھرتا ہے۔ کہانی میں طاہرہ کا ساتھ چونکہ والدین نے بھی دیا تو اس نے اپنی ہتک کا بدلہ بہترین انداز میں لے لیا..... بہت خوب..... کنیز زہرا کی کہانی نے دل خوش کر دیا۔ کیسی حقیقت پسندانہ باتیں کہی گئی ہیں۔ اگر ہر لڑکی ان باتوں کو سمجھے اور عمل بھی کرے تو کبھی ساس نندوں میں لڑائی نہ ہو۔ مادر اسلمان کی کہانی بھی سبق آموز ہے۔ والدین کو بھی سوچنے کی ضرورت ہے کہ تربیت صرف ڈانٹنے سے ہی نہیں ہوتی نہ محبت دلار اور نرم الفاظ زیادہ پُراثر ہوتے ہیں۔ بدشگون بھی چشم کشا کہانی ہے، فضول واہموں پر یقین رکھنے اور ان پر عمل کرنے سے انسان ہمیشہ نقصان اٹھاتا ہے۔ خدا رحم فرمائے ان لوگوں پر جو ایسی سوچ رکھتے ہیں۔ زیبا حسن مخدوم کی کہانی پڑھ کر افسوس ہوا۔ اچھے مصنفین تو اس قسم کے کام نہیں کر سکتے۔ سباس گل کے ناولٹ کا خوشگوار انجام اچھا لگا۔ کیا خوب صورت کہانی لکھی ہے طاہرہ سہیل نے..... بے حد لطف آیا۔ اگرچہ بالکل نیا نام ہے مگر اندازِ تصورات اور الفاظ سب بہت خوب صورت ہے۔ بہت عمدہ گہری باتیں لکھی ہیں۔ خوش رہیں بہن اور یونہی اچھی کہانی دیتی رہیں۔ پاکیزہ ڈائری میں بہنوں کی نہایت عمدہ نگارشات ہیں۔ خاص کر بہن زکیہ بلگرامی کی نعت اور والدہ معزا کبر کی دعا..... سالِ نو کے سلسلے میں مختلف لوگوں کی باتیں بہت اچھی ہیں۔ خدا سب کی دعائیں قبول فرمائے اور یہ نیا سال ہم سب کے لیے ہمارے وطن، ہماری قوم، پوری امتِ مسلمہ اور ساری دنیا کے انسانوں کے لیے بہترین ہو..... آمین۔ میری غزل بھی نظر آئی۔ شکریہ ان محبتوں کا....." (بہت دقیق تبصرے کا شکریہ..... اسی طرح لکھتی رہیں اور ساتھ موسم کا لطف اٹھاتی رہیں۔)

بہن زیبا حسن، کراچی سے۔ "ایک طویل عرصے بعد بہنوں کی محفل میں حاضری دے رہی ہوں۔ کافی خوش کن مصروفیت رہی تھی۔ پھر نومبر 2025ء میں ایکسیڈنٹ میں فریکچر ہو گیا۔ مگر پاکیزہ باقاعدگی سے پڑھتی رہی۔ بہن ناہید نعیم ملتان نے میرے ایکسیڈنٹ پر دلی افسوس کا اظہار کیا اور میری صحتیابی کے لیے دعا کی، بہن ناہید نعیم آپ کی محبت اور دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔ اللہ آپ کو صحت و سلامتی کے ساتھ خوش آباد رکھے اور عمرِ خضر عطا فرمائے، آمین۔ ان تمام بہنوں کے لیے ڈھیروں دعائیں جنہوں نے میری جلد صحتیابی کے لیے دعائیں کی ہیں۔ نزہت آپ کی عذرا باجی اور اراکین پاکیزہ کی محبتوں کے لیے تو دعائیں دل سے نکلتی ہیں۔ (جزاک اللہ) ہر ماہ کسی نہ کسی تحریر کی تعریف کے لیے خط لکھنے کا ارادہ کیا مگر وقت نہیں ملا۔ نزہت آپ کی اور آمنہ حماد کی محنت عذرا باجی کی سربراہی میں بہترین رنگ لا رہی ہے۔ (آپ سب کا محبت بھرا ساتھ جو ہے) یہاں میں دیر سے ہی صحیح مگر بشریٰ مسرور کے سلسلے وار ناول حوصلہ شرط وفا ٹھہرا کی تعریف ضرور کروں گی پہلی قسط سے آخری قسط تک بہترین..... بندوق خان، نام پر اعتراض بے بنیاد لگا۔ میں اردو اسپیکنگ ہوں اور سسرال پنجابی۔ اردو بولنے والوں اور پنجابیوں کے کیسے، کیسے نام لکھ دیے جاتے ہیں مگر کوئی

Scanned with CamScanner

اعتراض نہیں کرتا۔ مصنفہ کو وضاحت دینی پڑی افسوس ہوا۔ آخر میں تو بندوق خان ہیرو بن گیا۔ اس پر خوش ہو جائیں سب سے بڑھ کر رفعت سراج کا ناول، پلکوں سے اٹھاؤں اس کو۔ بہترین سے بھی بڑھ کر جس کا جادو اب تک سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ جس کے سحر میں قارئین بہنیں خاص کر میں تو اب تک گرفتار ہوں۔ (رفعت اپنی ناسازیٔ طبع کے باعث اس پر اظہار خیال نہ کر سکیں ان شاء اللہ... قاری بہنوں کے چند سوالات کی وضاحت ضرور کریں گی) پہلی قسط کے پہلے منظر جس میں سارہ اور قمری کے درمیان مکالمے تھے سے لے کر آخری منظر تک بے حد خوب صورت تحریر..... رفعت سراج کو سلسلے وار ناول لکھنے کے لیے وکٹری اسٹینڈ پر پہلے نمبر پر کھڑے ہونے پر دلی مبارک باد..... (بہت خوب) فرح بخاری کا دو اقساط پر مبنی مکمل ناول اس موڑ سے آگے، بے حد نازک اور اہم موضوع پر بے حد خوب صورت تحریر..... دل سے پسند آئی ہے۔ سباس گل کا دو اقساط پر مبنی ناولٹ مجھے آواز دے لینا، بھی دلچسپ اور خوب صورت تحریر تھی۔ اور اسما اشرف منہاس کا تحریر کردہ مبنی ناول ساحل کا ذکر کرنا نہیں بھولوں گی۔ بے حد منفرد، جداگانہ موضوع پر کیا خوب صورت لکھا ہے۔ کئی اہم عالمی اور مذہبی مسائل کا احاطہ کرتے ہوئے بہترین تحریر پر اسما اشرف منہاس کے کاندھے پر پانچ ستارے سجا دیے ہیں میں نے، جہاں منجھی ہوئی مصنفات ہر ماہ بشمول جنوری کے سالِ نو نمبر کو اپنی بہترین تحریروں سے سجا رہی ہیں وہیں نئی نو آموز مصنفات بہت اچھا لکھ رہی ہیں سب کی ترقی، قلم میں روانی اور استحکام کے لیے دلی دعائیں۔ تمام مستقل سلسلے بہترین جا رہے ہیں۔ بشمول اداریہ، میں پہلے بھی لکھ چکی ہوں کہ دینی سلسلوں پر تبصرہ نہیں کرتی کہ ایک حقیر، ادنیٰ بشر ہونے کے ناتے میری اوقات نہیں کہ دینی سلسلوں پر تبصرہ کروں..... ہاں ان تمام سلسلوں سے فیض ضرور حاصل کرتی ہوں۔ بہنوں کی محفل تو پاکیزہ فیملی کی خوب صورت محفل ہے۔ بے حد محترم سلمیٰ غزل کا تبصرہ جس ماہ شائع نہ ہو کچھ کمی سی محسوس ہوتی ہے۔ سلمیٰ آپا تو محفل کی جان ہیں۔ شگفتہ شفیق کی من موہنی سی مسکراتی ہوئی خوب صورت تصویر کے ساتھ ان کا کلام بے حد پسند آیا۔ اللہ شگفتہ شفیق، شیریں حیدر، فریدہ جاوید قمری امینہ اور تمام بہنوں کو ہمت اور حوصلے کے ساتھ مکمل شفائے کاملہ و عاجلہ عطا فرمائے اور خوشیوں بھری طویل عمر عطا فرمائے جو بہادری سے کسی بھی بیماری سے نبرد آزما ہیں۔ آمنہ حماد، پاکیزہ ڈائری بے حد محنت سے مرتب کرتی ہیں۔ نئی شاعرات کے کلام نکھرتے جا رہے ہیں۔ فرحت جہاں، کراچی نے تابعین اور تبع تابعین کے بارے میں لکھ کر بہت سی بہنوں کی معلومات میں اضافہ کیا ہے۔ نرگس نسیم، چکوال نے اب تک جتنی بار بھی اپنی اور اپنے مرحوم شوہر شفقات کی کوئی یاد واقعہ لکھا ہے، بہن نرگس نسیم بے حد سادہ دل معصوم سی لگیں۔ بہن ردی صبا کو اپنے بیٹے اسامہ کی شادی کی ڈھیروں مبارک باد اور دلی دعائیں۔ شائستہ کے سروے میں بھی ہوئی سینئر مصنفات کی شرکت بہترین اور خوش کن لگی۔" (تفصیلی تبصرے کا شکریہ)

بہن تسنیم کوثر، کراچی سے۔" ماشاء اللہ اس بار بھی پاکیزہ نے اپنی دلکشی، خوب صورتی میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ کہہ سکتے ہیں کہ روز بروز خوب سے خوب تر ہوتا جا رہا ہے۔ (اچھی بات ہے ناں) اتنے پیارے ناولز جواب نہیں خاص طور پر نگہت سیما کا حسین پیارا ناول رک دیا ہے ہاتھوں پر بے حد اچھا لگ رہا ہے۔ اس کے علاوہ انشاں آفریدی کا کون خوابوں کے پار رہتا ہے یقیناً بر دست پسندیدہ ناول میں شمار ہو جائے گا ہمیں بھی آہستہ آہستہ اچھا لگنے لگا ہے اور نزہت جبیں ضیا ان کی تو ہر تحریر ہمیں متاثر کرتی ہے بدشگون ناولٹ بھی ان کی بہترین تخلیق ہے ہمیں دل سے پسند آئی۔ اور ایک بہت ہی شاندار ناولٹ جس کا جواب نہیں سباس گل کا مجھے آواز دے لینا لگا کہانی میں شروع سے آخر تک بہت دل لگا رہا انہوں نے بالکل ٹھیک لکھا ہے آج کل تو سگے خونی رشتے پر بھی اعتبار نہیں رہا ہے لوگ پیسوں کی خاطر کچھ بھی کرنے سے باز نہیں آتے۔ اللہ سب کو ہدایت عطا فرمائے، آمین۔ انسانوں میں درد و بلاری کی نئی سوچ عمدہ لگی۔ سچی بات ہے بیوی کو ہمیشہ ہی تھوڑا بہت تو اپنے آپ کو ٹھیک ٹھاک ہی رکھنا چاہیے ورنہ تو گھر کی مرغی دال برابر ہو جاتی ہے۔ ہم تو درد و آپ کے فلسفے سے مکمل اتفاق کرتے ہیں۔ اسی طرح عشق تو لیتی ہاجرہ ریحان نے خوب لکھا اور جناب شیریں حیدر کے شاہکار دل

digestlibrary.com
Scanned with CamScanner

پسند ناولٹ۔ میں طاہرہ سے شادی نہیں کروں گا کا جواب نہیں تعریف کے لیے الفاظ نہیں..... پیاری شیریں آپ کو بہت مبارک ہو اللہ تعالیٰ آپ کو زندگی صحت کے ساتھ عطا فرمائے، آمین۔ اور کنیز زہرا کا اپنا گھر... واہ کیا نصیحت آمیز کہانی بہت، بہت اچھی لگی۔ کاش تمام لڑکیاں شائلہ جیسی میٹھی زبان والی بہویں بن جائیں تو ہر گھر جنت بن جائے آپ کا کیا خیال ہے۔ ٹھیک بات ہے ناں۔ (جی بالکل درست کہا) اس کے علاوہ بزم پاکیزہ میں اکثر گنگناتی ہوں اور خاص کر شائستہ زریں کا رقص زمانہ کے مطابق تحریریں پر سروے بہت ہی اچھا لگا بلکہ یوں سمجھیے کہ پورے کا پورا پاکیزہ خوشنما گلدستہ محسوس ہوا۔" (بہت پیارے تعریفی تبصرے کا شکریہ)

بھ تسمیم فضل خالق، پشاور سے۔" خدا کرے کہ آپ مع اہل وعیال کے خیریت سے ہوں جو چند افسانے پوسٹ میں لکھے تھے اس کا دوسرا افسانہ بھیج رہی ہوں خدا کرے کہ پسند آجائے۔ سب عملے کو سلام اور دعائیں۔" (بہت شکریہ تحریروں کے لیے پسند آتی ہے تو شائع ہوتی ہے ناں پیاری)

بھ نازنین آفریدی، پشاور سے۔" اس ماہ تو پاکیزہ کو سمجھیں زبردستی ختم کیا تاکہ بروقت تبصرہ بھیج سکوں..... رسالہ مکمل پڑھ چکی ہوں..... سال کا پہلا شمارہ بہت ہی اچھا سجا تھا بہنوں کی محفل پھیکی سی لگی۔ شاید بہنیں سردی کے مارے رضائیوں میں دبک کر بیٹھی ہیں (کچھ ایسا ہی تھا) شمع ہدایت تو ہر ماہ ہی ہمارا ایمان تازہ کر دیتا ہے۔ سروے بھی بہت اچھا تھا اور سب سے بہترین جوابات مجھے خولہ سعید جاوید صاحبہ کے لگے۔ معذرت کے ساتھ مگر گھر آنگن کے تارے کچھ خاص نہیں لگا۔ افسانوں، ناولوں کی طرف آئیں تو پہلا تبصرہ آخری افسانے پر کرنا چاہوں گی جس کو پڑھتے ہوئے بے ساختہ مجھے اپنی ایک رشتے کی بھابی کی یاد آگئی جن کے شوہر کو ایسی ہی کوئی لڑکی کال کیا کرتی تھی اپنے دکھ سکھ شیئر کرتی اور یہ آگے سے اسے نصیحت ہی کرتے کہ پنجگانہ نماز کی پابندی کیا کرو اللہ سب ٹھیک کرے گا وغیرہ..... ایک دن اوپر چھت پر جا کر ایسے ہی مفتی صاحب بنے ہوئے تھے کہ پیچھے سے بھابی آ گئی اس نے سب باتیں سن لیں کہ یہ تو لڑکی سے بات کر رہے ہیں چونکہ لو میرج تھی برداشت نہ کر سکی اور خود کو مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دی۔ یہاں تو شکر ہے رامین کی بچت ہو گئی۔ افشاں آفریدی کا ناول سمجھنے میں ابھی وقت لگے گا۔ اقساط بھی تو اتنی نہیں ہوتیں ناں کہ کہانی سمجھ سکوں اوپر سے مجھے کرداروں کی بھی بہتات لگ رہی ہے۔ (آہستہ، آہستہ سب کردار اور سچویشنز کھلتی جائیں گی) شیریں حیدر کے ناول کا نام پڑھا میں طاہرہ سے شادی نہیں کروں گا تو سوچا پتا نہیں طاہرہ نے ایسا کیا کر دیا ہوگا کہ اس سے شادی سے ہی انکار ہو گیا۔ اچھی کہانی تھی مگر حقیقی زندگی میں ایسا اینڈ نہیں ہو سکتا تھا۔ اک دیا ہے ہاتھوں پر کی اس بار کی قسط سے لگا جیسے گڑیا کا خورشید حیدر سے... کوئی رشتہ ہے چلیں اچھا ہے گڑیا کا بھی کوئی پوچھنے والا انکل آئے گا۔ ورنہ ممانی تو پوری عالم جادوگرنی بنی ہوئی ہے۔ اس ماہ کی مجھے بہت بہترین تحریریں بدشگونی اور آس کو مات نہیں لگیں۔ نزہت ضیا جبیں صاحبہ تو پھر بھی منجھی ہوئی مصنفہ ہیں لیکن خدیجہ میر مجھے نئی لگیں۔ مگر انداز اور اسلوب بہت زبردست ہے ان کو آگے بھی تحریریں دیتے رہنا چاہیے۔ اگر یہ ان کی پہلی تحریر بھی پھر تو سمجھیں وہ چھا گئیں ٹھاکر کے۔ (ان کی تحریر کافی عرصے بعد آئی ہے تھوڑی پرانی رائٹرز ہیں۔) نئی سوچ جیسی تحریروں کے موضوعات پر پہلے بھی لکھا جا چکا ہے یعنی خود پر توجہ دینا، عشق تو فیق مجھے کچھ خاص نہیں لگی جبکہ شفا سعید اور ماریہ غزال کی تحریریں بس ٹھیک ہی تھیں۔ کنیز زہرا کی تحریر کا سبق بھی اچھا تھا یعنی بلاوجہ سسرال والوں سے دشمنی پال لینا اچھی بات نہیں۔ میری طرف سے سب بہنوں اور پاکیزہ ٹیم کو بھی ماہ رمضان کی پیشگی مبارک باد..... پچھلے ماہ زیبا حسن صاحبہ کے ٹریفک حادثے کا پڑھا۔ آپ کو سچ بتا رہی ہوں پڑھ کر دلی دکھ ہوا۔ پاک پروردگار ان کو صحت دے اور آگے بھی ان کو اپنے حفظ وامان میں رکھے۔ (آمین) کہنے کو پاکستان غریب ملک ہے لیکن بازاروں میں ٹریفک دیکھ کر لگتا ہے جیسے ملک کے ہر بندے کے پاس گاڑی ہے۔ اسی حساب سے رش بھی اسی حساب سے حادثے بھی۔ جن بہنوں کو خوشیاں ملیں ان کو مبارک ہو جن کو تکالیف پہنچی اللہ اپنے فضل سے ان کی تکالیف دور

Scanned with CamScanner

کرے۔ رمضان میں سب بہنیں مجھے بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ خصوصاً اختر شجاعت صاحبہ اور ڈاکٹر ذکیہ بلگرامی صاحبہ سے بھی یہی گزارش کرنا چاہوں گی اگر ڈاکٹر صاحبہ پاکیزہ پڑھتی ہیں تو۔" (ذکیہ آپا پاکیزہ پڑھتی ہیں اور سب بہنوں کو دعاؤں میں یاد رکھتی ہیں تبصرے کا شکریہ رمضان المبارک کے بابرکت ماہ میں سب بہنیں ضرور ایک دوسرے کو دعاؤں میں یاد رکھیں گی۔ ان شاء اللہ)

digest library.com

بعد ظل شاہین، رحیم یار خان سے۔ "دسمبر کا محبت نمبر ملا سرورق اچھا ہے۔ اداریہ حسب حال بہترین ہے۔ دین کی باتیں القرآن اور احادیث پہلے پڑھتی ہوں، دل کو سکون ملتا ہے۔ پھر بہنوں کی محفل کی طرف آتی ہوں..... سب سے پہلے تو میں انجم انصار باجی کو بہت، بہت مبارک دینا چاہتی ہوں۔ گزشتہ ماہ کے پاکیزہ میں پڑھا تھا کہ ماشاء اللہ عالمی ادبی کانفرنس میں ہماری انجم باجی کو ایوارڈ سے نوازا گیا اور دیگر ادبی تنظیموں نے ایوارڈ سے باجی کی ادبی خدمات پر۔ واقعی انجم باجی کی ادب کی دنیا میں بہت خدمات ہیں ان کی لازوال تحریریں ہیں طنز و مزاح، جلترنگ میں وہ ادب کی دنیا میں ایک منفرد اور اعلیٰ مقام رکھتی ہیں۔ ماشاء اللہ (جی بالکل) اس بار بہنوں کی محفل میں محترمہ فہمیدہ جاوید نے بہت سی دوسری بہنوں کے ساتھ، ساتھ مجھے بھی یاد کیا بہت شکریہ فہمیدہ جی آپ کا لیجیے ہم حاضر ہیں۔ میں آپ کی نگارشات اور تبصرہ پڑھتی رہتی ہوں۔ آپ اچھا لکھتی ہیں ماشاء اللہ..... اس مرتبہ شائستہ زریں کا سرورے محبت کی کیمیا گری بہت اچھا لگا۔ شائستہ جی آپ کی تمہیدی گفتگو خوب صورت جملے رائٹرز کے جوابات سے زیادہ خوب صورت دل کو چھو جانے والے لگے۔ دردانہ نوشین کے جوابات اچھے تھے یہ رباب اور شاہ میر کے بارے میں تفصیلاً تو بتائیں۔ پاکیزہ ڈائری میں حمد و نعت دل کو بہت بھلے لگے۔ محترمہ عارفہ زہرا فخر پاکستان تھیں ایک عظیم خاتون علم و ادب کا خزانہ..... محترمہ حمیرا طارق پاکیزہ کی دیرینہ ساتھی لکھاری..... اللہ پاک دونوں خواتین کو جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آمین۔ نگہت سیما جی کی تحریر کچھ آگے بڑھی ہے زیادہ نہیں دلچسپی برقرار ہے لگتا ہے گڑیا ہی امینہ ہے۔ افسانوں میں فیصلہ اچھی تحریر ہے ہلکی پھلکی اصلاحی۔ برانڈڈ محبت، فضول، ناراض سمندر..... پڑھ کر دکھی ہوئے۔ اتنے قریبی رشتے اتنے لالچی، ہوس پرست، سچے رشتوں، سچی محبتوں اور خلوص کی آج کل کوئی وقعت نہیں بس لوگ دولت کو اہمیت دیتے ہیں۔ زندگی تماشا نہ تھی، اک بے تکی حقیقت سے دور تحریر اس قدر تعلیم یافتہ شخص اس میں قوت فیصلہ نہیں اچھے اور برے، صحیح اور غلط کی تمیز نہیں تعلیم تو انسان کو باشعور بنانے کے ساتھ، ساتھ اس کے کردار کو مضبوط کرتی ہے۔ قوت فیصلہ کو تقویت دیتی ہے، شکیلہ والا معاملہ تو چلو کچھ سمجھ میں آتا ہے مگر سعدیہ والے تعلق کو تو منطقی انجام تک پہنچایا جا سکتا تھا۔ اور ساری زندگی بیوی طلاق مانگتی رہی مگر یہ عظیم شوہر ایسا قدم نہ اٹھا سکے۔ ویسے اولاد کو مدنظر رکھتے ہوئے تو ہاشم صاحب نے فیصلہ ٹھیک ہی کیا۔ شمع ہدایت میں شیخ عبدالقادر جیلانی کے بارے میں پڑھا بہترین تحریر ہے۔ اختر شجاعت کی بہت عرق ریزی سے ہر ماہ مضمون تیار کرتی ہیں۔ (صحیح بات ہے اختر بہت مستند ترین کتابوں سے مضمون کا انتخاب کرتی ہیں) روحانی مشورے بھی ہمیشہ کی طرح اچھے ہیں۔ محترمہ عذرا آپا کا کیا حال ہے میری طرف سے ان کو بہت، بہت سلام دیجیے گا۔ (جی ان کی طرف سے وعلیکم السلام اور مزاج پرسی.....) نزہت آپی میرے ماموں جان خالد مجید کی کتاب "ماہ کے پر" کے بارے میں آپ نے بہنوں کی محفل میں (تین ماہ قبل) بہت خوب صورت انداز میں کتاب پر تبصرہ کیا تھا اس کو پزیرائی دی بہترین کیپشن لکھا آپ کا بہت شکریہ۔ (یہ تو پاکیزہ کا طرۂ امتیاز ہے کہ ادب دوست حضرات کی پزیرائی کرتا ہے) ویسے میں نے آپ کو فون کیا تھا آپ کا شکریہ ادا کیا بہت دیر میری آپ سے بات ہوئی تھی۔ آپی میرے ہاتھ میں تکلیف ہے خط مشکل سے لکھ رہی ہوں۔ رائٹنگ صحیح نہیں آ رہی بازو اور کندھے میں تکلیف ہے۔ اللہ پاک خیر کریں گے ان شاء اللہ....." (بہت شکریہ ظل شاہین۔ آپ نے فون پر بھی تفصیلی گفتگو کی تھی ہاتھ میں تکلیف کے باوجود خط لکھا اس کے لیے نوازش اور بہت دعائیں۔)

بعد فہمیدہ جاوید، ملتان سے۔ "سخت سردیوں میں ملتان سے سب بہنوں کو میرا پیار بھرا اسلام۔ اس وقت ملتان

Scanned with CamScanner

میں واقعی بہت سردی ہے۔ ایک وقت تھا جب مجھے سردیاں بہت اچھی لگتی تھیں اور گرمیاں بالکل نہیں بھاتیں مگر اب عمر کے ساتھ ساتھ مزاج بھی بدل گیا ہے۔ اب سردی برداشت نہیں ہوتی اور گرمی اچھی لگنے لگی ہے۔ سردیوں میں تو بس دھوپ ہی سہارا بن جاتی ہے۔ میں اب کوشش یہی کرتی ہوں کہ زیادہ سے زیادہ دھوپ میں رہوں۔ چاہے سلائی کرنی ہو، سبزی کاٹنی ہو یا کوئی بھی گھریلو کام سب صحن یا چھت پر دھوپ میں بیٹھ کر کرتی ہوں۔ دھوپ میں بیٹھ کر مالٹے کھاتے ہوئے ڈائجسٹ پڑھنے کا جو مزہ ہے، وہ بیان سے باہر ہے۔ اب اگر رنگ جتنا مرضی کالا ہو بھی جائے تو مجھے کوئی فکر نہیں، سردیوں میں دھوپ سے لطف لینا ضروری سمجھتی ہوں۔ خاص طور پر اس وقت جب سب گھر والے اسکول، یونیورسٹی یا کام پر چلے جاتے ہیں اور گھر میں سکون اور خاموشی ہوتی ہے، تب ڈائجسٹ پڑھنے کا مزہ دوبالا ہو جاتا ہے۔ نزہت، اب آگے آنے والے نمبروں پر فروری کا رمضان نمبر، مارچ کا عید نمبر، موسمِ بہار نمبر اور اپریل کا خاص سالگرہ نمبر بس اتنی گزارش ہے کہ سالگرہ نمبر کو عید نمبر میں نہ ملا دینا۔ سالگرہ نمبر کی اپنی الگ پہچان ہونی چاہیے۔ پچھلے سال کی طرح اس بار بھی کچھ نیا اور منفرد ہونا چاہیے، تاکہ دیکھتے ہی محسوس ہو کہ یہ خاص شمارہ ہے۔ اگر سالگرہ نمبر کے لیے تصویر، کوئی سلسلہ یا کوئی خاص چیز چاہیے ہو تو پہلے ہی بتا دینا۔ میری ایک سادہ سی رائے ہے کہ سالگرہ نمبر میں جس رائٹر کی کہانی ہو، اس کہانی کے شروع میں اس سے چند سوالات، ایک تصویر اور پھر کہانی دی جائے یا پھر پاکیزہ کی سالگرہ پر رائٹرز کی رائے شامل کی جائے۔ مگر ہر کہانی سے پہلے۔ کوئی نیا سلسلہ بھی شروع کیا جا سکتا ہے مگر خدا کے لیے پھر سے انٹرویو کا سلسلہ مت شروع کرنا۔ اندازِ نو، گھر آنگن کے تارے اور شاعری میری پہچان یہ سب سلسلے ایک جیسے ہی لگتے ہیں۔ ذرا سوچو، کوئی ایسا سلسلہ شروع کرو جس میں قارئین بھی شامل ہوں۔ کیوں نہ سالگرہ نمبر سے ایک ماہ پہلے سوالات دے دیے جائیں اور قارئین اپنے جواب بھیجیں؟ شائستہ کو بھی چاہیے کہ سالگرہ نمبر میں زیادہ سوالات رکھے۔ شروع کے صفحات پر اپنی طویل باتیں اور قارئین کی تصویریں لگانے کے بجائے سوالنامہ دیا جائے، کیونکہ ویسے ہی ڈائجسٹ کے صفحات کم ہوتے ہیں۔ کبھی تو اپنے طریقے سے ہٹ کر بھی کچھ کیا جائے اور سوال زیادہ ہوں۔ بہار اور اپریل کے نمبروں کو تھوڑا سجا سنوار کر نکالنا، تب ہی شمارہ مکمل اور خوب صورت لگتا ہے۔ نرگس نسیم نے اس بار ماضی کی یادیں بہت اچھے انداز میں بیان کیں۔ پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ سچ بات ہے کہ اچھی یادیں انسان کے پاس سب سے قیمتی خزانہ ہوتی ہیں۔ پاکیزہ میں ہر علاقے سے قارئین شریک ہوتی ہیں یہ بہت اچھا لگتا ہے وہیں جو بہنیں پہاڑی علاقوں سے ہیں ان کو چاہیے کہ خاص طور پر اپنے علاقوں کا تفصیلی تعارف کرائیں مزید کہ جانہیں سکتے مگر ایسے پڑھ کر اچھا لگتا ہے۔ اس بار غزل شاہین کی تحریریں پاکیزہ میں بہت اچھی لگیں۔ کافی دنوں بعد ان کی شرکت خوشی کا باعث بنی۔ اسی طرح ثمینہ کوکب، رافیہ ابدالی، امینہ عندلیب، گلشاد نزیر، راشدہ رفعت مطیع، سنبل ملک اعوان، شہلا نواز اور عصمت آپا بھی کافی عرصے سے نظر نہیں آ رہیں۔ سب سے گزارش ہے کہ واپس آئیں محفل میں۔ میں ہر ماہ باری، باری سب کو آواز دیتی ہوں، ایک ساتھ سب کے نام لینا آسان نہیں ہوتا۔ محفل میں روحی کو چمبیلی کے پھولوں کا گل دستہ نہ دے پانے پر معذرت۔ اب عمر بھی پچاس کے قریب ہو گئی ہے، سب یاد نہیں رہتا۔ لیکن یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ انہوں نے آج کے دکھاوے کے دور میں بھی اسلامی طریقے سے اپنے بیٹے کی شادی کی۔ یہ واقعی ایک اچھی مثال ہے۔ ایسی باتوں پر لوگوں کو شاباش دینی چاہیے، لوگوں کی باتوں کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ مہندی، ناچ گانا، ڈھول باجے اور پیسے لٹا کر تماشے کرنا نہ کوئی اچھا کام ہے اور نہ ہی سمجھداری۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جن شادیوں کا آغاز ہی غلط طریقے سے ہو، ان کے بعد مسائل بھی آتے ہیں۔ شائستہ کا سال نو سروے بہت اچھا تھا۔ سوالات وقت کے مطابق تھے اور زیادہ تر رائٹرز نے اچھے اور تسلی بخش جواب دیے۔ ہاں، نگہت سیما اور ناہید سلطانہ کی کمی ضرور محسوس ہوئی۔ نزہت، سپاس گل کا بھی انٹرویو کر لینا چاہیے۔ اتنے عرصے سے اچھا لکھ رہی ہیں، ان کا حق بنتا ہے۔ ویسے اب تم انٹرویوز کم ہی کرنے لگی ہو۔ گھر آنگن کے تارے کا انٹرویو اس بار بھی پسند نہیں آیا۔ ان اداکاروں کو لوگ ٹی وی پر دیکھ، دیکھ کر تھک چکے ہیں۔ پرانے زمانے کے اداکار زیادہ باوقار اور

Scanned with CamScanner

digest library.com

لکھنے والے ہو گئے تھے، اب تو زیادہ تر بے شری عام ہو گئی ہے۔ ان کے بارے میں پڑھنے کا بھی دل نہیں کرتا۔ میں تو ویسے بھی آج کل کے ڈرامے نہیں دیکھتی سب ایک جیسے، بھاگنے والے، سازشیں اور منفی اثرات۔ پرانے صاف ستھرے ڈرامے ہی اچھے لگتے تھے۔ شائستہ کا سال نو سروے پورے ڈائجسٹ میں سب سے نمایاں لگا۔ واقعی سال نو کی نمائندگی اسی میں نظر آئی۔ موضوع بھی اہم تھا اور تمام رائٹرز کے جواب اچھے تھے۔ فہرست میں اسکیچ کی دوشیزہ کا سال نو کارڈ بھی بہت اچھا لگا۔ کھڑکی کے باہر میکے کا منظر دیکھ کر پرانے زمانے کے کارڈ یاد آ گئے اور وہ وقت جب ہم سنتے تھے کہ چاند پر ایک بڑھی اماں چرخہ کاتتی ہیں کتنا اچھا دور تھا۔ افشاں آفریدی کے ناول کا نام بہت پیارا ہے۔ کہانی میں صوب کا کردار مجھے بہت اچھا لگا۔ اس قسط میں رافع کی نشوی سے ملاقات کا احوال بھی اچھے انداز میں بیان ہوا۔ کہانی آہستہ آہستہ کھل رہی ہے اور ماضی کی جھلکیاں سامنے آ رہی ہیں۔ صوب کا کردار بہت اچھا رائٹر نے لکھا ہے۔ نگہت سیما کی کہانی میں عطیہ اور خورشید کی کہانی اور انشال کا کردار مجھے بہت پسند آیا۔ ایسا لگتا ہے کہ انشال کی والدہ کو کوئی بڑی بیماری ہونے والی ہے۔ انشال کو ازمیر کو قبول کر لینا چاہیے، یہی اس کے لیے بہتر ہے، مگر لگتا ہے کہ اس کے خواب ٹوٹنے والے ہیں وہیں کہانی میں جذبات کو عرق ریزی سے بتایا گیا ہے۔ سباس گل کی کہانی کا آخری حصہ اچھا تھا۔ سگے بھائی کی خود غرضی دیکھ کر حیرت ہوئی مگر لالچ واقعی انسان کو اندھا کر دیتا ہے۔ شیریں حیدر کا نام پڑھتے ہی مٹھاس یاد آ جاتی ہے گرم شیرے میں ڈوبی جلیبیاں کیونکہ مجھے مٹھا بہت پسند ہے۔ کہانی کا عنوان خاص پسند نہیں آیا مگر کہانی دلچسپ تھی۔ آخر میں ہیروئن کے لیے اچھا فیصلہ کیا گیا۔ یہ بھی کہنا ہے کہ اس وقت صرف دو قسط وار ناول ہیں۔ کوئی اچھا سا طویل مدتی ناول بھی شروع ہونا چاہیے جو ذرا منفرد سا ہو۔ نزہت جبین ضیا کی کہانی بدشگون پرانے زمانے کی وہمی ماؤں کے لیے اچھا سبق تھی، جو وہم میں آ کر نقصان اٹھا لیتی ہیں۔ وردہ بخاری کا افسانہ واقعی نئی سوچ والا تھا۔ ہر کام میں توازن ضروری ہوتا ہے، ورنہ معاملات خراب ہو جاتے ہیں۔ ماریہ غزال کے افسانے میں منال کا کردار بہت مثبت تھا۔ اگر وہ بھی اپنی بہن جیسی ہوتی تو گھر کیسے چلتا؟ ہاجرہ ریحان کا افسانہ زیادہ پسند نہیں آیا، معذرت۔ لفظوں کا سفر ایک رائٹر کی زندگی کا احوال تھا اور منفرد لگا۔ طاہرہ سہیل نے شادی شدہ جوڑوں کے لیے بہت اچھا پیغام دیا۔ اگر اس پر عمل ہو جائے تو زندگی واقعی آسان ہو سکتی ہے۔ مادر اسلمان، خدیجہ میر اور کنیز زہرا کے افسانے بھی اچھے اور اصلاحی تھے وہیں سب سے بڑھ کر یہ بات کہ پڑھ کر ایک نئی سوچ جنم لیتی ہے۔ ان شاء اللہ بہار نمبر میں پھر ملاقات ہو گی۔" (تفصیلی تبصرے کا شکریہ)

اچھا بہنو اب وقت کی اور صفحات کی قلت آڑے آ گئی ویسے مہینہ بھی 28 دنوں کا آ گیا بس جلدی، جلدی پڑھ کر تبصرے بھیج دیں۔ سال کا دوسرا مہینہ چڑھ گیا۔ آپ کے عزائم کہاں تک پہنچے کن کاموں کا آغاز ہوا، کن کو تکمیل تک پہنچایا۔ اللہ پاک سب کے لیے آسانیاں کریں آمین.....!

موسم تو نہایت خوشگوار ہو رہا ہے اللہ کریم سب کے گھروں اور دل و دماغ کو بھی خوشگوار و روشن و تابندہ رکھے۔ ماہِ رمضان کی آمد اور ماہِ شعبان کی برکتوں سے خوب فیض اٹھائیں اور سب کو دعاؤں میں یاد رکھیں۔ ان شاء اللہ اگلے ماہ ملاقات کریں گے سلامت رہیں۔

والسلام

خیر اندیش، نزہت اصغر

پاکیزہ میں خط لکھنے کا پتا

مدیرہ ماہنامہ پاکیزہ۔ 63.c فیز III ایکسٹینشن، ڈیفنس۔ مین کورنگی روڈ۔ کراچی۔ پوسٹ کوڈ 75500

فون نمبر 021-35804200 , 021-35386783, 021-35802552 EXT 110

Scanned with CamScanner

پاکیزہ ڈائری

آمنہ حماد

حمد باری تعالیٰ

سامنے جب خدا نہیں آتا
بندگی میں مزہ نہیں آتا
نحن اقرب کی بات ہے ساری
درمیاں فاصلہ نہیں آتا
ہو بصیرت بھی اور بصارت بھی
پھر کوئی مرحلہ نہیں آتا
وہ تو مشہود بھی ہے شاہد بھی
خود تجھے دیکھنا نہیں آتا
مہر عین الیقین پیدا کر
پھر نہ کہنا مزہ نہیں آتا

کلام: مہر وجدانی
از: عشنہ جنید، کراچی

نعت رسول ﷺ

ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تم ہی تو ہو
ہر دردِ لا دوا کے مسیحا تم ہی تو ہو
مقصودِ کائنات ہو، محبوبِ کبریا
قرآن جس پہ رب نے اتارا تم ہی تو ہو
کیسے اثر بدوش نہ ہوگی مری دعا
میری ہر اِک دعا میں وسیلہ تم ہی تو ہو
اُمّی لقب ضرور ہے لیکن خدا گواہ
پھوٹے ہیں جس سے علم کے دریا تم ہی تو ہو
مہکی ہوئی فضا ہے تو پھیلا ہوا ہے نور
تاریک راستوں کا اجالا تم ہی تو ہو
مشکل گھڑی میں جب بھی پکارا ہے ارتضیٰ
جس نے سنا ہے مجھ کو سہارا تم ہی تو ہو

کلام: ارتضیٰ جونپوری پسند: شاہدہ عفت، پنجاب

ثواب و برکات

نماز کے لیے مسجد کی طرف اٹھنے والے قدم بڑے ہی قابلِ قدر اور محترم ہوتے ہیں، جب نمازی مسجد کی طرف روانہ ہوتا ہے تو رب کریم اس کے ہر قدم پر ایک گناہ معاف اور ایک درجہ بلند کر دیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ..... روایت کرتے ہیں کہ جو نمازی صبح شام مسجد میں حاضری دیتا ہے، وہ گویا جنت میں ضیافت کھانے کے لیے آتا ہے۔ جتنی بار وہ مسجد میں آتا ہے ہر آنے کے بدلے اللہ تعالیٰ جنت میں اس کی ضیافت فرمائیں گے۔

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ مسجد نبوی کے قریب زمین کے کچھ پلاٹ خالی ہو گئے۔ بنی سلمہ مدینہ منورہ کے نواحی علاقوں میں رہتے تھے، جو مسجد نبوی سے کافی فاصلے پر تھے، اس لیے انہوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور مسجد کے قریب جگہ خریدنے کا ارادہ کر لیا تاکہ وہ آسانی سے مسجد میں آ جا سکیں۔ جب نبی اکرم کو ان کے اس ارادے کا علم ہوا تو فرمایا۔ ''اے بنو سلمہ! اپنے علاقوں میں مقیم رہو، جتنے قدم چل کر آؤ گے اتنی نیکیاں لکھی جائیں گی۔'' اس لیے پیدل آنے کی اس مشقت کو بے فائدہ اور بے قیمت نہ سمجھو بلکہ یہ کارآمد اور قیمتی قدم ہیں جو گناہ مٹاتے اور درجات بلند کرتے ہیں۔

از: ماہ نور خان، بہاولپور

انکار

اندھیرا لاکھ ہو، مجھ کو سحر کی آس رہتی ہے
یہی وہ روشنی ہے جو مجھے ڈرنے نہیں دیتی
مجھے معلوم ہے وعدہ نبھانا سخت مشکل ہے
میری کم ہمتی انکار بھی کرنے نہیں دیتی

از: عنایہ ذیشان..... کمالیہ

احسن تقویم اور کردار

لفظ احسن کسی وجود کی تخیل کی ہر زاویے سے

Scanned with CamScanner

تعریف کے لیے آخری ہے، اس لیے کہ اسی لفظ کو رب نے انسان کی تخلیق فرماتے ہوئے اسے استعمال فرمایا۔ گویا رب کی اس کائنات میں سب سے بہترین سانچہ انسان کا ہے۔ یہ حکمت ہے ہمارے رب کی کہ اپنے کلام میں جو ہر، ہر مبارک لفظ کے اعتبار سے وسیع ہے۔ فرمایا نماز قائم کرو۔ پڑھنا نہیں، قائم کرنا ہے اور قائم کرنے کے لیے جتنے اصول، قانون، آداب، علم ہیں ان سب کا لحاظ رکھنا ہوگا۔

احسن تقویم کا خطاب پانے والے انسان کی موجودہ حالت پر غور فرمائیں کہ وہ اپنے منصب سے کتنا وفادار ہے۔ آج کون سی ایسی راہ پاتی ہے کہ جس پر حضرت انسان شر، فساد، جھوٹ، حق تلفی، قتل ناحق جیسے کام نہ کر رہا ہو۔۔۔ شراب، جوا، رشوت ہمارے دین میں حرام ہیں، مگر یہ شغل جاری ہے۔ مگر واہ رے تیری پارسائی کہ سور، کتے، بلی کا گوشت سامنے آجائے تو حرام ہے، آج دنیا میں کسی کو کوئی خطاب، اعزاز اگر دیا جاتا ہے تو کس بنیاد پر؟ ایمان داری، خدمت، شفاف کارکردگی پر..... ہمیں اگر احسن کا خطاب ملا ہے تو کوئی وجہ، رب کی منشا حکمت ضرور ہوگی۔ ہم لوگ (مسلمان) تو ایک ایسا شفاف، حق اور منفرد عقیدہ رکھتے ہیں جسے اسلام نے ہمیں دیا کہ ہماری تمام تر ذمے داریاں، مصروفیات اپنے مالک حقیقی کی رضا پر ہوں، ہماری نگرانی، ہر لمحے کی رپورٹ بلکہ جسم کے اندر دل اور ذہن کی سوچ، منصوبے سب کچھ رب کے سامنے ہے۔

از: انجم نگار، فیصل آباد

منشور

کیا لکھیا پروگرام ہیں، ان لیڈروں کے پاس
ہوتا ہے زور شہر میں جن کا مظاہرہ
اور شاعروں کو فکر ہے، اب ووٹ کس کو دیں
منشور میں کسی کے نہیں ہے مشاعرہ

کلام: سرفراز شاہد

رکن اسمبلی کی فریاد

اسپیکر کو خدا کے واسطے کا بیر ہے، مجھ سے
نہ جانے بن گیا ہے خون کا پیاسا وہ کیوں میرا
ابھی میں بولنے کی ابتدا بھی کر نہیں پایا
مجھے پہلے ہی کہہ دیتا ہے ٹائم ختم ہے تیرا

کلام: نیاز سواتی

پسند: سعیدہ بانو، کوہ مری

عدل و انصاف

ہمیں شاید یہ غلط پڑھایا گیا کہ انصاف ہونا چاہیے۔ اسلام ہمیں صرف انصاف کا نہیں عدل کا حکم دیتا ہے۔ میری رائے کے مطابق انصاف دراصل ایک مہذب شکل میں ظلم ہے۔ یا یوں کہیے کہ یہ ظلم کی مہذب شکل ہے جو صدیوں سے ہمیں نظام عدل کے نام پر پڑھائی سکھائی اور ناقذ کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر

۱۔ تین لوگ ہیں، ایک طاقتور ایک درمیانہ اور ایک کمزور..... آپ تینوں کو 10,10 اینٹیں اٹھانے کو کہیں یہ انصاف ہوگا کیونکہ برابر کر دیا گیا ہے لیکن طاقتور کو 15 درمیانے کو 10، اور کمزور کو 5 اینٹیں دی جائیں تو یہ عدل ہے۔ ہر ایک کو اس کی طاقت کے مطابق ذمے داری ملے۔

۲۔ تین طلبہ ہیں، ایک اندھا ایک ذہین اور ایک جسمانی معذور اگر آپ تینوں کو ایک جیسے سوالات والا پرچہ دیں تو یہ انصاف ہے لیکن دراصل یہ ظلم ہے کیونکہ سب کی صلاحیتیں برابر نہیں۔ عدل یہ ہے کہ ہر طالب علم کا پرچہ اس کی استعداد کے مطابق ہو۔

۳۔ تین افراد آپ کے پاس آتے ہیں، ایک بچہ، ایک بیمار اور ایک صحت مند بالغ۔ آپ کے پاس تین روٹیاں۔ تین دودھ کے پیک اور تین جوس ہیں۔ اگر آپ تینوں کو ایک، ایک چیز دیں تو انصاف تو ہو جائے گا مگر نتیجہ ظلم ہوگا۔ عدل یہ ہے کہ بچہ دودھ لے، مریض جوس لے اور صحت مند روٹی لے۔

۴۔ پاکستان میں ایک رکشے والے کو 2000 روپے کا جرمانہ کیا جائے اور ایک مرسیڈیز والے کو بھی اتنا ہی تو یہ انصاف تو ہے لیکن درحقیقت یہ بھی ظلم ہے۔ رکشے والا راشن کاٹ کر جرمانہ بھرے گا اور مرسیڈیز والا

digest library.com

Scanned with CamScanner

جیب سے نوٹ نکال کر — یہ کہاں کا انصاف ہے۔ یہاں عدل ہوتا تو جرمانہ آمدنی کے حساب سے ہوتا۔

۵۔ فن لینڈ میں واقعی ایسا ہوتا ہے۔ جرمانے آمدنی کے حساب سے دیے جاتے ہیں۔ ایک امیر آدمی اگر تیز رفتاری کرلے تو لاکھوں روپے جرمانہ ہوتا ہے اور ایک مزدور وہی قانون توڑے تو چند سو روپے جرمانہ۔

یہی عدل ہے سب پر قانون ایک ہو مگر جزا و سزا ان کی حیثیت کے مطابق ہو۔ ہم سب کو ایک جیسا پرچہ دیتے ہیں۔ ایک جیسا قانون ایک جیسا جرمانہ اور پھر حیران ہوتے ہیں کہ یہ معاشرہ ظالم کیوں بن گیا۔ یاد رکھیے برابری ضروری نہیں ضرورت کے مطابق دینا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ان اللہ یامر بالعدل والاحسان۔ بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔ (سورۂ نحل آیت ۹۰)

از: نازنین آفریدی، پشاور

صبح نئی، شام نئی

آسماں بدلا ہے نہ بدلی ہے ابھی تک یہ زمین
ہند سے ہی کا بدلنا، کوئی جدت تو نہیں
اگلے برسوں کی طرح ہوں گے قرینے تیرے
کسے معلوم نہیں بارہ مہینے تیرے
تیرا ان دہر میں کچھ کھوئے گا کچھ پائے گا
اپنی میعاد بسر کر کے چلا جائے گا
تو نیا ہے تو دکھا، صبح نئی، شام نئی
ورنہ ان آنکھوں نے دیکھے ہیں نئے سال کئی

انتخاب: ماہ زیب، چونیاں

اڑان کا مقابلہ

مصر کے ایک بادشاہ کو کبوتر بازی کا بہت شوق تھا۔ ہر سال اڑان کا مقابلہ ہوتا تھا۔ مگر خوف کے مارے کوئی شخص مقابلے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔ ایک سال ایک ماہر کبوتر باز نے والیِ مصر سے مقابلہ کرنے کی ٹھانی..... بادشاہ کو یہ بات ناگوار گزری مگر اصولی طور پر اسے مقابلے کے لیے آمادہ ہونا پڑا۔

مقابلے کی شرط یہ تھی کہ جس کا کبوتر مے شدہ مقام پر پہلے پہنچے گا وہی بازی جیت جائے گا۔

والیِ مصر نے مقابلے کی گرمی کے لیے اپنے وزیر کو بھیجا اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ وہ وقتاً فوقتاً سے آگاہ کرے۔

مقابلہ شروع ہوا مصر کے گم نام باشندے کا کبوتر بہت زیادہ تیز رفتار تھا۔ اس لیے وہ بادشاہ کے کبوتر سے پہلے منزلِ مقصود تک پہنچ گیا۔ وزیر بہت پریشان ہوا۔ اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ وہ بادشاہ کو شکست کی خبر دے۔ اتفاق سے وہاں ایک ذہین شخص بھی موجود تھا۔ اس نے وزیر سے کہا کہ بادشاہ کو نتیجے سے آگاہ کرنے کے لیے یہ عبارت لکھ کر بھیج دی جائے۔

"آپ وہ بادشاہ ہیں جس کی خوش قسمتی ہر شخص کی تقدیر پر غالب رہتی ہے۔ اس مقابلے میں آپ ہی کا پرندہ فاتح قرار پایا اور وہ اس طرح اپنی منزل تک پہنچا کہ اس کے آگے ایک خدمت گزار کبوتر نقیب شاہی کے مانند آواز دیتا ہوا چل رہا تھا۔"

از: ساجدہ قنبر — کوئٹہ

رائگاں

زندگی کی شاہراہ پر
اک ہجوم بیکراں
نت نئی ہیں صورتیں
نت نئے منظر یہاں
بے سبب اداسیاں
بے سبب سی رنجشیں
بے سبب عداوتیں
جانے کب تک آنکھوں کو
دیکھنا ہے یہ سماں
منتظر ہے اب نظر
بے نشاں محبتیں
بے اماں رفاقتیں
ہو بھی جائیں جاوداں
بے دریغ ریاضتیں

Scanned with CamScanner

نہ ہوں اب تو رائگاں

شاعرہ: ظل شاہین، رحیم یار خان

نئے سال 2026ء کی مبارک باد کیسے دوں؟

جو بے بصیرت ہیں، نئے سال کی مبارک ہو
مستقبل قوم کا اگرچہ تمام غارت ہو
جاؤ جشن کرو، کہکشاں کے رنگ اڑیں
آتش بازیاں، فضاؤں میں دھنک رنگ بھریں
نہ فکرِ حال، نہ فردا کا غم قریب کرو
جام پہ جام پیو، حرکتیں عجیب کرو
اپنی کثرتِ دولت کو وقف ذات کرو
دکھے سماج کی کم بھول کر نہ بات کرو
گاڑیاں، بنگلے، عزت دو توقیر، تعلیم
دھن حرام کا بھی ہے تو سمجھو مالِ غنیم
راحت، عیش، تعیش، سہولیات اور زر
خدا کا دل کے اندر نہ ہو ذرا بھی ڈر
یہ تلاوت جو کرتے ہیں دنیا نوسی ہیں
پاپ میوزک کریں، دوست وہ خصوصی ہیں
انہی لاعلم لوگوں سے زوالِ امت ہے
یہ بے بصیرت ہیں، امت پہ چھائی آفت ہے
نیا سال کیا مبارک؟ او، ملتِ مقروض
جس پر سائنس سے نفرت ہمیں سکھائیں، دروس
کہ جس کو درس ملے، دنیا فقط کفار کی ہے
وہ ملت اب کسی قطار نہ شمار کی ہے
جدید سائنس سے حیلہ گروں کو نفرت ہے
جبھی بے روزگار مرد و زن کی کثرت ہے
خودکشی ہے ہماری امت میں بوجہ بھوک
درس، حیلہ گروں سے پیدا ہوا ابنوہ مخلوق
بیماری، افلاس، سڑک ٹوٹی، کچرے گھر
خطاب، ملاں سے جہالت کمائی جھولیاں بھر
حیلہ گر یہی ابلیس کے سپاہی ہیں
یہی ذلت ہماری، پستی اور تباہی ہیں
انہوں نے سائنس اور فن و ہنر مردود کیا
تمام دین کو اوراد تک محدود کیا
شعبہ مر گیا ہر ایک زندگانی کا
تجارت اور سیاست کا، باغبانی کا
شعور ہو گیا کافور، کیا حلال حرام؟
حرام سے ہے، تجوریوں کا بھرنا عام
جہاں دھرتی تلے زر یلت کے ذخائر ہوں
معدن قیمتی، ہیرے، نگیں، جواہر ہوں
وہ قوم تھام کے کاسۂ گداگری کو چلے
کبھی نہ قرض کا عفریت اس کے سر سے ٹلے
جس کی نسلیں ہوں قرضے کے بھاری بوجھ تلے
جس کا چوس کر لہو، سام، خون آشام پلے
مجھے بتلاؤ، کیسے نئے سال کی مبارک دوں؟
بہتر ہے، انہیں تنبیہ بھری عبارت دوں
تم تماشائی رہے اور اجڑ گیا غزہ
تمہاری "او آئی سی" پر ہوا عالم ترحم
عرب ملک انکل سام کے ہیں خوف تلے
دودھ، سبزیاں، پھل، ٹینن یاہو ان سے لے
مسلم نام کے اور دل یہود کا ہے غلام
مجھے ہے خوف کہ رب بھیج دے نہ قہر تمام
قرآن میں "المنافقون" پڑھتا ہوں
خدا کے دین کے غدار دیکھ کڑھتا ہوں
جلا ہے دل، کس کو مبارک باد دوں؟
دو ہزار چھبیس کے منظر، میں کیا صدمات سوں؟

شاعر: منظر ہاشمی، پسند: نگینہ ضیا بنگش، کراچی

رنج لیڈر کو بہت ہیں

ایک حلقے کے ایم پی اے جو تین دفعہ مسلسل ہارنے کے بعد اب جیت بیٹھے تھے۔ ایک دفعہ سڑک کا افتتاح کرنے پہنچے۔ ان کے زورِ بیان کا شہرہ ہم نے بھی سنا تھا۔ چنانچہ مستفید ہونے کا فیصلہ کر کے جلسہ گاہ میں پہنچ گئے۔ لوگ جوق در جوق وہاں پہنچ رہے تھے اور وہ جوک در جوک انہیں محظوظ کر رہے تھے۔ جب وہ دورانِ تقریر اپنے کارناموں کے احوال بتانے لگے، جو جیتنے کے بعد ان سے سرزد ہوئے تھے تو زورِ بیان میں لوگوں سے

digest library.com

Scanned with CamScanner

کہا۔ ''میں نے اپنے حلقے کو پانی، پانی کر دیا ہے۔'' لوگوں نے زور، زور سے تالیاں بجائیں۔ ہمیں بھی ماننے ہی بنی، کیونکہ دیکھ رہے تھے کہ ان اس جملے کے بعد ان کے خیر خواہوں کے منہ پر بھی چند قطرے نمودار ہو چکے تھے۔ تقریر کے بعد اس سڑک کا افتتاح کیا جو لوٹ پھوٹ کے مراحل میں داخل ہو چکی تھی۔ اب لوگوں نے موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مطالبات کا راگ الاپنا شروع کر دیا۔ وہ نہایت مدھر اور سُریلی آواز میں جواب دیے جا رہے تھے کہ اتنے میں ایک پڑھے لکھے صاحب اٹھے اور انہوں نے عرض کیا۔ ''جناب ہمارے علاقے میں زچہ، زچہ سینٹر نہیں ہے، اس لیے ہر دفعہ نارمل کیس خراب کروانے کے لیے ہمیں شہر جانا پڑتا ہے۔'' آپ نے جوشِ خطابت اور جذبۂ خدمتِ خلق سے معمور آواز میں فرمایا۔ ''آپ ایک زچہ بچہ سینٹر کی بات کرتے ہیں میں دو بنواؤں گا، عورتوں کے لیے الگ اور مردوں کے لیے الگ۔'' ان کی اس فراخ دلی، ہمدردی اور دور اندیشی پر لوگ اش، اش کر اٹھے۔ بعض ناسمجھ خواہ مخواہ غش کھانے لگے۔ لیڈر ہوں تو ایسے.....

تحریر: ذوالفقار احسن
پسند: شاہدہ، ملتان

شاعری

پہلا دوست: ''میں اپنی شاعری سے دنیا میں آگ لگا دینا چاہتا ہوں۔''

دوسرا دوست: ''میرے خیال میں تو زیادہ مناسب یہ ہوگا کہ تم اپنی شاعری کو آگ لگا دو۔''

از: سباس گل، رحیم یار خان

بیوی کی شوہر سے توقعات

بیوی کو اپنے ظاہری حلیے سے، اپنے عمل اور اپنے مثبت نظریے سے اپنی جانب جذب کریں۔ جس طرح سے عورتوں کی جاذبیت مردوں کے لیے اہم ہوتی ہے، اسی طرح عورتیں بھی پُرکشش مرد سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔ نہ صرف جسمانی اور ظاہری بلکہ عمل اور طرزِ فکر میں بھی پُرکشش۔ جوان مرد ہیں، شوخ طبع بنیں، اپنے ظاہر پر توجہ دیں اور خوش اخلاقی سے کام لیں۔ سب سے زیادہ اہم یہ کہ اپنی بیوی کے ساتھ سچے اور مخلص رہیں۔

اپنی بیوی کے ذاتی اخراجات ادا کریں

اگر آپ کی بیوی دولت مند ہو یا اس کا دار و مدار آپ پر نہ ہو، پھر بھی عورت چاہتی ہے کہ اس کا شوہر اس کے اخراجات ادا کرے۔ عورت یہ نہیں چاہتی کہ گھر کے اخراجات کا بوجھ اس کے شانوں پر ہوں۔ وہ آپ کی مدد بھی کر سکتی ہے۔ لیکن وہ چاہتی ہے کہ مرد گھر کے اخراجات اٹھائے۔

بیویوں کے معاملے میں پختہ رویہ رکھیں

عورتیں ایسے مرد سے شادی کرنا چاہتی ہیں جو تجربے کار اور ذمے دار ہو۔ پختگی کو عام طور پر ثبات سے متعلق سمجھا جاتا ہے اور باثبات رویہ وہ چیز ہے جو عورتوں کی ضرورت ہے۔ عورتیں چاہتی ہیں کہ ان کا شوہر بالغ نظر اور پختہ ہو تاکہ مشترکہ زندگی کی مشکلات کو مناسب طور پر سلجھا سکے۔

وعدوں کی پاسداری کریں

اگر آپ نے اپنی بیوی یا بچوں سے وعدہ کیا ہے کہ چھٹی کے دن انہیں تفریح کے لیے لے جائیں گے تو اپنے وعدے کو پورا کیجیے تاکہ وہ آپ سے ناامید نہ ہو جائیں۔ جو شوہر اپنے وعدوں کو پورا کرتے ہیں وہ بہت جلد اپنی بیوی کو اپنی جانب راغب کر لیتے ہیں۔

از: فضہ خان، بہارہ کہو

افسوس

جب گھر کو ہمارے آگ لگی سامان بچا کچھ جلنے سے
سو وہ بھی ان کے ہاتھ لگا جو آگ بجھانے آئے تھے
جو لوگ شریک سازش تھے ہم نام بھی ان کا کیسے لیں
کچھ ان میں دوست پرانے تھے کچھ باعزت ہمسائے تھے

از: ساجدہ، پنجاب

Scanned with CamScanner

میں اکثر گنگناتی ہوں

صغریٰ زیدی

☆ نازنین آفریدی.....پشاور
ہمارے رہنمایوں قافلے کو لے کے چلتے ہیں
گماں سے کا ہوتا ہے سفر کوفے کو کرتے ہیں

☆ عنایہ ذیشان.....ٹوبہ ٹیک سنگھ
مجروح میرا دل بھی کرایے کا مکاں ہے
خالی بھی جو ہو جائے تو قبضہ نہیں ملتا

☆ ماہین مسعود.....کمالیہ
تمام عمر کی جاگی ہوئی میری قسمت
رہا جو فاصلہ دو گام سو گئی اکثر
ہوا کے ڈر سے نشیبوں میں آ بسے لیکن
ہوا نے بخشا تو بارش ڈبو گئی اکثر

☆ ساجدہ ظفر.....کمالیہ
امیر شہر میری جھونپڑی پہ طنز نہ کر
یہ تیرے ظرف سے ہر حال میں بڑی ہوگی

☆ زرینہ خانم لغاری.....مظفر گڑھ
ایک یہ جہاں ایک وہ جہاں ان دو جہانوں کے درمیان
بس فاصلہ ایک سانس کا جو چل رہی تو یہ جہاں گر رک گئی تو وہ جہاں

☆ آسیہ ناہید خان.....ڈھوک شکرہ
خود اپنے ہی اندر سے ابھرتا ہے وہ موسم
جو رنگ بچھا دیتا ہے تتلی کے پروں پر

☆ ذکیہ.....کراچی
خزاں کے رنگ سے مایوس نہ ہو دیوانے
خزاں کے بعد ہی فصلِ بہار آتی ہے

☆ فرزالہ شاہین.....کراچی
نہ مجھ سے آنکھ چراؤ اس طرح اے دوست
کہ دوستی میں غلط فہمیاں بھی ہوتی ہیں

☆ سلمیٰ صدیقی.....گھارو
یہ دل ہے دردِ دل کے خزانے لیے ہوئے
اک چور، چور شیشے کی قیمت نہ پوچھیے

☆ نگہت غفار.....کراچی
یہی مزاج ہے اپنا کسی کا دل نہ دکھے
جدائیوں کو بھی چاہا ہے قربتوں کی طرح
تری طلب کا دل آویز حادثہ ہم نے
بھلا دیا ہے کئی اور حادثوں کی طرح

☆ فضہ حسین.....بہاولپور
وصالِ یار کے موسم کی آمد آمد ہے
عجب نہیں کہ مرے رات دن بدل جائیں
ہمیں وہ ڈھونڈتا پھرتا نہ ہو کہیں قادر
چلو کہ ہم بھی اسے ڈھونڈنے نکل جائیں

☆ بتول رضا.....بحرین
مجھے بتا مرے بندے، ہے تیری مشکل کیا
میں رب ہوں تیرا، مکمل نظام میرا ہے
تم اپنا کام کیے جاؤ، دل لگا کر غوث
کرو نہ فکر تم اس کی جو کام میرا ہے

☆ ثنا مرتضیٰ.....سعودی عرب
جیتے جی زہر کے وہ گھونٹ پیا کرتا ہے
جو بھی انسان یہاں عشق کیا کرتا ہے
ایک مدت سے اسی شہر میں رہتے ہیں ہم
جیسے ہم جیتے رہے، کون جیا کرتا ہے

☆ سعیدہ بانو.....لوئر مال، مری
تری نگاہ میں اک رنگ اجنبیت تھا
کس اعتبار سے ہم کھل کے گفتگو کرتے

☆ رابعہ اسلم.....رحیم یار خان
آپ ہی بگڑتا تھا، آپ من بھی جاتا تھا
اس گریز پہلو کی یہ عجیب عادت تھی

☆ ناہید امجد.....عبداللہ ٹاؤن
درختوں سے گر جائیں گے وہ پتے ہیں ہم
ان آندھیوں سے کہہ دو اپنی اوقات میں رہیں

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

☆نزہت رضوی.....راولپنڈی
جو لکھ گئے وہی آخر کو اپنا فن ٹھہرا
جو لکھ نہ پائے نہ جانے وہ بات کیا ہوتی

☆جمیلہ بلوچ.....منصورہ ڈیپر
نہ دیکھ کسی چہرے کو حقارت کی نظر سے
ہر چہرہ کسی کا تو محبوب ہوتا ہے

☆غزالہ طارق.....سرگودھا
ہمیں یہ زعم رہا اب کے وہ پکاریں گے
انہیں یہ ضد تھی کہ ہر بار ہم صدا دیتے

ساعتوں کو میں تاعمر کوستا سید
وہ کچھ نہ کہتے مگر ہونٹ تو ہلا دیتے

☆زرینہ ندیم.....مقام نامعلوم
اجلے اجلے چہرے ہم سے بچھڑ گئے تو سوچتے ہیں
کتنے اچھے افسانے تھے کیسے برے انجام ہوئے

☆سیدہ فضہ اسد.....کربلا جالب
میں کیوں نہ ترک تعلق کی ابتدا کرتا
وہ دور دیس کا باسی تھا کیا وفا کرتا
وہ میرے ضبط کا اندازہ کرنے آیا تھا
میں ہنس کے زخم نہ کھاتا تو اور کیا کرتا

☆انیلا شاہین میک.....گلگت
اک ملاقات تھی جو دل کو سدا یاد رہی
ہم جسے عمر سمجھتے تھے وہ اک پل نکلا
وہ جو افسانہ غم سن کے ہنسا کرتے تھے
اتنا روتے ہیں کہ سب آنکھ کا کاجل نکلا

☆نسیم رسول.....منصورہ ڈیپر
مصائب میں الجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے
مجھے ناکامیوں پر اشک برسانا نہیں آتا

☆نگینہ سحر.....لوہ یک سنگھ
جو تیر اس ہیں تمہارے ضبط پر کہہ دو قتیل ان سے
جو دامن پر نہیں گرتا، وہ آنسو دل پہ گرتا ہے

☆ناصرہ اقبال.....کراچی
کوئی ستارہ مرے ساتھ، ساتھ چلنے لگا
سفر میں جیسے ہی مجھ کو تیرا خیال آیا

☆غزل جعفری.....کراچی
مہکتے پھولوں سے جب ملو تو مجھے بھی کچھ دیر یاد کرنا
یا فصلِ گل کی طرح کھلو تو مجھے بھی کچھ دیر یاد کرنا

☆شکیلا انجم.....گوٹھ ماچھی
بچھڑا تو دوستی کے اثاثے بھی بٹ گئے
شہرت وہ لے گیا مجھے رسوائی دے گیا

☆عنبر وسیم.....گوجرانوالہ
نہ تھا قصور تھا مجھ سے نہ واقف میرے جذبات سے تھا
اس کا رشتہ تو فقط اپنے مفادات سے تھا
اب جو بچھڑا تو کیا رونا اس جدائی پر
اس کا اندیشہ تو پہلی ہی ملاقات سے تھا

☆فرحت احد.....گلشن حدید کراچی
اڑنے لگے وجود کے ریزے ہوا کے ساتھ
میں اس قدر خلوص سے بکھرا کبھی نہ تھا

☆عاصمہ طارق.....ملتان
یہ اور بات کہ گل کی طرح مہکتے رہے
وگرنہ رکھتے تھے ہم بھی مزاج کانٹوں کا

☆پروین افضل شاہین.....بہاول نگر
احساسِ ندامت ایک سجدہ اور چشمِ تر
اے خدا کتنا آساں ہے منانا تجھ کو

☆نگہت اخوان.....راولپنڈی
جب تری یاد میں مصرعہ کوئی لکھنے بیٹھا
میں نے کاغذ پہ بھی چھالوں کا گلستان دیکھا
تو نے دیکھا ہے منڈیروں پہ چراغوں کو فقط
میں نے جلتا ہوا ہر دور میں انسان دیکھا

☆ماہم شاہد.....کراچی
میں بھی موسم بہار کا دیکھوں
کوئی پہلو قرار کا دیکھوں
کب تک آنکھوں میں بھر کے یاد تری
صدمہ بھی انتظار کا دیکھوں

☆نگہت زیدی.....اسلام آباد
نگہ بلند سخن دلنواز جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

Scanned with CamScanner

خوش ذائقہ

شگفتہ یاسمین

پسندے اسٹیکس

اشیا: انڈر کٹ پسندے، آدھا کلو۔ خشخاش، ایک چائے کا چمچ۔ (پیس لیں) ادرک پیسٹ، ایک چائے کا چمچ۔ نمک، ایک چائے کا چمچ۔ لہسن پیسٹ، ایک چائے کا چمچ۔ سرخ مرچ پسی ہوئی۔ ایک چائے کا چمچ۔ تیل، آدھا کپ۔ زیرہ اور ثابت دھنیا (بھنا ہوا اور پسا ہوا)، ایک، ایک چائے کا چمچ۔ دہی، آدھا کپ۔ لیموں، ایک عدد۔

ترکیب: پسندے کو خشخاش، ادرک پیسٹ، نمک، لہسن پیسٹ، سرخ مرچ، پسی ہوئی، زیرہ (بھنا اور پسا ہوا) دہی، ثابت دھنیا، (بھنا اور پسا ہوا) اور لیموں کے ساتھ ایک گھنٹے کے لیے میری نیٹ کرلیں۔ ایک ہانڈی لیں اس میں تیل گرم کریں۔ اس میں لب مسالا لگے اسٹیکس ڈال دیں اور اس وقت تک پکائیں کہ گل جائیں اور پانی خشک ہوجائے۔ ہرے مسالے اور فرنچ فرائز کے ساتھ پیش کریں۔

پالک پنیر

اشیا: پالک، ایک پاؤ۔ (دھو کر گرم پانی میں دو منٹ ابال کر ٹھنڈے پانی میں رکھیں دو منٹ بعد نچوڑ کر باریک کاٹ لیں) پیاز، دو عدد (باریک کاٹ لیں) ہری مرچ، پانچ عدد باریک کاٹ لیں۔ لہسن، تین عدد۔ (باریک کاٹ لیں) ادرک، لہسن کا پیسٹ، ایک کھانے کا چمچ۔ فریش کریم، آدھا پیالی یا دو کھانے کے چمچ۔ گرم مسالا (پسا ہوا) چوتھائی چائے کا چمچ۔ تیل، چار کھانے کے چمچ۔ پنیر یا کاٹیج چیز، ایک پیکٹ (چھوٹے کیوب بنالیں) نمک، حسب ذائقہ۔

ترکیب: تیل گرم کرکے پیاز گولڈن براؤن کرکے لہسن ادرک کا پیسٹ، ہری مرچ اور لہسن ڈال کر اچھی طرح سے بھون لیں۔ اب پالک ڈالیں پھر ہلکا سا بھون کر پنیر ڈالیں۔ اچھی طرح مکس کریں اور پانچ منٹ ہلکی آنچ پر رہنے دیں۔ اب درمیانی آنچ پر بھون لیں ساتھ گرم مسالا اور فریش کریم بھی مکس کرکے چولہا بند کردیں۔ ڈش میں نکال کر پنیر اور فریش کریم سے گارنش کریں۔ گرم روٹی کے ساتھ لذیذ پالک پنیر تیار ہے۔

دہی بڑوں کا مسالا

دہی بڑوں کا مسالا عام طور سے لوگ بازار سے خریدتے ہیں جس میں اول تو ملاوٹ ہوتی ہے دوسرے مہنگا بھی ہوتا ہے۔ تو کیوں نہ اس طریقے کو اپنا کر گھر میں اصلی مسالا تیار کریں جو دہی بڑوں کے اوپر ڈال کر کھایا جاتا ہے۔

سرخ مرچ ثابت، دو عدد۔ کھٹائی پسی ہوئی، کھانے کے چار چمچ، نمک، حسب ضرورت۔ کالا نمک، دو چائے کے چمچ۔ دھنیا ثابت، تین چمچ۔ ان کو فرائی پین میں بھون کر باریک پیس لیں۔ لیجیے مسالا تیار ہے۔ اسے شیشی میں بھر کر رکھ لیں اور حسب ضرورت استعمال کرتی رہیں۔

ہمیشہ یاد رکھیں امی کی ریسپی کیونکہ یہی ہے راز ہوم شیف بننے کا۔

مونگ کی دال کے کباب

اشیا: دال مونگ، آدھا پاؤ۔ بیسن، ایک چوتھائی پاؤ۔ ثابت دھنیا، ایک چھوٹا چمچ۔ گرم مسالا، ایک چائے کا چمچ۔ انار دانہ، تھوڑا سا۔ سرخ مرچ، چھ، سات۔ سبز مرچ، دو عدد۔ نمک، حسب ضرورت۔ انڈا، ایک عدد۔ پیاز، ایک عدد۔ گھی، حسب ضرورت تلنے کے لیے۔

ترکیب: دال کو دو تین گھنٹے تک بھگونا چاہیے۔ اگر ابال لی جائے تو زیادہ بہتر ہے پھر اسے اچھی طرح سے پیس لیں۔ تمام مسالے بھی باریک پیس لیں۔

digest library.com

Scanned with CamScanner

انڈے کو اچھی طرح سے پھینٹ لیں۔ پھر مسالے، انڈے اور کٹی ہوئی پیاز کو پسی ہوئی دال میں ملا دیں۔ اچھی طرح ملانے کے بعد ٹکیاں بنالیں اور تل لیں۔ آگ زیادہ تیز نہ کریں، لذیذ کباب بنیں گے۔

از: انجم نازی، راولپنڈی

گوشت کے کٹلٹس

اشیا ﴿ دودھ، ایک پاؤ، میدہ، ایک پاؤ۔ گوشت، آدھا کلو۔ کچا پپیتا، تھوڑا سا۔ لہسن، تین جوے۔ نمک، کالی مرچ حسب ذائقہ۔ گھی، ایک پاؤ۔

ترکیب ﴿ پکانے سے تقریباً ایک گھنٹا پہلے گوشت کے چھوٹے، چھوٹے ٹکڑے کریں اور پپیتا اچھی طرح سے پیس کر ملا دیں۔ تاکہ گوشت گل جائے اب ایک الگ برتن میں میدہ، دودھ میں اچھی طرح ملا دیں۔ لہسن اور کالی مرچ ڈال کر اچھی طرح پھینٹ لیں۔ ایک گھنٹے کے بعد گوشت پر سے پپیتا صاف کر دیں۔ دودھ میں میدہ ایسا ہو کہ گوشت کے ٹکڑوں پر میدہ اور دودھ کا گاڑھا آمیزہ لگ جائے۔ گوشت پر آمیزہ لگا کر یکے بعد دیگرے گھی میں سرخ کر لیں۔ چھری ڈال کر دیکھیں کہ آیا گلا ہے یا نہیں۔ سلاد کے ساتھ سجا کر ڈش پیش کریں۔

از: رضوانہ نعیم، کراچی

بیسن کا حلوا

اشیا ﴿ بیسن آدھا سیر، شکر، آدھا کلو۔ گھی، ایک پاؤ۔ بادام اور پستے ایک چھٹانک۔ کیوڑے کے چند قطرے۔

ترکیب ﴿ پہلے بیسن کو چھان کر گھی میں اچھی طرح بھون لیں۔ اب شکر میں حسب ضرورت پانی ملا کر چاشنی چولہے پر پکنے کو رکھ دیں۔ جب چاشنی تیار ہو جائے تو بیسن چاشنی کی دیگچی میں ڈال کر پکائیں۔ چمچہ برابر چلاتی رہیں۔ جب حلوے میں جال پڑنے لگے تو حلوے کو اتار لیں۔ بعد ازاں اسے کسی پھیلے ہوئے برتن میں ڈال کر پھیلا دیں اس پر باریک کٹے ہوئے بادام اور پستے اور کیوڑہ چھڑک دیں۔ ٹھنڈا ہونے پر برفی نما ٹکڑے کاٹ لیں۔ نہایت لذیذ حلوا تیار ہوگا۔

از: ساجدہ جبین وارثی، جھڈو

جلی کباب

اشیا ﴿ قیمہ، ایک کلو۔ (بھنے ہوئے دھنیا، پودینہ کا) مکسچر، پندرہ عدد۔ ثابت دھنیا، تین کھانے کے چمچ۔ (بلکا سا بھون لیں) سفید زیرہ، دو کھانے کے چمچ۔ نمک، حسب ذائقہ۔ ٹماٹر، آدھا پاؤ۔ (باریک کٹے ہوئے) پودینہ ایک گٹھی۔ ہرا دھنیا، ایک گٹھی۔ ہری مرچ، آٹھ عدد۔ (باریک کاٹ لیں) انار دانا، آدھا پاؤ۔ کچا پپیتا، ایک انچ کا ٹکڑا۔

ترکیب ﴿ قیمے میں کچا پپیتا اور سارے مسالے ڈال لیں اور تقریباً دو گھنٹے رکھیں۔ اس کے بعد اندازے سے بڑی، بڑی ٹکیاں ہتھیلیوں پر رکھ کر بنالیں پھر ہلکی آنچ پر کم گھی میں تل لیں۔ تلتے وقت چمچ کی مدد سے کباب کو دبائی رہیں ہلکا براؤن ہو جائے دونوں طرف سے تو اتار لیں چٹنی اور سلاد کے ساتھ کھائیں۔

از: رعنا عالم، کراچی

سبزی کے کوفتے

اشیا ﴿ آلو، تین عدد۔ مٹر، آدھا کپ۔ گوبھی، آدھا کپ۔ گاجر، آدھا کپ۔ میتھی تازہ پتے، آدھا کپ۔ نمک، حسب ذائقہ۔ لال مرچ، آدھا چائے کا چمچ۔ انڈا، ایک عدد۔ کارن فلور، دو کھانے کے چمچ۔ سوکھا دھنیا پسا ہوا، ایک چائے کا چمچ۔ سوکھی کھٹائی، ایک چائے کا چمچ۔ گرم مسالا، آدھا چائے کا چمچ۔ تیل تلنے کے لیے۔

مسالا بنانے کے لیے

پیاز، دو عدد۔ درمیانی سائز کی پسی ہوئی۔ ادرک لہسن کا پیسٹ، دو چائے کے چمچ۔ نمک، حسب ذائقہ۔ سرخ مرچ، حسب ذائقہ۔ آئل، چوتھائی کپ۔ ہرا دھنیا، باریک کٹا ہوا۔

ترکیب ﴿ تمام سبزیوں کو ابال کر اس میں تمام مسالے مکس کریں اور درمیانے سائز کے کوفتے بنالیں۔ تیل گرم کریں پھر اس میں کوفتے تل لیں۔ بعد ازاں گرم تیل میں پیاز، ادرک لہسن اور مسالا جات ملا کر بھون لیں۔ پانچ منٹ کے بعد تلے ہوئے کوفتے شامل کر کے ایک منٹ دھیمی آنچ پر پکائیں۔ ہرا دھنیا ڈال کر سرو کریں۔

مسز فصیحہ آصف خان، ملتان

Scanned with CamScanner

بزمِ پاکیزہ

پاکیزہ بہنیں

پہلا انعام یافتہ سوال

☆ جبیں نیاز..... کراچی

سوال ﴿ باجی اکثر لوگ کہتے ہیں میرا تو دماغ گھوم گیا، دماغ کی جگہ دل کیوں نہیں گھومتا؟

جواب ﴿ دل تو نوعمری سے ہی گھوم رہا ہوتا ہے مزید کیا گھمائیں گے۔

دوسرا انعام یافتہ سوال

☆ حسینہ بخل حیدری..... پنڈ دادن خان

سوال ﴿ جب لوگ دل دے دیتے ہیں تو ان کے جسم کو خون کون مہیا کرتا ہے؟

جواب ﴿ ارے..... جو بات، بات پر دل دے دیتے ہیں وہ یقیناً ایسے متبادل انتظامات رکھتے ہوں گے۔

☆ عنایہ ذیشان..... کمالیہ

سوال ﴿ کہتے ہیں خوشیاں بھی تالیوں کے مانند ہوتی ہیں جو ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ ایک ہاتھ تو اپنا ہو گیا دوسرا ہاتھ کس کا ہونا چاہیے؟

جواب ﴿ چاہنے والے کا۔

سوال ﴿ قابلِ اعتبار، قابلِ اعتبار کب بنتے ہیں؟

جواب..... اعتبار، اعتبار کی گردان جب کچھ زیادہ ہی ہو جائے۔

☆ نازنین آفریدی..... پشاور

سوال ﴿ میں یہ سوچ کر فیصلہ لے تو لیتی ہوں کہ جو ہوگا دیکھا جائے گا مگر آنٹی پھر جو ہوتا ہے وہ دیکھا نہیں جاتا ہے؟

جواب ﴿ کالے چشمے لگا لیا کرو۔

☆ منزہ مقبول..... بہاول نگر

سوال ﴿ عورت زندگی میں سب سے زیادہ کس چیز کی تمنا کرتی ہے؟

جواب ﴿ نیک مرد کی خواہ کسی بھی روپ میں ہو۔

☆ فرزانہ تنویر..... کھیوڑہ

سوال ﴿ اپنے بیگانے کیوں بن جاتے ہیں؟

جواب ﴿ یہی سب پوچھتے ہیں لیکن کبھی کسی بیگانے بھی تو اپنے بن جاتے ہیں ان کا کوئی ذکر ہی نہیں کرتا۔

☆ ماہین مسعود..... کمالیہ

سوال ﴿ دو اور دو آنکھیں چار ہو جاتی ہیں پھر دو دل مل کر ایک کیسے ہو جاتے ہیں؟

جواب ﴿ یہی تو دل کی خوبی ہے مگر تم کہاں سمجھو گی۔

سوال ﴿ عقل پر پتھر پڑ جائیں تو ذہنی عقل کا علاج کہاں ہوتا ہے؟

جواب ﴿ سوال پر سوال بھیجتی رہو شاید کوئی علاج نکل ہی آئے۔

☆ ناہید چغتائی..... مری

سوال ﴿ جدید دور کا انسان پیار جیسے لطیف جذبے کو ناپنے کا پیمانہ کیوں نہ ایجاد کر سکا؟

جواب ﴿ چاندنی کو کسی برتن میں بھرا جا سکتا ہے، خوشبو کو مٹھی میں بند کیا جا سکتا ہے، تو پھر.....

☆ شہناز پروین سعادت..... کراچی

سوال ﴿ مغربی تہذیب کے مقلدوں کو کیا کہیے؟

جواب ﴿ ناسمجھ افراد

☆ ساجدہ ظفر..... کمالیہ

سوال ﴿ سب کہتے ہیں دل کی سنو..... دل تو دھک، دھک کرتا ہے اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب ﴿ ہمارا دل تو ہمیں خوب سناتا ہے۔

digest library.com

Scanned with CamScanner

اب تمہارے دل سے ہم کیا کان لگائیں۔

سوال ﴿ کشتی وہاں کیوں ڈوبی جہاں پانی کم تھا؟

جواب ﴿ اب بیچاری کے پہیے تو تھے نہیں جو سڑک پر دوڑ پڑتی۔

☆ غزالہ نسرین شفیق.....لاہور

سوال ﴿ آج کی نئی پود کو راہِ راست پر لانے کے لیے کون سا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ پیار، یا پٹائی؟

جواب ﴿ معتدل راستہ کیونکہ دونوں کی بہتات اور انتہا، مزید غلط راستے پر ڈال دے گی۔

☆ تسنیم کوثر.....لائل پور

سوال ﴿ شادی کے موقع پر اب بھی لوگ دلہن کو نہیں بلکہ جہیز کو پسند کرتے ہیں، آخر کیوں؟

جواب ﴿ بی بی کم بینائی والوں کو دیکھنے کے لیے چک دمک کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور اچھی بینائی والے اس کے محتاج نہیں ہوتے۔

☆ عطیہ فاروق سوز.....بھریا د (سندھ)

سوال ﴿ امید کی کرن ڈوب جائے تو انسان کو کیا کرنا چاہیے؟

جواب ﴿ بی بی خدا کے آگے سر جھکا کر دامن پھیلانا چاہیے۔

☆ سعیدہ انصاری.....ملتان

سوال ﴿ انسان کی سب سے بڑی مجبوری کیا ہے؟

جواب ﴿ دوسروں کی محتاجی۔

☆ نادرہ نسرین.....نواب شاہ

سوال ﴿ زندگی کی تلخیوں کو اپنے تبسم میں چھپانے والوں کو آپ کیا کہیں گی؟

جواب ﴿ حقیقت پسند انسان۔

☆ خالدہ خانم.....نواب شاہ

سوال ﴿ ایمان کے بعد سب سے بڑی نعمت کون سی ہے؟

جواب ﴿ صداقت و دیانت۔

☆ ماحیلا نور.....گجرات

سوال ﴿ دلیل کو دلیل، لوہے کو لوہا تو انسان کو کیا کاٹتا ہے؟

جواب ﴿ ظاہر ہے انسان ہی کاٹتا ہے۔ کسی بھی رشتے کی صورت۔

☆ عظمیٰ حیات.....گوجرانوالہ

سوال ﴿ جب دکھ بھی درد دل کم نہ ہو تو؟

جواب ﴿ تو پھر سو کر کم کرنے کی کوشش کریں۔

☆ رخسانہ حسن.....منڈی بہاؤالدین

سوال ﴿ کیا واقعی چند بے ربط سانسوں ہی کا نام زندگی ہے؟

جواب ﴿ نہیں چند تو نہیں..... اچھی خاصی سانسیں ہوتی ہیں۔

☆ عائشہ.....کراچی

سوال ﴿ انسان دوسروں کے چہرے تو بہ آسانی دیکھ لیتا ہے لیکن اپنا چہرہ دیکھنے کے لیے آئینے کا سہارا لیتا ہے، ایسا کیوں ہے؟

جواب ﴿ مجبوری ہے، اپنی آنکھوں سے اپنا چہرہ دیکھنے کے لیے کوئی طریقہ آپ بتا دیں تو شاید لوگ آئینے کا سہارا لینا چھوڑ دیں۔

☆ سلمیٰ کنول.....مقام نامعلوم

سوال ﴿ دیواروں کے کان کے ساتھ، ساتھ اگر زبان بھی ہوتی تو؟

جواب ﴿ تو بہت سے لوگ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے پر مجبور ہو جاتے۔

☆ مسرت خان، نسیم خان.....لاہور

سوال ﴿ شوہر کا منہ فٹ بال کی طرح پھولا ہوا ہو، بیوی کرکٹ کے بلے کی طرح اکڑی ہوئی ہو اور بچے ہاکی کی طرح تھوڑے سے ٹیڑھے ہوں اور اگر ایسے میں مہمان آ جائیں تو؟

جواب ﴿ تو گول کیپر کی طرح کک لگا کر انہیں "ڈی" میں ڈرائنگ روم سے باہر مت پھینک دیجیے گا۔

☆ عطرت فوزیہ.....چکوال

سوال ﴿ میں جب بہت اداس ہوتی ہوں تو مسکراہٹ لبوں پر آ جاتی ہے، ایسا کیوں ہوتا ہے؟

جواب ﴿ جب خوش ہوتی ہو گی یقیناً آنکھ آنسو روتی ہو گی، ہے ناں.....!

Scanned with CamScanner

روحانی مشورے

ادارہ

آفتوں اور مصیبتوں سے حفاظت کی دعا

کسی قسم کی آفت و مصیبت میں گرفتار آدمی کو دیکھے تو یہ دعا پڑھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهٖ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا

(سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے بچایا مجھ کو اس چیز سے کہ گرفتار کیا سامنے والے کو اس کے ساتھ اور بزرگی دی۔ مجھ کو اپنی مخلوق میں سے بہت کی مخلوق پر بزرگی دی۔ (مشکوۃ)

رسول ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی مبتلائے مصیبت کو دیکھے۔ مثلاً اندھا، جزامی، برص والا، مفلوج، اعضا بریدہ وغیرہ اور یہ مذکورہ دعا پڑھے تو اس دیکھنے والے کو وہ مصیبت نہیں پہنچے گی۔

کان کے اندر کنکری چلی جائے، اس کو نکالنے کی دعا

حضرت عمر بن ثابت خزرجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

بصرہ میں ایک آدمی کے کان میں ایک چھوٹی سی کنکری چلی گئی۔ اطبا نے بہت علاج کیا لیکن کنکری باہر آنے کے بجائے اور اندر چلی گئی۔ اس سے اس شخص کی رات کی نیند اڑ گئی اور دن کی زندگی بدمزہ ہو گئی۔ اس نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد کے پاس جا کر سب کچھ سنایا تو انہوں نے کہا کہ اگر آپ کو کوئی چیز فائدہ دے گی تو حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کی دعا فائدہ دے گی جو انہوں نے سمندر اور جنگلات طے کرتے ہوئے پڑھی تھی۔ اس شخص نے پوچھا وہ دعا کیا ہے؟ فرمایا وہ دعا یہ ہے۔

یَا عَلِیُّ یَا عَظِیْمُ یَا عَلِیْمُ یَا حَلِیْمُ

چنانچہ اس نے یہ دعا پڑھی، اللہ کی قسم اسی وقت ہلکی آواز کے ساتھ کنکری تیزی سے کان سے نکل کر دیوار سے ٹکرائی اور وہ شخص بالکل ٹھیک ہو گیا۔

(کتاب مجابی الدعوۃ لابن ابی الدنیا صفحہ 41)

چار بیماریوں سے تحفظ

آج کل بے شمار بیماریاں پھیلی ہوئی ہیں۔ جس قدر دواخانے، شفاخانے اور اسپتال بن رہے ہیں، بیماریاں ان سے زیادہ بڑھ رہی ہیں چنانچہ جن بیماریوں کا کبھی نام تک نہیں سنا تھا، آج وہ عام پائی جاتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار خطرناک بیماریوں سے تحفظ کا بہت آسان طریقہ بیان فرمایا ہے۔ ملاحظہ کیجیے اور آپ بھی عمل کیجیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ (اے قیصر) جب تم فجر کی نماز پڑھ لو تو نماز فجر کے بعد تین مرتبہ (یہ کلمات) کہہ لیا کرو۔

سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِهٖ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

اللہ تعالیٰ چار بلاؤں سے محفوظ رکھیں گے۔ جزام، جنون، اندھا پن اور فالج سے۔ (عمل الیوم واللیلۃ)

دنگا فساد سے نجات

جو شخص اسم مبارک "یا مومن" کا بکثرت ورد رکھے گا، وہ امن پسند ہو اور دنگا فساد سے اجتناب کرنے والا ہو گا۔ وہ ہر قسم کے لڑائی جھگڑے کو برا جانے گا اور اسے دفع کرنے کی کوشش کرے گا۔ اسی طرح وہ بری صحبتوں اور برے ساتھیوں سے بھی بچنے کی کوشش کرے گا۔

digestlibrary.com

Scanned with CamScanner

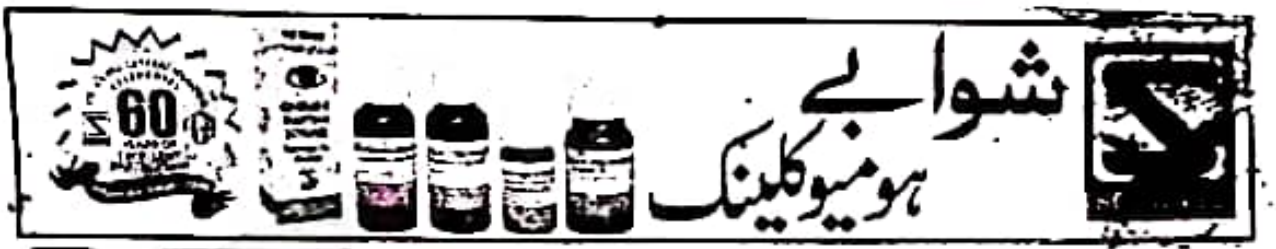

اس بات کی ضرورت کافی عرصے سے محسوس کرائی جارہی تھی کہ کسی مستند ادارے کے تحت ماہر تجربہ کار ہومیو پیتھک ڈاکٹروں کا بورڈ ہو جو لوگوں کی صحت کے مسائل کو اپنی ماہرانہ رائے اور تجربے کی روشنی میں نہ صرف حل کرے بلکہ ان کی رہنمائی بھی کرے۔ لہٰذا اس سلسلے کے تحت ہماری کوشش ہوگی کہ ہم آپ کو مختلف امراض کے متعلق آگاہی بھی فراہم کریں اور آپ کے جو صحت کے مسائل ہوں اس کو بورڈ کے ماہر و تجربہ کار ڈاکٹرز کے ذریعے حل کرائیں تاکہ آپ کا معیارِ صحت بلند ہو لہٰذا آپ کے جو بھی صحت کے مسائل ہیں انہیں ہمیں اس پتے پر لکھ بھیجیں، ڈاکٹر حامد جنرل ہومیو پرائیویٹ لمیٹڈ آرام باغ روڈ کراچی 74200۔ ہم ماہنامہ پاکیزہ کے ذریعے آپ کی بیماری کے متعلق آپ کی رہنمائی کریں گے لیکن اس کے لیے اپنا مکمل نام، عمر، پتا اور جو کام کرتے ہیں اس کے متعلق، ازدواجی حیثیت، بیماری کے متعلق، کب سے ہوئی، کیا علاج کیا؟ کسی قسم کی کوئی رپورٹس ہوں تو اس کی فوٹو کاپی جو پڑھنے کے قابل ہوں ساتھ بھیجیں تاکہ صحیح تشخیص کی جاسکے اور دوا بھی صحیح تجویز ہو۔ (اپنے علاقے میں دوا نہ ملنے کی صورت میں ہم سے رجوع کریں)

یادداشت کی کمزوری

ترملا.....لاہور

میں میٹرک کی طالبہ ہوں۔ مجھے پڑھا ہوا یاد نہیں رہتا۔ اور پیپر والے دن تو گھبراہٹ میں سب بھول جاتی ہوں۔ ماہنامہ پاکیزہ میں کریٹکس (Cratex) کے بارے میں پڑھا مہربانی فرما کر میری راہنمائی فرمائیں۔

اس دوا کے کوئی منفی اثرات تو نہیں؟ ماہواری کے دنوں میں استعمال کرسکتی ہوں؟ ماہواری پر تو کوئی منفی اثرات نہیں ہوں گے؟ کریٹکس کب سے شروع کروں اور کب تک کھاؤں؟

جواب: بی بی دماغی صلاحیت اور جسمانی نشوونما کو بڑھانے کے لیے کریٹکس ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی ایک نئی مثال دوا ہے۔ ان کے اب تک کوئی ضمنی اثرات مرتب نہیں ہوئے ہیں۔ ماہواری کے دنوں میں بھی اس کو لیا جاسکتا ہے اس سے ماہواری میں کوئی خراب اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ قوت اور توانائی برقرار رہتی ہے۔ اس کو کم از کم ایک ماہ تک استعمال کریں۔ صبح اور شام ایک ایک گولی تھوڑے پانی کے ساتھ نگلیں اس کے علاوہ... Ancardium30 شوابے جرمنی کے 5 قطرے دن میں 3 مرتبہ لیں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

ٹوکن

برائے شوابے ہومیو کلینک

مارچ 2026ء

اپنا مسئلہ اس ٹوکن کے ساتھ روانہ کریں۔ ٹوکن کے بغیر آئے ہوئے مسئلوں پر توجہ نہیں دی جائے گی۔ اپنا مسئلہ جس مہینے بھیجیں اسی مہینے کا ٹوکن استعمال کریں۔

نام: _____

پتا: _____

_____

نظر کی کمزوری

جنید.....فیصل آباد

میری بیٹی کی عمر ساڑھے پانچ سال ہے، اسے

Scanned with CamScanner

عرصہ ڈیڑھ سال سے مینک لگی ہے۔ اس کے سر میں شدید درد ہوتا تھا اور متلی کی کیفیت ہوتی تھی۔ بائیں آنکھ کو ٹیڑھا کر کے دیکھتی تھی۔ اب یہ صورت حال ہے کہ ہر چھ ماہ بعد نظر چیک کروانے پر پہلے سے کمزوری نکلتی ہے اس کے علاوہ وہ ہر بات کی فکر کرتی ہے۔ اور چھوٹی چھوٹی باتوں کو خود پہ سوار کر لیتی ہے۔ حد سے زیادہ حساس ہے برائے کرم ایسی اچھی دوا تجویز کریں جو نہ صرف نظر کو ٹھہرنے میں مدد دے بلکہ بہتر بھی ہو جائے۔

جواب: بچی کو صبح سویرے سورج نکلتے ہوئے باغ کی سیر کرائیں۔ سونف، مصری، بادام سب کو ہم وزن لے کر پیس کر رکھ لیں اور روزانہ نہار منہ ایک کھانے کا چمچہ کھلا کر دودھ ایک پیالی پلا دیں۔ گاجر کا استعمال خوب کرائیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی مندرجہ ذیل ادویات تین ماہ تک استعمال کرائیں Physostigma 5 کے 5، Calc Phos 30, Calc.Flour 30 قطرے آدھا گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ استعمال کرائیں۔

گردے کی پتھری

شہناز.....حافظ آباد

میرا مسئلہ یہ ہے کہ مجھے عرصہ 4 سال سے گردے میں بار بار پتھری بن جاتی ہے۔ پہلی مرتبہ جب پتھری ہوئی تو ہومیو پیتھک دوائی لی جس سے پتھری نکل گئی۔ سال کے بعد پھر بن گئی علاج کرایا پھر نکل گئی۔ پتھری تقریباً ہر سال ہو جاتی ہے۔ آخری مرتبہ جب پتھری ہوئی تو الٹرا ساؤنڈ کرایا اس وقت تقریباً 5mm کی پتھری تھی دائیں گردے میں۔ ڈاکٹر نے کہا کہ کوئی علاج نہ کروانا صرف آپریشن ہوگا۔ آخر تنگ ہو کر آپریشن کرایا۔ تقریباً دو سال ہو گئے ہیں آپریشن کو۔ اب دونوں گردوں میں درد اور کھنچاؤ رہتا ہے۔ پیشاب ٹیسٹ کرایا تو ڈاکٹر کہتے ہیں کہ اس میں کرسٹل آ رہے ہیں۔ بائیں گردے میں تقریباً چنے کے برابر پتھری ہے۔ برائے مہربانی کوئی اچھی سی دوائی تجویز کر دیں تاکہ پھر آپریشن نہ کرانا پڑے۔

SCHWABE

جواب: لگتا ہے کہ آپ بھی علاج بے قاعدگی سے کرائی ہیں جبھی تو یہ بار بار بن رہی ہے۔ کیلشیم کی گولی یا اس کے مرکبات کے استعمال سے بھی پتھری بننے کے چانس بڑھتے ہیں۔ پیشاب آنے پہ اس کو روکنے سے بھی پتھری بنتی ہے۔ پانی کا کم استعمال کیا جائے تو بھی پتھری بنتی ہے۔ کیلشیم کی گولیاں استعمال نہ کریں۔ پانی کم از کم 15 گلاس روزانہ پئیں۔ پیشاب جیسے ہی آئے ویسے ہی کریں، روکنے کی عادت ترک کر دیں۔ کیلا، پالک، ٹماٹر، دودھ کا استعمال فی الحال نہ کریں۔ وزن نہ اٹھائیں۔ البتہ چلتی پھرتی ضرور رہیں بلکہ سیڑھیاں اترنے چڑھنے کی ورزش کیا کریں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات ایک ماہ استعمال کریں پھر کیفیت سے مطلع کریں۔ Calc. carb-30 کے 7-7 قطرے ایک گلاس پانی میں جبکہ Berberis Pentarkan 15 کی ایک گولی تھوڑے پانی کے ساتھ دن میں 3 مرتبہ لیں۔

خواتین کے مسائل

مراداں.....ٹوبہ ٹیک سنگھ

کافی عرصے سے پاکیزہ میں آپ کا کالم پڑھ رہی ہوں۔ سوچا آج اپنا مسئلہ بلکہ مسائل آپ کو لکھوں۔ میرے مسائل کا حل بتا دیں۔ میں بہت پریشان ہوں۔ چہرے کے دانے اور داغ دھبے، چہرے اور سینے پر بال ہیں، پیٹ پر بھی دانے ہیں جن کی وجہ سے زیادہ بیٹھنے سے جلن ہونا شروع ہو جاتی ہے، معدے کا مسئلہ، بالوں کا گرنا، سفید ہونا، دبلا پتلا جسم، صرف ہڈیاں ہیں گوشت بالکل بھی نہیں، نسوانی حسن بھی بالکل نہیں۔ خون کی کمی اور کیلشیم کی بہت کمی ہے۔ بلڈ ٹیسٹ، الٹرا ساؤنڈ، پیشاب ٹیسٹ رپورٹس بھجوا رہی ہوں۔ کوئی کریم یا میڈیسن بتا دیں۔ چہرے اور جسم کے لیے بھی دوا تجویز کر دیں۔ آپ کی احسان مند رہوں گی۔

digest library.com

Scanned with CamScanner

پُر درد حیض

فضا.....فیصل آباد

مجھے جب ماہواری آتی ہے اتنیاں آنا شروع ہو جاتی ہیں اور کچھ کھایا پیا نہیں جاتا۔ یوں لگتا ہے کہ جان نکل جائے گی۔ ڈاکٹری دوا کھانے سے ماہواری آتی ہے۔ میری کمر کے نچلے حصے اور پٹھوں اور پنڈلیوں میں بھی درد ہوتا ہے۔ میرے جسم پر سرخ، سرخ دانے نکل رہے ہیں اور کبھی کبھی ہاتھ بھی کانپتے ہیں۔ ناف کے نیچے والا حصہ پیٹ اور کولہے پھیلتے جا رہے ہیں۔ رنگ بھی خراب ہو گیا ہے۔ کبھی صاف لگتا ہے اور کبھی کالا۔ صرف چہرے اور ہاتھوں کا رنگ خراب ہوتا ہے۔ پانی پینے سے مجھے اپھارا ہو جاتا ہے۔ آنکھوں کے نیچے سیاہ حلقے بھی ہیں۔ چہرے پر بال نکل آئے ہیں جو پہلے نہیں تھے۔

جواب: پانچ وقت نماز کی پابندی کریں۔ صبح چہل قدمی کیا کریں۔ پانی کا استعمال کم از کم 12 گلاس روز کریں۔ متوازن غذا دودھ، گوشت، سبزیاں اور پھلوں کا استعمال بڑھائیں۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات 3 ماہ تک استعمال کریں اور پھر اپنا حال تفصیل سے لکھیں۔ Sulphur-200 کی ایک خوراک سب سے پہلے لیں۔ صبح نہار منہ 7 قطرے آدھے کپ پانی میں ڈال کر ہر 3 ہفتے بعد لیں، اس سے ایک دن پہلے اور بعد کوئی اور دوا نہیں لیں۔ پھر ایک دن بعد Magnesium Phos Pentarkan Ptk 60 کی ایک ایک گولی دن میں 3 مرتبہ میں چوسیں۔

جوڑوں میں درد

فیصل.....ضلع جھنگ

ڈاکٹر صاحب مجھے بچپن سے ہی گھٹنوں کے جوڑوں میں درد رہا ہے۔ جب پاؤں ہلاتا تھا یا گھٹنے موڑتا تھا تو نک نک کی آواز آتی تھی اور مجھے سکون مل جاتا تھا۔ اب مجھے درد تو نہیں ہوتا البتہ اٹھتے اور بیٹھتے وقت گھٹنوں کے جوڑوں سے نک نک کی آوازیں آتی ہیں جیسے جوڑ کی دونوں ہڈیاں آپس میں رگڑ رہی ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے وقت ایسا ہوتا ہے۔ مجھے اس کا علاج بتائیں اور یہ بھی بتائیں کہ علاج کتنا عرصہ جاری رکھنا ہے۔

SCHWABE

جواب: جب ہم بالغ ہوتے ہیں تو ہمارے جسم میں اور جذبات میں تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ والدین اور بڑے بزرگوں سے شرم و گھبراہٹ کے باعث ہم ان تبدیلیوں کا ذکر ان سے نہیں کرتے بلکہ اپنے ہم عمر لوگوں سے کرتے ہیں جن کو خود کچھ نہیں پتا ہوتا۔ نتیجتاً غلط معلومات پر گمراہ ہو جاتے ہیں اور غلط عادات میں پڑ کر اپنی زندگی اور صحت کو خراب کر لیتے ہیں۔ یہ ایک بہت عام مسئلہ ہے۔ ہم میں سے ہر ایک فرد کو اس جانب سنجیدگی سے سوچنا چاہیے کہ اپنے نوجوان بچوں اور بچیوں کی حدود کے اندر رہتے ہوئے کیسے رہنمائی کی جائے کہ وہ اس بے راہ روی کا شکار نہ ہوں۔ میڈیا اور پرنٹ میڈیا کو اس جانب غور کرنا چاہیے۔

قرآن و حدیث کا مطالعہ کیجیے۔ نماز کی پابندی کیجیے۔ اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیے اور پھر اپنی صحت کے لیے دعا کیجیے۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات 3 ماہ تک استعمال کریں اور پھر تمام حالت تفصیل سے لکھیں۔ Calc. phos-30 Staphisagria-30 کے 7، 7 قطرے آدھے گلاس پانی میں ڈال کر دن میں 3 مرتبہ پئیں۔

بال سفید ہونا اور گرنا

نمرہ.....سکھر

میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے سر کے تقریباً سارے بال سفید ہو چکے ہیں۔ میرے سر کے بال گرتے بھی ہیں۔ جس کی وجہ سے میں بہت پریشان ہوں۔ آپ پلیز کوئی اچھی سی دوا تجویز کریں کہ میرے بال کالے ہو جائیں۔

جواب: غم، فکر، ناقص غذا، پالتو، غیر معیاری شیمپو، تیل اور کچھ جسمانی تبدیلیاں جو وقت و عمر کے

Scanned with CamScanner

digest library.com

ساتھ ہوتی ہیں بالوں پر اثر انداز ہوتی ہیں۔
پھلوں، سبزیوں اور گوشت کا استعمال بڑھائیں۔
ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی مندرجہ ذیل ادویات Natrummur-30 · Acidphos-30 کے 5'5 قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ استعمال کریں۔ ایک ماہ بعد حال بتائیں۔

ہارمونز کی خرابی

فہمیدہ.....فیصل آباد

ماہواری سے پہلے الٹیاں آتی ہے.... کچھ بھی کھایا پیا ہو، پیٹ کے نچلے حصے میں گیس ہو جاتی ہے۔ پھر معدے کے منہ پر درد شروع ہو جاتا ہے۔ نہ پیٹ کم ہوا نہ کولیے..... بال بھی گرتے ہیں اور میں نے آپ کو مینک کے متعلق بھی لکھا تھا۔ آنکھوں کی سیدھ میں سر میں درد ہوتا ہے۔ میرے چہرے پر کیل نکلتے ہیں اور ناک پر بلیک ہیڈز بہت زیادہ ہیں۔ اب میرا جسم پھول گیا ہے اور طاقت نہیں ہے، سیڑھیاں چڑھنے سے سانس پھولتی ہے۔ میرے منہ میں تالو والی جگہ پر خارش ہوتی ہے۔ اکثر منہ میں چھالے نکل آتے ہیں۔ جب خارش ہوتی ہے تو زبان تالو پر پھیرنے سے چھینکیں آتی ہیں اور غصہ بہت آتا ہے۔ تھوڑا سا کام کر کے تھک جاتی ہوں۔

جواب: بی بی آپ کا مسئلہ بھی ہارمونز کی خرابی کا ہے اس لیے آپ کو باقاعدگی سے اس کو ٹھیک کرنے کے لیے علاج کرنا ہوگا۔ خطوط کے ذریعے جب آپ کا نمبر آتا ہے تو جواب دے دیا جاتا ہے۔ فون نمبر دینا بیکار ہے کہ کیس یاد نہیں رکھا جا سکتا کہ کس کو کیا مرض ہے؟ اور کیا دوا لی دی؟ خط میں بھی پچھلی دوائیوں کا ذکر ضرور کیا کریں تاکہ معلوم ہو کہ پہلے کیا دیا تھا۔ اور اب کیا صورتِ حال ہے۔ ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی Calc.carb-200 کی ایک خوراک 5 قطرے ایک گھونٹ پانی میں ہر ہفتہ لیں۔ اس کے ایک دن بعد Thyroidinum-30، Pulsatilla-30، Fucus ves-Ø، Phytolcca- e-becsis-Ø، Ruta-30، Physostigma-30 کے 7-7 قطرے ایک کپ پانی میں دن میں 3 مرتبہ لیں۔ اور Magnesium phos Ptk 60 کی ایک گولی دن میں 3 مرتبہ لیں۔ 2 ماہ بعد کیفیت سے مطلع کریں۔

بریسٹ

مہرالنسا.....راولپنڈی

محترم ڈاکٹر! میں پاکیزہ بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے بریسٹ بہت کم بلکہ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اگست میں میری شادی ہے۔ میں نے پہلے بھی لکھا تھا مگر شائع نہیں ہوا۔ اس دفعہ آپ مہربانی کر کے ضرور شائع کریں۔ میری خوراک اچھی ہے۔ آپ برائے مہربانی میرا سوال اور جواب ضرور شائع کریں تاکہ میری مشکل دور ہو جائے۔ سدا خوش رہیں آپ۔

جواب: ہمیں پہلی بار آپ کا خط ملا ہے۔ ماہواری کے متعلق نہیں لکھا کہ وہ کیسی ہے؟ لیکوریا کی شکایت تو نہیں ہوتی؟ قد کتنا ہے؟ کوئی اور جسمانی بیماری تو نہیں؟ ہارمونز کی خرابی کو بھی جانچنا ہے۔ آپ لوگ اشتہار پڑھ کر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ بس ہم اب اس کے متعلق بتائی ہوئی دوا استعمال کریں گے تو ٹھیک ہو جائیں گے، یہ نہیں سوچتے کہ سبب جانے بغیر ایک دوا سب پر کیسے کام کرے گی؟ متوازن غذا استعمال کریں، ورزش کریں اور ڈاکٹر ولمار شوابے جرمنی کی مندرجہ ذیل ادویات 2 ماہ استعمال کے بعد کیفیت سے مطلع کریں۔ Thyroidium-30، Sabalser.-30 کے 7-7 قطرے آدھا گلاس پانی میں دن میں 3 مرتبہ پئیں۔

Dr.Willmar Schwabe Germany
Available at All Medical & Homoeopathic Stores
شوابے سنگل ریمیڈیز گھر بھر کی صحت کے لیے کلاسیکل ہومیوپیتھی

Scanned with CamScanner